

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی نادر و ننگار
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیمُ الامّت مجددِ الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ علیہ

13

یہ وہ مقبول خاص عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس کو چسپی لیتے ہیں مگر
مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض
اوقات نوبت السامع و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے حضرت حکیمُ الامّت نے اشعارِ مثنوی
کو واضح کر کے اور مسائلِ تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت
یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل
کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

اِنَّ اِلٰهَنَا لَيَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی روایت کی نادر و نرگاز
اور معرکہ آرا کتاب مثنوی معنوی کی جامع اور لاجواب اردو شرح

کلید مثنوی

از:

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی درہ شریف

جلد ۱۳

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے
دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی محنت
پیش آتی ہے اور بعض اوقات نیرت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔
حضرت حکیم الامت نے اشعار مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام
فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سمعبر اور
شرعیۃ طریقت کا پاس ادب لکھ کر مضامین کو حل کر نیوالی اور کوئی شرح
نہیں بھی گئی۔

ادارہ تالیفات اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹے . ملتان

ربع اول از دفتر رابع

قَالَ الْعَالِمُ اِسْتَيْسَا لَمْ يَسْمَعْ لَمْ يَسْمَعْ لَمْ يَسْمَعْ لَمْ يَسْمَعْ
الْكُنْزِ وَالْحِكْمَةِ وَاعْلَمَكُمْ لَمْ يَسْمَعْ لَمْ يَسْمَعْ

چون در کبریه در قوله تسلوا و اعلمکم الکتاب فی فضل عالم نظم معنی قوله که یکم شریف عالم کلام
عقائد و علم سلوک قوله الحکمه خبریت علم سلسله و علم حصول ان با این شرح بیان است از آن خبر و چون
تصوف که شش سلسله سلوک سلسله است از علم دین نیک بیان است با اتفاق این اتفاق ششوی از کتب
این فاضل شان است لکن این علاقه ششوی بیان است و بنا علی این شرح آورد که معنوی را

مکیشوی

عنوان است و این ربع اول از دفتر رابع از ان است (با الفاظ و عبارت (مولوی) فتیله علی
مولوی حبیبی اجل سلمه الله که هر یک از ایشان بجای صاحبانی یعنی حکیم الامت
حضرت مولانا اشرف علی صاحب دمام ظلم بنیر لسان قریحان است) در اصل متن را
چنان حل کرده که غایت امرکان است مسأله را بطور تقریر نموده که هم موافق
تحقیق اهل اتفاق هم مطابق حدیث و قرآن است اشکالات اعلا را بطریقه دور ساخته که روش
اطمینان بان است و بجای موقوفه سید الخیر محمد الداد الله که مطرب آواز شادان است هم در وزن

حسب فرمایش

چهار شب علی مالک الشرف المطایع نه هو ضیاع مطهر طبع شد

بقیہ ربع اول از دفتر رابع کلیتہ مشنوی،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شرح حبیبی

معالجه کردن برادر دہلغ - دہلغ را خفیہ بیوے سرگین

خلق را می راند از دے آبجواں	تا علاجش را بینند آن کساں
سرگوشش بر دہچو راز گو	پس نہاد آن چرک بر پیننی او
کو بخت سرگین سگ سائیدہ بود	دارو مغز پلید اں دیدہ بود
چونکہ بے آں حدت رادر کشید	مغز دشتش بوی ناخوش را شنید
ساعتی شد مردہ جنبیدن گرفت	خلق گفتند ایں فسونے بد شکفت
کایں بخواند افسوں بگوش اود مید	مردہ بود افسوں بفریادش رسید
جنبش اہل فتاد آنسو بود	کہ ز ناز و غمزہ دا برو بود
ہر کرا مشک نصیحت سو نیست	جز بدیں بوسے بدش بہبود نیست
مشترکاں را زان بخش خواندہ مست حق	کاندروں بشک زانند از سبق
کرم کو را دست از سرگین ابد	می نگر دانند بعنبر خوے خود

مع دفتر رابع کے شروع سے یہاں تک رسالہ القاسم دیوبند میں شائع ہوا ہے ۱۲ مدیر

چوں نزد برے نثار رش نور
 و زرش نور حق قمیش داد
 لیک نے مرغ خیس خانگی
 تو بیاں مانی کزناں نوری تہی
 از فراق زرد شد رخسار و رو
 دیگر ز آتش شد سیاه و دود خام
 ہشت سالت جوش دلم از فراق
 خامی و ہرگز نخواہی پخت تو
 غورہ تو سنگ بستہ از سقام
 غور ہا کنوں مویزند و تو خام

ہاں تو وہ شخص لوگوں کو ہٹا مانتا تھا کہ وہ لوگ اس کے علاج کو دیکھیں جب ہٹا چکا تو اس کے
 کان سے یوں منہ ملا یا جیسے کوئی راز کہتا ہو اور اس طرح وہ گوہ اس کی ناک سے لگا دیا۔ کیونکہ
 اس نے ہاتھ سے کئے کا گوہ ملا تھا۔ جیسا کہ اس کی بواگنی تھی۔ اور ملا تھا اس لئے کہ اس کو علم تھا کہ
 گندے دماغ والوں کا علاج یہی ہے۔ پس جبکہ اس نے گوہ کی کھینچی تو اس کے برے دماغ نے
 اس بدمذہب کو سونگیا۔ تھوڑی دیر میں اس مردہ نے حرکت شروع کی۔ لوگوں کو اس سے نہایت
 تعجب ہوا۔ اول انھوں نے کہا کہ یہ تو عجیب منتر تھا کہ اس نے وہ منتر پڑھ کر اس کے کان میں چھکا
 پس حالانکہ وہ مردہ تھا۔ مگر منتر نے اس کی فریاد سن لی۔ اور اسے جلا دیا پس اس سے تم سمجھو۔
 کہ خراب لوگوں کی حرکت یہی اسی طرح کی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ناز و غمرہ اور ابرو سے ہوتی ہے
 جو کہ مذہب میں۔ اور جبکہ شک نصیحت مفید نہیں ہوتا۔ اس کو بجز بوسے یا معاصی کے فائدہ
 نہیں ہوتا نیز مشرکین کو حق سبحانہ نے اس لئے بخش کہا ہے کہ وہ بیشتر ہی سے گندگی کفر میں
 پیدا ہوئے ہیں اور اسی سے مانوس ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عنبر ہدایت کے خوگر نہیں ہوتے
 کیونکہ جو کثیر گوہ میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ کبھی عنبر کا عازی نہیں ہوتا چونکہ انہیں اس کی چھینٹ

نہیں پڑی۔ جو کہ ابتدا سے خلقت میں مخلوق پر چھڑکا گیا تھا۔ اسلئے وہ سراسر جسم ہیں اور ان میں جان بالکل نہیں (جان کی نفی اس لئے کی گئی ہے۔ کہ وہ اپنے مقتضیات سے خالی ہے پس گویا کہ وہ معدوم ہی ہے) لہذا ان کی ایسی مثال ہے جیسے چھلکے۔ کہ ان میں فضلہ ہی فضلہ ہوتا ہے۔ اور جو بہر بالکل نہیں ہوتا۔ اور صورت ہی صورت ہوتی ہے۔ معنی بالکل نہیں ہوتا ہاں اگر حق سبحانہ نے ان کو نور کی چھینٹوں کا کوئی حصہ عطا کیا ہے تو وہ بادیہ کفر میں پیدا ہوتے کے۔ ہدایت پاتے ہیں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے اہل مصر کے رسم کی بنیاد گوہر سے مرغ پیدا ہو۔ (اہل مصر کا قاعدہ تھا۔ کہ انڈوں کو گوہر میں دبا دیتے تھے۔ اور کچھ خاص شرائط کے ساتھ۔ اسکی حرارت سے بچ کر نکل آتے تھے۔ اس رسم کی طرف اشارہ ہے) مگر گوہر سے تو دلیل اور خانگی مرغ پیدا ہوتا ہے۔ یہ ویسے نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ دانش و فرازنگی کا فرغ یعنی ہدایت یافتہ انسان ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کفر میں پیدا ہونے والے دو قسم کے ہیں۔ شقی ازلی اور سعدی ازلی اشقیاء کی ایسی مثال ہے جیسے جبل اور سعداء کی ایسی مثال ہے جیسے مرغ جو کہ مصر کی رسم مطابق گوہر میں پیدا ہوا ہو۔ یہ مضمون تو استطردی تھا۔ ایک نو کہ معشوقہ اپنے عاشق سے کہتی ہے۔ کہ تو چونکہ نور ہدایت سے جو مخلوق پر ابتدا خلقت میں چھڑکا گیا تھا۔ خالی ہے کیونکہ میں دیکھتی ہوں۔ کہ تو گوہر پر تان رکھتا ہے اور معاصی کی طرف میلان رکھتا ہے اور اسلئے تو اس دبلغ کے مشابہ ہے۔ بادیہ دیکھ کر رخ فراق سے تیرے خسار اور چہرہ سب زرد گئے ہیں مگر ہنوز تو زرد پتے۔ اور کچھ میوے سے مشابہ ہے۔ یعنی تھوڑے میں کمال کی استعداد ہی نہیں۔ یا ہر مگر ہنوز اسکا ظہور نہیں ہوا (زرد پتے سے اشارہ عدم استعداد کمال کی طرف ہے۔ کیونکہ جو پتا خزاں سے زرد ہو جاتا ہے۔ پھر ہر نہیں ہوتا۔ اور میوہ ناچختہ سے عدم ظہور کمال مع وجود الاستعداد کی طرف اشارہ ہے) ہانڈی تو آگ سے کالی اور دھوئیں کے رنگ ہو گئی۔ مگر گوشت ہنوز کچا ہے۔ یعنی جسم پر تو بہت کچھ اثر ہوا۔ مگر روح پر کچھ اثر نہ ہوا۔ میں نے تجھے آتش فراق سے آٹھ سال تک جوش دیا۔ مگر تیری نفاق کے سبب تیری خامی میں ذرہ برابر کمی نہ آئی۔ اور تو کچا کچا کچا ہی رہا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ تو کبھی نہ پکے گا۔ اگرچہ ہزاروں مرتبہ جوش کھاؤ کیونکہ کچے انگور تو۔ موز ہو گئے۔ اور ناقصین کمال بن گئے۔ مگر تو کچا کچا ہی رہا۔ اس سے معلوم ہوا

کہ تو اپنے مرض کے سبب کچا اور مغز اہوا انگور ہے جس میں خشکی کی قابلیت ہی نہیں۔

شرح شبیری

برادر دماغ کا اپنے بھائی کا علاج خفیہ طور پر سرگین سگ سے کرنا

خلق رami بر انداز وے آنجواں تا علاءش رانہ بیند آن کساں
یعنی وہ جوان لوگوں کو اسکے پاس سے ہٹاتا تھا تاکہ وہ لوگ اس کے علاج کو دیکھ نہ لیں۔

سر بگوشتش برد بھجوں راز گو بس نہاد آں چرک برستی او
یعنی اسکے کان کے پاس راز گو کی طرح سر لگیا پھر اس گوہ کو اس کی ناک پر رکھ دیا۔

کو بکف سرگین سگ سائیدہ بود دار و مغز پلید اں دیدہ بود
یعنی کہ اس نے ہاتھ میں سرگین سگ ل رکھا تھا۔ اور پلیدوں کو مغز کی دوا کو دیکھ نہ لے سکا۔

چونکہ پوئے آں حدث را و اشید مغز زشتش بوی ناخوش را سترید
یعنی جیسے اس دماغ نے اس ناپاکی کو کھینچا تو اس کا مغز زشت ناخوش بوئے لائی تھا (تجربہ ہوا کہ)

ساعتے شد مرد جنبیدن گرفت خلق گفتند این فسوئے بد شکفت
یعنی ایک گھڑی ہوئی کہ اس مرد نے ہلنا شروع کیا لوگوں نے کہا کہ یہ تو ایک عجیب فسوئے تھا۔

کایں بخواند افسوں بگوش او دمید مردہ بود افسوں بفریادش رسید
یعنی کہ اس نے افسوں بڑھا اور اسکے کان میں پھونک دیا تو وہ مردہ تھا تو افسوں اسکی فریاد کو پہنچ گیا۔

یعنی افسوں نے امیر اثر کیا اور وہ اچھا ہو گیا۔ اُسے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ۔

جنبش اہل فساد آنسو بود کہ ز ناز و غمزه و ابرو بود
یعنی اہل فساد کی جنبش اس طرف ہوتی ہے جو کہ ناز اور غمزه اور ابرو سے ہو۔ مطلب یہ کہ چون

کہ ناز و غمزه و ابرو دیکھتا ہے اہل فساد تو اس طرف مائل ہوتے ہیں اور جو لوگ اہل صلاح ہوتے ہیں وہ جمال حقیقی باری تعالیٰ کے شہدائی ہوتے ہیں۔

ہر کرامتک نصیحت سو نیست لاجسم با پوئے بد خو کرد نیست

یعنی جب کو شک نصیحت کا نفع نہیں ہے وہ یقیناً بوسے بد کی ساتھ خوکرتا ہے مطلب کہ جس شخص کو کہ نصیحت فائدہ نہیں کرتی۔ وہ یقیناً بوسے بد میں رہے گا اور اسکو ہرگز نفع نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ گمراہی میں رہے گا۔

مشرک انہما از ان نجس خواندہ است حق کاندروں پشک زادن از سبق
یعنی مشرکوں کو حق تعالیٰ نے اسی لئے نجس کہا ہے کہ وہ نجاست ہی کا انداز لے ہی پیدا کئے ہیں
کرم کو زادن دست از سرگین بد می نگر داند بعینہ خوئے خود
یعنی جو کچھ کہ سرگین بد میں پیدا ہوا ہے وہ عینہ سے اپنی عادت کو بدل نہیں سکتا۔ یعنی وہ کرم عینہ شیم نہیں بن سکتا جسکا کہ نشود نماگوہ ہی میں ہوا ہو۔

چوں نزد بروئے انتشارش نور او جسم است نے جان حق قشور
یعنی جب اسپر رش نور کے انتشارے مارا نہیں تو وہ بالکل جسم ہی جسم ہے۔ نہ کہ جاں پر مثل جھیلوں کے مطلب کہ حدیث میں ہے کہ ان الله خلق الخلق في ظلمة ففرق عليهم نوره ففان صابا
منہ امتدای ومن اخطاء ضل او کیا قال تو جسپر وہ نور پہنچا ہے وہ تو ہندی ہو گیا اور چونکہ ان کفار و مشرکین کو وہ نور نہیں پہنچا اور اس نور سے یہ محروم رہے ہیں لہذا انکو ہدایت نہیں ہوئی۔ اور یہ گمراہ ہو گئے۔

وزر رش نور حق قشیش داد ہجو رسم سرگین مرغ زاد
یعنی اور اگر رش نور میں سے حق تعالیٰ نے اسکو کوئی حصہ دیا تو اسکی رسم کی طرح سرگین نے مرغ جنا۔ (رسم میں رسم پر کہ سرگین میں انداد بلدیے ہیں تو اسکی گرمی سے بچ نکل آتا ہی مطلب یہ کہ کفار وغیرہ پر چونکہ وہ نور پہنچا نہیں ہے اسلئے وہ تو گمراہ ہی رہے۔ اور جن لوگوں کو اس نور میں سے حصہ مل گیا ہے وہ ہندی ہو گئے ہیں۔ اور ایسا ہے کہ جیسے سرگین میں سے بچ نکل آوے۔ کہ ایک نایاک شے میں سے پاکیزہ شے پیدا ہو گئی ہے اسی طرح وہ ظلمت میں سے نورانی شکل کا انسان پیدا ہو گیا
لیکن نے مرغ خیس خانگی بلکہ مرغ دانش و فرزانگی
یعنی لیکن نہ کہ مرغ خیس خانگی بلکہ مرغ عقل اور فرزانگی کا یعنی وہ جو بھینہ میں سے بچ نکلا ہی تو وہ بچ مرغ خانگی کا خیس اور پلید نہیں ہے بلکہ یہ تو بہت زیادہ پاک اور صاف شے ہے اور یہ

شخص تو بڑا دانا اور عاقل اور فرمانا ہے آگے اس معشوقہ کا مقولہ ہے کہ وہ کہتی ہے کہ۔

تو بیاں مانی کزاں نور سے تھی زائنگہ بینی بر پلیدی می نمی
یعنی تو اسکے مشابہ ہے کیونکہ اس نور سے تو خالی ہے اسلئے کہ تو ناک پلیدی پر رکھتا ہے مطلب
یہ کہ اس عاشق کو کہہ رہی ہے کہ جب طرح کہ وہ دروغ تھا کہ اسکو پلیدی کے سونگھنے سے ہوش
آگیا ایسا ہی تو ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ تو اس نور حق سے خالی ہے لہذا تیرے پاس باکی آتی
ہی نہیں اور دلیل اسکی یہ ہے کہ جیسا وہ ناپاکی سے اچھا ہو گیا اور اس نے ناپاکی کو پسند کیا
اسی طرح تو بھی خباثت اور ناپاکی ہی کو پسند کرتا ہے۔

از فراقت زرد شد رخسار و رو برگ زردی میوہ ناچختہ تو
یعنی فراق کی محنت تیرا رخسار و زرد ہو گیا تو تو برگ زرد ہے اور تو میوہ ناچختہ ہے مطلب
یہ کہ میوہ زرد ہو کر پک جاتا ہے اور پتا زرد ہو کر خشک ہو جاتا ہے تو تو بھی زرد ہو رہا ہے یہ
زردی میوہ جیسی زردی نہیں ہے بلکہ یہ زردی پتے کی سی ہے کہ جو دلیل نقص کی ہے۔ آگے
ایک مثال دیتی ہے کہ۔

دیگ ز آتش شد سیاہ و دود خام گوشت از پختی چنین ماند است خام
یعنی ہندیا تو آگ سے سیاہ اور دھوئیں کی رنگت کی ہو گئی اور گوشت سختی کی وجہ سے سیاہی
کچا رہا ہوا ہے مطلب یہ کہ تیرا چہرہ تو زرد ہو گیا اور رنگت ہی تیری بد لگئی مگر کجحت تیرا دل
اسی طرح گناہوں میں مبتلا ہے۔

ہشت سالست جوش دادم در فراق کم نشد یک ذرہ خامیت از نفاق
یعنی آٹھ برس تک میں نے تجھے فراق میں جوش دیا ہے۔ (مگر) تیری خامی نفاق کی وجہ سے کم نہیں ہوئی۔
خامی دہر گز نہ خواہی پخت تو گر ہزاراں بار جوشی اے عتو
یعنی تو خام ہے اور تو ہر گز نہ پکے گا۔ اگرچہ تو اے سرکش ہزار بار بھی جوش کرے۔
غورہ تو سنگ بستہ از مقام غور ہا اکتوں موزند و تو خام
یعنی تو انگور کچا ٹھہرا ہوا ہے۔ امراض (باطنی) کی وجہ سے اور غورے تو اب موز ہو گئے اور
تو کچا ہے یعنی اور سب تیرے ساتھ کے تو درست ہو گئے اور تو دوسا کا دوسا ہی ہے۔ اس سے

معلوم ہوا کہ تیری صلاح نہوگی آگے وہ عاشق اپنی اس حرکت کی عذر خواہی کرتا ہے کہ۔

شرح حبیبی

تا بہ بینم تو حریفی یا ستیہ
لیک کے باشد خبر ہچو عیاں
چہ زیانت ار بکردم استلاش
تا شدہ ظاہر از ایشان معجزات
میں کم ہر روز در سود و زیاں
لے کہ چشم بد ز چشمان تو دور
گر تفحص کردم از گنجست مرغ
تا زدم باد ششماناں ہر بار لاف
چشم ازیں دیدہ گواہیہا دھد
آدم اے مہر بشیر و کفن
بیش ازیں از دوری لے ماہم کش
کہ ازیں دستم از دست دگر
ہر چہ خواہی کن ولیکن این ممکن
گفت امکان نیست چوں بیگاہ شد
گر بانیم این نمائند ہچنین
چشم می داریم در عقوای و دود

گفت عاشق امتحاں کردم بگیر
من ہی دانشم بے امتحاں
آفتابی نام تو مشہور و فاش
ابنیا را امتحاں کردہ عدات
تو منی من خوشی تن را امتحاں
امتحاں چشم خود کردم بنور
ایں جہاں ہچوں خرابہ است و تو گنج
زاں چنین بے خردگی کردم گرفت
تا ز بانم چوں ترانا مے نہد
کہ شدم در راہ حرمت را ہزن
جز بشمشیر خود اے شاہم کش
جز بدست خود مہرم پاؤں سر
از جذباتی باز میسرانی سخن
در سخن آباد ایندم راہ شد
پوستہا گفتیم و مغز آمد و فیس
گر خطائے آمد از مادر وجود

امتحان کردم مرا معذور دار چوں ز فعل خویش گشتم شرمسار
 عاشق نے جواب دیا کہ آپ مجھے مواخذہ نہ کریں میں نے امتحان کیا تھا۔ کہ دیکھیں آپ کی
 فعل میں میری ہوا نفقت کرنیوالی ہیں یا عقیقہ گو یہ امر کہ آپ پارسا میں مجھے پہلے ہی معلوم
 تھا۔ لیکن ان خبر کا ملکا عینہما یعنی سنی سنائی بات مشاہدہ کی برابر نہیں ہوتی۔ اس لئے
 میں نے چاہا کہ مشاہدہ کروں آپ آفتاب عصمت ہیں اور آپ کا نام عفت میں مشہور و معروف ہے
 پس اگر میں نے اس بات کی ازمایش کر لی تو کیا گناہ ہوا۔ دشمنوں نے ابنیا کا امتحان کیا ہے
 جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی معجزات کا ظہور ہوا نیز آپ اور میں ایک ہیں اور میں اپنا ہر وزن و نفع و
 نقصان میں امتحان کرتا رہتا ہوں پس آپ کا امتحان کوئی بیجا بات نہیں علیٰ ہذا آپ میری آنکھ
 میں اور اے خوش چشم خدا کر آپ کی آنکھوں کو نظر نہ لگے میں اپنی آنکھ کا نور سے امتحان کرتا ہوں
 آپ کا امتحان کوئی قابل تعجب بات نہیں۔ نیز جہاں ایک ویرانہ ہے اور آپ خزانہ کمالات ہیں
 اگر میں نے آپ کا خزانہ کمالات تلاش کیا تو کوئی خطا ہوئی بات نہیں نیز میں نے بیہوشی سے یہ حقاقت اس لئے
 کی کہ کمال الفیض کے مقابلہ میں بہر تہ اپنی پارسانی کا بے تکلف دعویٰ کر سکوں اور تاکہ جب میری
 زباں پر بھلائی کے ساتھ آپ کا نام آئے تو آنکھ اس امر مشاہدہ کی گواہی دے۔ اچھا اگر میں نے
 آپ کی آبروریزی کی ہے تو میں سترائے موت کیلئے موجود ہوں اگر آپ مجھے مارنا چاہتی
 ہیں تو اپنی ہی تلوار سے ماریے اور اس سے زیادہ مجھے صدمہ فراق سے ہلاک نہ کیجئے۔ آپ
 میرے پاؤں اور سونپنی ہی تلوار سے کاٹئے کیونکہ میں آپ کا غلام ہوں نہ کہ کسی دوسرے
 دیکھئے آپ پھر عجبائی کا نام لیتی ہیں آپ جو چاہیں کریں مگر یہ نہ کریں دیکھئے مجھے اس وقت
 گفتگو کا موقعہ ملا ہے۔ اور جب ناوقت ہو جاوے گا اس وقت کچھ نہ کہہ سکوں گا۔ اس لئے
 یہ مختصر گزارش ہے۔ اور جو کچھ عرض کیا ہے یہ اس کے مقابلہ میں جو ہنوز نہیں کہہ سکا بہتر
 پوست کے ہے اور مغر ہنوز مدفون ہے۔ اور یہی اس لئے کہا ہے کہ ہم تو رہیں گے مگر بیہوش
 حال نہ رہے گی۔ پس اگر اس ملاقات میں مجھے کوئی خطا ہوئی ہو تو مجھ کو آپ سے معافی
 کی امید ہے۔ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ امتحان تھا۔ اب جبکہ میں اپنی اس حرکت پر نادم ہوں
 تو مجھے معذور رکھئے اور معاف کیجئے۔

شش شبیری

عاشق کا اپنے گناہ کی عذرخواہی کرنا تلبیس اور
روپوشی کے ساتھ اور معشوقہ کا اس تلبیس کو سمجھ لینا

گفت عاشق امتحان کردم میگیر تا بہ بینم تو حر یعنی یا ستیر
یعنی عاشق نے کہا کہ میں نے امتحان کیا تھا مجھ سے گرفت رست کرانا کہ میں دیکھ لوں کہ تو حریف
ہے یا مستورہ ہے مطلب یہ کہ عاشق نے کہا کہ میں نے تو تجھے آزمایا تھا کہ آیا تو عقیفہ ہے یا
نہیں لہذا اب معلوم ہو گیا تو بے شک عقیفہ ہے۔ تو اس امتحان میں مجھے گرفت رست کر اب
ہیاں وہ معشوقہ کہہ سکتی ہے کہ کیا تو مجھ سے پہلے سے عقیفہ نہ جانتا تھا کیا مجھے اوباش سمجھتا
تھا۔ تو اس کا جواب بطور دفع دخل مقدر کے دیتا ہے کہ

من ہی دانستم بے امتحان لیک کے باشند خبر جموں عیاں
یعنی میں تجھے بے امتحان ہی جانتا تھا لیکن خبر معائنہ کے مثل کب ہوتی ہے یعنی لیس
التجبر کا معائنہ پہلے تو صرف خبر ہی تھی اور اب دیکھ لیا۔ تو انہیں تو بوں بعید ہوا۔

آفتابی نام تو مشہور و فاش چہ زیانست اربکروم ابتلاش
یعنی تو تو آفتاب ہے۔ اور تیرا نام مشہور ہے۔ اور ظاہر ہے تو میں نے کیا نقصان کیا اگر اس کا
امتحان کر لیا مطلب یہ کہ اگر آفتاب کا کوئی امتحان کرے تو آفتاب کا امین کیا ضرر ہی تو اس کا
تو تو آفتاب ہے۔ اگر میں نے تیرا امتحان کر ہی لیا تو امین تیرا کیا ضرر ہوا۔

تو منی من خوشی تن را امتحان میکم ہر روز در سود و زریاں
یعنی تو تو میرا عین ہے۔ اور میں اپنا امتحان ہی ہر روز بے نفع نقصان کے کرتا ہوں یعنی میری
تیری فی الحال من تو شرم تو من شرم کی ہو گئی ہے۔ تو اگر میں نے تیرا امتحان کیا تو گویا اپنا
امتحان کیا پھر اپنا تو میں روز مرہ امتحان کرتا ہوں امین جج ہی کیا ہے۔

انبیاء امتحان کردہ عداوت . تاشدہ ظاہر از ایشان معجزات
یعنی دشمنوں نے انبیاء علیہم السلام کا امتحان کیا ہے۔ یہاں تک کہ ان سے معجزات ظاہر ہوئے
مطلب یہ کہ امتحان میں نقصان تو کیا ہوتا بلکہ نفع ہے اسلئے کہ دیکھو اس امتحان سے
تمہاری عفت ظاہر ہو گئی انبیاء کا کفار نے امتحان کیا تو ان سے معجزات ظاہر ہوئے۔ علی ہذا
امتحان میں تو نفع ہی ہے۔

امتحان چشم خود کردم بنور اسے کہ چشم بدر چشماں تو دو
یعنی میں نے اپنی آنکھ کا امتحان نور سے کیا ہے اسے وہ کہ چشم بدتری آنکھوں سے دور ہو مطلب
یہ کہ تم تو میری آنکھ میں نے تمہارا امتحان کیا کیا گویا کہ اپنی آنکھ کا امتحان کیا ہے کہ دیکھوں
میں نور ہے کہ نہیں تو انہیں تو نور پہلے سے تھا اب امتحان سے اور خوب ظاہر ہو گیا۔

ایں جہاں بچوں خرابہ است و تو بچ کر تفحص کردم از نجات مریخ
یعنی یہ جہاں تو مثل ویرانہ کے ہے اور تو خزانہ ہے تو اگر میں نے تیرے خزانہ میں سے تفحص
کیا تو حقاقت ہو (اسلئے کہ اگر میں تفحص کر ڈنگا تو معلوم ہو گا کہ تم میں یہ جوہر ہیں)

ز آنچنین بے خردگی کردم گزاف تا کنم باد دشمنان ہر بار لاف
یعنی ایسی بے عقلی سے جو میں نے بیہودگی کی تو اسلئے کہ دشمنوں میں ہر بار بیشی کر سکوں مطلب
یہ کہ میں نے امتحان کیا تو صرف اسلئے کیا تاکہ لوگوں میں مجھے کہنے کا موقع ملے کہ میں نے خود آزما
دیکھا ہے میں وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ عقیفہ ہے۔ اور اگر میں نے دیکھ نہ لیا ہوتا تو پھر تو صرشت
انداز اور تخمین ہی سے ٹکاو عقیفہ کہہ سکتا تھا۔ اور اسلئے کیا ہے کہ۔

تا زبایم چوں ترانامے نہ چشم از دیدہ گواہی باوہد
یعنی تاکہ میری زباں جب تیرا نام لے تو آنکھ دیکھے ہوئے کی گواہی دے یعنی اگر زباں سے
تیری تعریف کروں تو آنکھ کے بیشک صحیح کہتا ہے ہم نے ہی دیکھا ہے۔

گر شدم در راہ حرمت راہزن آدم اے ہمہ شمشیر و کفن
یعنی اگر میں راہ ادب میں راہزن ہو گیا ہوں تو اسے ماہ میں مع شمشیر و کفن کے آیا ہوں
پہلے قاعدہ تھا کہ اگر مجرم خود مجرم کا اقرار کرتا ہوا حاضر ہوتا تھا تو شمشیر و کفن ہی ساتھ لانا

اور زبان حال کہتا تھا کہ ۛ قتل کر ڈالو ہمیں یا جرم الفت بختزد + لو کھڑے میں ہاتھ باندھے
ہم تمہارے سامنے۔ اور یہ اسلئے کہتے تھے تاکہ آقا کو یا معشوق کو جسکا وہ جرم ہے رحم آجائے
تو اسی طرح یہ کہتا ہے کہ اگر میں نے بے ادبی بلی کی ہے تو اچھا تو میں حاضر ہوں جو سزا چاہو
لیکن ایک شرط ہے وہ یہ کہ۔

جزبہ شمشیر خود اسے شاہم مکش پیش ازیں از دوری لے ماہم مکش
یعنی اپنی شمشیر کے سوا اور کسی سے مجھ کو مت مارا اور اس سے پہلے اے ماہ مجھے دوری سے ملتا
مطلب یہ کہ اگر سزا دو تو اپنے ہاتھ سے ہی دینا تاکہ یہ حالت ہو کہ ۛ سر بوقت فوج اپنا اسلئے
زیر پائے ہے + کیا نصیب لشکر لہوٹنے کی جائے ہے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ سزا کے
پہلے پہلے دوری میں مت رکھنا بلکہ اپنے ہی پاس رکھنا تاکہ اخیر وقت میں تو تمہاری دیدار سے
مشرف ہوں اسی کو دوسرے عنوان سے کہتا ہے کہ۔

جو بدست خود مبہم پاؤں سر کہ ازیں دستم نہ از دست دگر
یعنی اپنے ہاتھ کے سوا کسی کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹنا۔ کیونکہ میں اسی ہاتھ کا ہوں نہ کہ دوسرے
ہاتھ کا یعنی میں اسی ہاتھ کا پلا ہوا ہوں تو آج تمنا یہ ہے کہ اسی ہاتھ سے فوج ہو جاؤں اور
کہتا ہے کہ۔

از جدائی باز می رانی سخن ، ہر چیہ خواہی کن ولیکن ایں مکن
یعنی جدائی کی بات کو پھر چلائی ہو تو جو چاہے کرو مگر یہ نہ کرو۔ مطلب یہ کہ تم پھر جدائی کو کہتی
ہو کہ میں جدا کر دوں گی تو لشکر اسکا تو نام ہی نہ لو اور جو چاہو سزا دیو مگر اسکا نام نہ لو۔
در سخن آباد آیند مراہ شد گفت امکان نیست چون بیگاہ شد
یعنی سخن آباد میں اس وقت میری راہ ہو گئی ہے۔ (لیکن) کہنا ممکن نہیں ہے جب بوقت
ہو گیا۔ مطلب یہ کہ وقت تو باتیں کر نیکا ہے مگر کیا کہیں کہتے کا وقت نہیں رہا۔ لہذا چپ ہی
رہتے ہیں۔

یوستہا گفتیم و مغز آمد و فیس گر بانیم ایں منہ اند بچنین ،
یعنی اوپر اوپر کی باتیں ہم نے کہی ہیں اور اصل باتیں مدفون ہیں اگر ہم رہے تو یہ اس طرح

نہ ہے گا۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو باتیں کی ہیں وہ صرف پوست پوست ہیں باقی اصل باتیں ہی بیان نہیں کی ہیں۔ اور پھر اگرچہ ہم تو رہیں گے مگر وقت ایسا نہ رہے گا۔

اگر خطائے آمد از مادہ وجود چشم میداریم در عفو اسے و درود یعنی اگر کوئی خطا سے وجود میں آئی ہے تو اسے صاحبِ بودت ہم عفو کی امید رکھتے ہیں امتحانِ کرم مرا معذور دار۔ چون ز فعل خویش گشتم شرمسار یعنی میں نے امتحان کیا (مگر مجھے معذور رکھ جبکہ میں اپنے فعل سے (خود) شرمندہ ہوں یعنی میں تو اپنے فعل پر خود مقرر ہو کر شرمندہ ہوں لہذا مجھے معذور سمجھو اور معاف کر دو۔ آگے وہ معشوقہ اس کی تلبیس کو رد کرتی ہے۔

شرح حبیبی

کہ سوئے ماروز سوئے شست شب
پیش بینایاں چہرامی آوری
پیش مار سواد پیدا ہجو روز
تو چرا بیرونے از حد می بری
خود فرود آمد بسوے پایگاہ
ہر دو پایا استاد استغفار را
وز بہانہ شاخ تاشانے نجست
چونکہ جانداراں بدید از پیش و پس
دور باش ہر یکے تا آسمان
تا نہ بشکافد ترا این دور باش

در جوابش برکشاد آں ماہ لب
حیلہ ہائے تیرہ اندر داوری
ہرچہ در دل داری از مکر و رموز
گز پویشم نشن بندہ پروری
از پدر آموز کا دم در گستاہ
چون بدید آں عالم الاسرار را
بر سر خاکستر اندہ نشست
ربنا انا ظلمنا گفت و پس
دیدہ جانداران پنهان ہجو جاں
کہ ہلا پیش سلیمان مور باش

جز مقام راستی یکدم مایست
 کور اگر از پسند پا لوده شود
 آدماتو نیستی کور از منظر
 عسر یا باید بنا در گاه گاه
 کور را خود این قضای همراه است
 در حدیث افتد نداند بوی صییت
 در کسے بروے کند مشکے نثار
 پس دو چشم روشن صاحب نظر
 خاصه چشم دل که آن هفتاد و ست
 اے در بغیر هر زنانشسته اند
 پائے بسته چون رود خوش را هوار
 این سخن اشکسته می آید دلا
 در اگر چه خرد و اشکسته شود
 اے در از اشکست خود بر سر مرز
 همچنین اشکسته بسته گفتنی است
 گندم او بشکست از هم در شکست
 تو هم اے عاشق چو جرئت گشت فاش
 آنکه فرزند ان خاص آدمند

پیج لالام در اچون چشم نیست
 هر دے او باز آلوده شود
 لیک از اجار القضا رعی البصر
 تا که بنیا از قضا افتد بچاه
 که مراد را او فتادن طبع و خوست
 از من است این بوی یا آلودگی است
 هم ز خود داند نه از احسان یار
 بهتر از صد مادر است و صد پدر
 پیش چشم حسن خوش چهر است
 صد گره زیر زبانم بسته اند
 بس گراں بندیت ایل معذ و دار
 کاین سخن درست و غیرت آسیا
 تو تیاے دیده خسته شود
 که شکستن روشنی خواهی شدن
 حق کند آخر درستش کو غنی است
 بر دکان آمد که نک نان درست
 آب و روغن ترک کن شکسته باش
 نفقه اناطلسنا می دهند

ہمچو ابلیس لعین سخت رو
درستیز و سخت روئے تو بکوش
خواست ہمچوں کمینہ و ترک غمے
دیدہ نفوذش ازاں الا کہ شک
گفت ایں رو خودنگوید غیر راست
امتحان ہمچو من یا رے کنی

حاجت خود عرض کن حجت مجو
سخت روئے گردا شد عین پیش
آں ابوہیل از چیمبہ معجزے
معجزہ جست از نبی بوہیل سگ
لیک آں صدیق حق معجز خواست
کے رسد ہمچوں توئی را کہز منی

مستحوقہ نے اسکے جواب کیلئے تکلم شروع کیا اور کہا کہ ہماری طرف دن ہے اور تیری طرف رات۔
یعنی ہم پر نور بصیرت سے حقیقت منکشف ہے اور تو اپنی ظلمت قلبیہ کے سبب اس ہمارے دارک
کا اور اک نہیں کر سکتا۔ پس تو اہل بصیرت کے سامنے اپنی برارت کیلئے تاریک عذریوں پیش
کرنا ہے۔ جیسے دل میں جو جو کمزوری ہے ہمیر کے سب روز روشن کی طرح ظاہر ہیں اگر ہم انکو
بندہ پروری سے چھپا دس اور تجھ پر انکا اظہار نہ کریں تو تو کیوں اس قدر بے شرمی اختیار کرتا ہو اور
کیوں یہودہ عذر کرتا ہے۔ تجھے اپنے باپ آدم علیہ السلام سے سبق لینا چاہئے۔ کہ وہ گناہ کے
عجز و انکسار پر اتر آئے۔ اور جبکہ انھوں نے حق سبحانہ کی عظمت و جلال پر نظر کی تو فوراً استغفار
کیلئے کھڑے ہو گئے۔ اور غم کی بھول پر بیٹھ گئے۔ اور بہانہ کیلئے ایک ہمتی سے دوسری ہمتی نہیں
گئے۔ یعنی عذر ہائے یہودہ نہیں کئے اور جبکہ انھوں نے ملائکہ کو دیکھا جو کہ بوجہ طاعت و معرفت
حق کے کامل جاندار کہلاتے تھے سستی نہیں تو انھوں نے صرف دینا ظاہرنا انفسنا و ان لم تغفر
لنا و ترحمنا لنكونن من الخاسرین فرمایا۔ اور کوئی عذر نہیں کیا۔ یعنی انھوں نے ان ذوی الاطلاح
کو جو کہ جان کی طرح حقیقی ہیں اس حال میں دیکھا کہ وہ آسمان تک اونچے نیچے لئے ہوئے ہیں
اور کہتے ہیں کہ خیر دار سلیمان (حق سبحانہ) کے سامنے چیونٹی (عاجہ تمسکین) بہوتا کہ یہ نیز بچھیں
یہ چھید دیں خلاصہ یہ کہ انھوں نے دیکھا کہ فرشتے عظمت حق کو زبان حال یا زبان قال ظاہر
کر رہے ہیں اور بصورت عدم عجز و تمسکین سزا کی جہکی دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ سوائے

محل راستی کے اور کہیں مت کھڑے ہو۔ اور صرف راستی اختیار کرو۔ اور کچھ نہ بنو اور چشم
حق میں سے کام لو۔ کیونکہ انسان کا خادم آنکھ کی برابر کوئی نہیں۔ یہ بڑے کام کی چیز ہے دیکھو
انہا چونکہ آنکھیں نہیں رکھتا اسلئے اگر وہ نصیحت سے کبھی صاف بھی ہو جاتا ہے تو پھر سن جائیگا
آپ کی چشم بصیرت بھرا انشراح و سالم ہے اور آپ اندھے نہیں ہیں اسلئے آپ کو آنکھ سے کام لینا چاہیے
اور تذلل و تمسک اختیار کرنا چاہئے رہی یہ بات کہ جب آپ کی چشم حق میں صحیح و سالم ہے تو پھر آپ کے
لغزش کیوں ہوئی اسکا جواب یہ ہے کہ قصداً راہی کی محارمت نہیں کیجا سکتی۔ اسلئے جب حکم
خداوندی کسی امر کی نسبت ہوتا ہے تو آنکھ اپنا کام نہیں کر سکتی پس چونکہ خدا کو یہی منظور تھا نہیں
بہت سی مصلحتیں تھیں اسلئے ایسا ہو گیا۔ اسلئے کہ تو بہت بڑے زمانہ کی ضرورت ہے کہ اتفاقاً
میں آدمی کوئیں میں گر پڑے مگر اندھے کے یہ قصداً ساتھ رہتی ہے اور وہ کرنے کیلئے ہر وقت تیار
رہتا ہے کیونکہ اسکی تو سرشت اور خصلت ہی اسطرح کی واقع ہوئی ہے۔ ایک بات اندھے
میں اور مروتی ہے وہ یہ کہ اگر وہ پاخانہ یعنی گندگی معصیت میں گرتا ہے تو اسے معلوم نہیں ہوتا کہ
یہ کس چیز کی بو ہے میری ہے یا اسکا انتشار پاخانہ یعنی کوئی امر خارجی ہے۔ اور اگر کوئی اس پر
مشک نثار کرتا ہے یعنی عمدہ حالات اسکا اندر پیدا کرتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ بومیری ہی ہے
اور یار کا احسان نہیں سمجھتا یعنی ہر ایو نہ کو تو اپنی طرف منسوب کرنے میں اسے تردد ہوتا ہے مگر
بجلائی کو اپنی ہی طرف منسوب کرتا ہے پس اس بیان سے معلوم ہوا کہ صاحب نظر کی روش
آنکھیں سوماں باپے بہتر ہیں کیونکہ انکی بدولت وہ آلودگی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ مگر ماں باپ
اسے نہیں بچا سکتے بالخصوص چشم قلب جو کہ اس چشم حس کے مقابلہ میں جو چشم قلب کی خوشچین
ہے ستر گونہ بڑھی ہوئی ہے وہ تو بالادوی سوماں باپ (واعظوں اور نصیحت گردوں) ہو کر بھی
ہوئی ہوگی۔ ہائے افسوس ڈکیت (نااہل) بیٹھے ہوئے ہیں جنہوں نے میری زبان بند کر دی ہے
کہ میں انکی مصرت کے خوف سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔ تم سمجھو تو سہی جسکے پاؤں بندھے ہوئے ہوں
وہ عمدہ چال کیونکر چل سکتا ہے پس میری بیڑی نہایت زبردست ہے۔ میں کیونکر چل سکتا ہوں
اسلئے مجھے معذور رکھو۔ اسے دل یہ بات ناقص اور ٹوٹی چھوٹی ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہ بات ایک
سوئی ہے اور غیرت حق چکی۔ وہ اسکو میں دیتی ہے تاکہ نااہلوں تک نہ پہنچے۔ لیکن یہ ٹوٹی چھوٹی

بات ہی فائدہ سے خالی نہیں۔ دیکھو اگر موتی تو ٹٹا ہی ہے تب ہی مریض کی آنکھ کا سرمہ بنتا ہی
 پس اسے شکستہ موتی تو اپنی شکست سے سرمہ نہ پڑے کیونکہ اس وقت تو آنکھ کی روشنی بنے گا پس
 یوں ہی یہ ٹوٹی پھوٹی بات ہی جو کہ پورا مطلب نہیں ادا کرتی کہنے کے قابل ہے کیونکہ حق سبحانہ
 غنی ہیں اُن کے نزدیک کسی ٹوٹی پھوٹی بات کو کامل کر دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ وہ اسکو ٹھیک
 کر دینگے۔ اور وہ ہی کام لیں گے جو کامل اور پوری بات دیتی۔ دیکھو گیوں اگر ٹوٹ جاوے اور
 چور چور ہو جاوے تو کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ کیونکہ دوکان پر آیا اور روٹی بنا۔ پس اسے عاشق جبکہ
 تیرا جرم ظاہر ہو چکا تو تو فضول مت نہ کہ اور شکستگی اور عجز و انکسار اختیار کر۔ کیونکہ جو آدم علیہ السلام
 کے خاص مہیٹے ہیں وہ اپنے قصور انا ظلمنا کا شور مچاتے ہیں اور اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہیں
 اچھا تو اپنا مطلب کہہ اور یوں جھگڑ مت جیسے عیسا ابلیس نے مناظرہ شروع کر دیا تھا اگر اسکی
 بیجائی نہ آئے اسنے زعم میں اسکے عجیب کو چھپا لیا تو چھپائے مگر تو عناد اور بیجائی کی کوشش نہ کر۔
 دیکھ ابو جہل نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں جاننا نہ بعجز کی ذوجات کی تھی جیسے کوئی کہنے
 ترک غرہو (غز ایک قسم ہے ترکوں کی) اور اس نے ابو جہل نے پیر صلی اللہ علیہ وسلم سے بعجز
 چاہا تھا اور اس نے دیکھ ہی لیا۔ مگر اس سے اسے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ مگر اس کے کہ اور شک نہ رہا لیکن
 صدیق حق نے کوئی معجزہ نہیں چاہا بلکہ یہ کہا کہ جھوٹے کی صورت ایسی نہیں ہوتی پس تجھے عی
 عشق کو کب حق حاصل ہے کہ نہ کہ تیرے جیسے دوست اور محبوب کا امتحان کرے۔

شرح شبیری

معشوق کا عاشق کے عذر اور اسکی تلبیس کو رد کرنا،

در جوابش بر کشاد آں ماہ لب کہ سوائے ماہ روز و سوائے تست شب

یعنی اس عاشق کے جواب میں اس ماہ نے لب کھولے کہاری طرف تو روز ہے اور تیری طرف
 شب ہے مطلب یہ کہ میرے پاس جیلہ اور تدبیر سے کام نہیں چلتا تو تدابیر باطلہ کرتا ہے۔ مگر اسکو
 مردود سمجھتی ہوں اور میرے آگے یہ سب کمزور فریب کھلم کھلا معلوم ہو رہا ہے۔

حیلہ ہائے تیرہ اندر داری پیش بینایاں چرامی آوری
یعنی تاریک حیلے معاملہ میں بینا لوگوں کے سامنے تو کیوں لا رہا ہے۔

ہر چہ در دل داری از فکر و روز پیش بار سوا و پیدا ہچ روز
یعنی تو جو کچھ مکر اور روز دل میں رکھتا ہے وہ سب ہمارے نزدیک دن کی طرح ظاہر ہیں۔
گرچہ پوشیمش ز بندہ پروری تو چرا بیرونی از حد می بری
یعنی اگر ہم اسکو بندہ پروری کی بنا پر چھپائیں تو تو کیوں بے شرمی کو حد سے لیجاتا ہے یعنی
اب جو ہم نے اسکو پوشیدہ کر لیا ہے تو مکر و فریب کر کے اب تو کیوں بے شرم اور بیجا بنتا ہے۔
از پدر آموز کا دم در گناہ خوش فرو داد میسے یا رنگا
یعنی باپ سے سیکھ کہ آدم گناہ میں تو اضع کی طرف بالکل اُتر آئے یعنی دیکھو انھوں نے کس طرح
جرم کا اقرار کر لیا۔

چوں بدید آں عالم الاسرار را ہر دو یا استاد استغفار را
یعنی جب انھوں نے اُس عالم الاسرار کو دیکھا تو دونوں یا دُں پر استغفار کیلئے کھڑے ہو گئے۔
بر سر خاک تر انداختست وز بہانہ شلخ تا شاخ نجست
یعنی غم کی خاک پر بیٹھ گئے اور بہانہ سے ایک شلخ سے دوسری شلخ تنگ نہ کو دے یعنی بخش
نے بہانے نہیں کئے بلکہ گناہ کا اعتراف کر لیا۔ اور سچہ غمگین ہوئے۔

ربنا انا ظلمنا گفت و بس چونکہ جانداراں بدید از پیش و پس
یعنی صرف ربنا ظلمنا ہی کہا جبکہ اُن کے پیچھے سے جانداروں (ملائکہ) کو دیکھا مطلب یہ کہ جب ملائکہ
کو دیکھا کہ وہ کوئی حیلہ و بہانہ نہیں کرتے تو ایک تو انکی طبیعت کے اندر بہانہ نہ تھا اور پھر انکو دیکھ کر
اور یہی بہانہ نہیں کیا بلکہ گناہ کا اعتراف کر لیا۔ اور ربنا ظلمنا ہی کہا جس سے اعتراف و توبہ
ظاہر ہے۔

دیدہ جانداران بہیمان ہچو جان دور باش ہر یکے تا آسمان
یعنی جانداروں کو دیکھا جو کہ جاںکی طرح پوشیدہ تھے کہ ہر ایک کی دور باش آسمان تک تھی۔
کہ ہلا پیش سیماں مور باش تانہ بشگافہ ترا ایں دور باش

یعنی کہ خیردار سلیمان کے سامنے چوٹی رہ تاکہ بھی نہ درباش چیرہ دے۔ (دور باش اس تیرہ کو کہتے ہیں کہ جسکی دو شاخیں ہوتی ہیں۔ اور وہ بادشاہوں کی سواری کے آگے نقیب لیکر چلتا ہے اور دور باش کی آواز لگاتا ہے تاکہ لوگ ہٹ جاویں اور اگر کوئی نہ ہٹے تو وہ نیزہ سے اسکو زخمی کر دیتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ ملائکہ کی تسبیح و تہلیل و رائی صفا فی اس قدر تھی کہ انکا تہلیل و تقدیس کا نیزہ اجازت نہ دیتا تھا کہ کوئی مکر و فریب کرے اور جو وہاں مکر و فریب کرے وہ مارا جاوے تو ایک تو آدم علیہ السلام کا خود مکر و فریب سے متفر ہونا دوسرے پھر یہ موانع تو انھوں نے بالکل مکر و فریب نہ کیا۔ بلکہ مقرر تب ہو گئے۔ تو بس اسی طرح وہ لڑکی کہتی ہے کہ تو بھی اقرار کرے۔ اور مکر و فریب مت کر۔ اور وہ فرشتے یوں کہتے تھے کہ۔

جز مقام راستی یکدم با نیست هیچ لالام در احوال چشم نیست

یعنی سوائے مقام راستی کے اور کچھ مت کھڑے ہو۔ (کیونکہ) انسان ٹھیلے کوئی خادم آنکھ جیسا نہیں ہے مطلب یہ کہ فرشتے کہتے تھے کہ اے آدم راستی ہی میں رہنا راستی کے علاوہ اور کوئی مقام بہتر نہیں ہے۔ اور تم تو خود بینا ہو اور تمھارے تو آنکھیں میں تو یاد رکھو کہ آنکھ سے بہتر اور خیر خواہ کوئی خادم نہیں ہے۔ اس سے کام لو اور راستی کو دیکھو اسکو اختیار کرو۔

کو را اگر از پسند پا لودہ شود ہر دمے او باز آلودہ شود

یعنی اندھا اگر نصیحت سے صاف ہو جائے تو وہ ہر دم پھر آلودہ ہو جاتا ہے اسلئے کہ او سے راستہ نظر ہی نہیں آتا۔ وہ کہیں سے کہیں پھر جا پڑے گا۔ اگر ایسا دفعہ تم نے اسکا ہاتھ پکڑ کر دے کہ بھی دیا تو وہ پھر کسی طرف کو چلے گا۔

آدم تو نیستی کو را از نظر لیک اذاجا بالقضار عمی البصر

یعنی ای آدم تم تو نظر سے کو نہیں ہو لیکن جب قضا آئی تو بصیرت ہی ہو جاتی ہے مطلب یہ کہ وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اندھا تو آلودہ ہو جاتا ہے مگر اے آدم آپ کو بینا ہیں آپ راہ راستی کو خود دیکھ لیجئے اب یہاں شبہ ہوا کہ جب خود بینا ہیں تو پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ پہلے کیوں غلطی ہوئی اور کیوں لغزش ہوئی اسکا جواب دیتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ بینا تو تھے لیکن قضا کے سامنے سبکی پیش نہیں جاتی۔ چونکہ تقدیر حق اسی طرح تھی کہ یہ اس طرح کریں اور انکو اس طرح دنیا میں بھیجا جاوے

اب اس امر کا اتفاق ہو جانا بیان فرماتے ہیں کہ۔

عمر بایا بد بنادر گاہ گاہ تاکہ بنیا از قضا افتد بچاہ
یعنی بہت سی عموں کی ضرورت ہے کہ نادرا کبھی کبھار کوئی بینا قضا کی وجہ سے کنوئیں
میں گرے مطلب یہ کہ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے کہ کوئی بینا ہو لیکن غلیہ قضا کی وجہ سے
اُس سے لغزش ہو ورنہ اکثر غلطی تو اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ یہ شخص خود ہی اندھا ہوتا ہے
آگے فرماتے ہیں کہ اس اندھے کا بھی لغزش میں پڑنا قضا ہی کی وجہ سے ہے لیکن کچھ اسکی
ہی ہمیں شرکت ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ۔

کور را خود ایں قضا ہمراہ است کہ مرا و او فدا در طبع و جوت
یعنی اندھے کے خود یہ قضا ہمراہ ہے کہ اُسکا گنا طبعی اور عادی ہے مطلب یہ کہ اندھے
کی بابت یہ بھی تو قضا میں لکھا ہے کہ یہ لغزش کرے گا اور اسکی لغزش خود اسکی ہی طرف توجہ کی
اور اسکی طبیعت میں داخل ہوگی۔ تو اگر تو قضا کی وجہ سے مگر خود ہی شریک رہا۔ اب آگے
اس دل کے اندھے کی مثال ظاہری اندھے کی حالت سے بیان فرماتے ہیں کہ۔

در حدیث افتد اند بوی چسیت از من است ایں بوجے یا آلودیت
یعنی ناپاکی میں گر جاتا ہے اور اُسے خبر نہیں ہوتی۔ کہ کس شے کی بو ہے اور یہ بو سیکر اندر سے
ہے یا (اس) آلودگی کی وجہ سے ہے۔

در کسے بروے کند مشکے نثار ہم ز خود اندہ از احسان یار
یعنی اور اگر کوئی اسپر مشک نثار کر دے تو وہ بھی اپنے ہی اندر سے جلتے نہ کہ یار کا احسان۔
مطلب یہ کہ اگر گناہوں اور نافرمانیوں میں مبتلا ہو تو اُسے خبر نہ ہو کہ میری کیا حالت ہے اور میں
کس ناپاکی میں مبتلا ہوں۔ اور اگر کوئی نعمت حق تعالیٰ کی طرف سے اسپر فائض ہو تو بھی اُسکو
خبر نہ ہو بلکہ اُن کمالات کو اپنی طرف سے اور اپنے اندر سے سمجھ لے گا۔ جو کہ ظاہر ہے کہ سخت مضرت ہے
تو دیکھو ایک تو قضا کی وجہ سے گرا اور دوسرا سوچے کہ اُسکو اسقدر غلط فہمیاں ہو رہی ہیں
آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس دو چشم روشن صاخبہر بہتر از صد مادرست و صد پدر

یعنی پس صاحب نظر کی دور روشن آنکھیں سیکڑوں پاؤں اور بالوں سے بہتر ہیں یعنی اس صاحب نظر کی تربیت کرنے کیلئے اور اسکو راہ راست پر لانے کیلئے اسکی یہ دونوں آنکھیں بہت مفید ہیں اور اُن سے زیادہ رہنا ہیں۔

خاصہ چشم دل کہ اُس مفقا و دوست پیش چشم حس کہ خوش چین است

یعنی خاصہ دل کی آنکھ کہ وہ چشم حس کے سامنے جو کہ اسکی خوش چین ہے ستر نہیں ہیں مطلب یہ کہ جب چشم دل روشن ہو تو پھر تو کیا کہنا ہے کیونکہ وہ تو اس چشم حس سے روشنی میں کہیں زیادہ اور بڑھی ہوئی ہے۔ تو وہ تو خوب تربیت کر لی اب یہاں تک قصا کی حالت اور اُس سے انسان کا مجبور ہونا بیان کیا تھا آگے اس بیان کو بند کرتے ہیں اور اُسکے بند کرنے کا عذر بیان کرتے ہیں کہ۔

لے در نگاہ نہ زبان شستہ اند صد گره زیر زبانیستہ اند

یعنی افسوس ہے کہ سیکڑوں ڈاکو بیٹھے ہیں اور میری زبان کے نیچے آنکھوں نے سیکڑو لگی ہیں لگادی ہیں مطلب یہ کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو اس بیان کو مستکر جبری ہو جاویں گے اور انسان کو مجبور محض خیال کریں گے تو ایسے لوگوں نے مجھے بیان سے روک دیا ہے اور میری زبان کو بند کر دیا ہے کہ میں اب زیادہ بیان نہیں کر سکتا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

پانچو بستہ چوں بود پس را ہوار پس گراں بند نیست این معذور را

یعنی پاؤں بند پا ہوا را ہوار کس طرح چلے۔ یہ تو بہت بھاری قید ہے۔ تو معذور رکھو مطلب یہ کہ مجھے جو خیال آگیا ہے کہ اس سے لوگ گمراہ ہو جاویں یہ ایک ایسا خیال ہے کہ جس نے میرے قلم کے پاؤں باندھ دئے ہیں۔ تو اگر میں نہ بیان کر سکوں اور اس مضمون کو ناقص چھوڑ دوں تو مجھے معذور سمجھنا آگے اس مضمون کے ناقص ہوتے ہی میں اسکی خوبی کو ایک مثال سے واضح فرماتے ہیں کہ۔

ایں سخن اشکستہ می آید ولا کایں سخن درست و غیرت آسیا

یعنی اے دل یہ بات ناقص ہی آتی ہے۔ کیونکہ یہ بات تو موتی ہے اور غیرت (حق) چمکی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ بات تو موتی کی طرح ہے اور غیرت حق چمکی ہے جب ہم اسکو بیان کرنا چاہتے

ہیں تو غیر حق اسکو توڑ دیتی ہے اور آگے نہیں چلتے دیتی۔ لہذا یہ ناقص ہی رہ جاتا ہے لیکن یہ سمجھ لو کہ۔

دور اگر چہ خرد و اشکستہ شود تو تباہی دیدہ خستہ شود
یعنی موتی اگر شکستہ اور ریزہ ریزہ ہو جاوے تو کسی خستہ کی آنکھ کا سرمہ ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو موتی اگر ٹوٹتا نہیں ہے تو وہ کسی کام کا نہیں ہوتا۔ اور جب ٹوٹ جاتا ہے تو وہ سرمہ میں پڑ کر آنکھ میں جکھ لیتا ہے۔ لہذا اسی طرح اس مضمون کا بھی شکستہ اور ناقص ہی رہنا مناسب ہے۔ یہ ای حقائق مفید ہے اور اسی حالت میں رہنا ہے آگے اس مضمون کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ۔

لے درازا شکست خود بر سر مرز کز شکستن روشنی خواہی شدن
یعنی اسے موتی اپنی ٹوٹنے کی وجہ سے پریشان مت ہو کہ ٹوٹنے کی وجہ سے تو روشنی ہو جاوے گی۔ مطلب یہ کہ اس نقص ہی کی حالت میں تم کامل اور رہنا ہو گے۔

ہمچنین شکستہ بہ گفتنی است حق کند آخر درستش کو غنی است
یعنی اسی طرح ناقص اور مند ہوا قابل کہنے کے ہے حق تعالیٰ اسکو درست کر دینگے کیونکہ وہ غنی ہے مطلب یہ کہ اس مضمون کو اسی طرح ناقص ہی بیان کرنا چاہئے حق تعالیٰ ایک دن حال پیدا فرماوے گا تو اسوقت اسکی اصل حقیقت معلوم ہو جاوے گی۔ اور حق تعالیٰ اسکو درست کر کے دکھلا دینگے آگے اور مثال بیان فرماتے ہیں کہ۔

گندم از شکست و زہم درست بر دکان آمد کہ ناک نان درست
یعنی گہوں اگر ٹوٹ گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تو اب دکان پر آگیا کہ یہ عمدہ روٹی ہے مطلب یہ کہ دیکھو گہوں بعد ٹوٹنے ہی کے کام آتا ہے بس ایسا ہی یہ مضمون بھی اسی طرح مفید ہے آگے اس معشوقہ کا مقولہ یہ وہ اپنے عاشق سے کہتی ہے کہ۔

تو ہم لے عاشق جو برست کشتش آب و عن ترک کن اشکستہ باش
یعنی لے عاشق جب تیرا جرم ظاہر ہو گیا تو تو بھی تلبیس کو چھوڑ اور شکستہ ہو جا۔ مطلب یہ کہ وہ کہتی ہے کہ اب بکرو حیلہ مت کرو کیونکہ تمھاری شرارت ظاہر ہو گئی ہے لہذا اب صاف صاف

کہہ داور مکر و حیلہ کو چھوڑ داور کہنے لگی کہ۔

آنکہ فرزند اں خاص آدم اند نوحہ انا ظلمنا می و مند
یعنی جو لوگ کہ آدم کے اولاد خاص ہیں وہ انا ظلمنا کا نوحہ کرتے ہیں یعنی جو لوگ کہ نیک ہیں
وہ اپنی خطا کا اعتراف جلدی ہی کر لیتے ہیں۔ لہذا اب یہ عاشق تو یہی یہ کر کہ۔

حاجت خود عرض کن حجت مجو ہیمجو ابلیس لعین سخت رو
یعنی اپنی حاجت کو بیان کر دے اور ابلیس بیچارہ کی طرح حجت مست کر مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ
جو عیسے دل میں ہے اسکو صاف صاف بیان کرے اور حجت مست کر۔

اں ابو جہل از پیغمبر معجزے خواست ہیمجو کینہ و ترک غز
یعنی اُس ابو جہل نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک معجزہ طلب کیا ایک ترک غز کینہ و ترک غز
معجزہ حجت از پیغمبر ابو جہل سگ دید نظر ووش از اں الا کہ شک
یعنی ابو جہل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا اور اس نے اسکی بصیرت نہیں بربائی
سوائے شک کے۔

لیکاں صدیق حق معجز خواست گفت ایں رو خود نگوید غیر راست
یعنی لیکن اُس صدیق حق نے معجز نہیں مانگا اور کہا کہ بیٹہ سوائے سچ کے کچھ نہیں کہتا اے طلبت کہ
دیکھو ابو جہل نے حجت کی اور معجزہ وغیرہ طلب کیا اور انکار کیا تو آخر اسکی بصیرت میں کچھ زیادتی
نہوئی بلکہ ورنہ نہا پن ہی زیادہ ہوا اور حضرت صدیق اکبر نے جو حجت نہیں کی بلکہ بے حجت کے
مان لیا اور ایمان لے آئے لہذا دیکھئے انکا درجہ کس درجہ کو پہونچا۔ اسی طرح اسے عاشق تجھے
بھی حیلہ و حجت نہ کرنی چاہئے بلکہ صاف صاف کہہ دینا چاہئے اور مولانا نے جو۔ ایں رو خود نگوید
غیر راست۔ کہ حضرت صدیق اکبر کا مقولہ کہا ہے اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ مقولہ تو حضرت
عبداللہ بن سلام کا ہے پھر انکا مقولہ کیسے ہو سکتا ہے تو صحیح لو کہ یہ روایت بالمعنی کے قبیل
سے ہے کہ اگرچہ حضرت صدیق اکبر نے یہ الفاظ فرمائے مگر یہ تاو ایسا کیا جیسا کہ ان الفاظ کا
قابل کرتا ہو گیا کہ یہ الفاظ ہی فرمائے اس معنی کہ انکا مقولہ کہہ دینے میں کوئی جج نہیں ہے۔ آگے
اسی معشورہ کا مقولہ ہے کہتی ہے کہ۔

کے رسد بچوں تو نور اگر مہنی امتحاں بچو من یا رے کنی
یعنی تجھ جیسے (مدعی عشق) کو یہ کب زینیا ہے کہ نگہ ہے مجھ جیسے معشوقہ کا امتحاں کرے مطلب
یہ کہ تو جو میرا امتحاں کرتا ہے اور مجھ سے حجت کرتا ہے مجھے یہ ہرگز زینیا نہیں ہے۔ لہذا صاف
صاف بات کر۔

شرح حبیبی

مر قضا را گفت روز یک عنود	کو ز تعظیم خدا آگہ بنود
بر سر بام و قصرے بس بلند	حفظ حق را واقفے ہوشمند
گفت آرد او حفظ است غنی	ہستی مارا از طفلی و مہنی
گفت خود را اندر افکن میں بام	اعتمادے کن بحفظ حق تمام
تا یقین گردد مرا ایقان تو	و اعتماد خوب با برہان تو
پس امیرش گفت خامش کن برو	تا نگردد جانت زیں جرأت کرو
کے رسد مر بندہ را کو با خدا	آزمایش پیش آرد ز ابتلا
بندہ را کے زہرہ باشد کہ فضول	امتحاں حق کند اے کیج و گول
آں خدا را می رسد کو امتحاں	پیش آرد ہر دمے با بندگان
تا میسا مارا منسا ید آشکار	کہ چہ داریم از عقیدہ در سرار

ہم سچ آدم گفت حق را کہ ترا
 تا بہ بینم غایت حلت شہا
 عقل تو از بسکہ آند خیرہ
 آنکہ او افراشت سقف آسمان
 لے ندانستہ تو شر و خیر را
 امتحان خود چو کردی لے فلاں
 چوں بدانستی کہ شکر دانہ
 پس بیاں بے امتحانے کہ آہ
 ایں بیاں بے امتحان از علم شاہ
 ہیچ عاقل افگند و دشمن
 زانکہ گندم را حکیم آگے
 شیخ را کہ پیشوا و رہبرست
 امتحانش گر کنی در راہ دیں
 جرات و جہلت شود عریان فاش

امتحان کردم دریں جرم و خطا
 وہ کرا باشد محال ایں کرا
 ہست عذرت از گناہ تو بہتر
 تو چہ دانی کردن اور امتحان
 امتحان خود را کن انکہ غییرا
 فارغ آئی ز امتحان دیگران
 پس بدانی کاہل شکر خانہ
 شکرے نفرستد تا جایگاہ
 چوں سکر نفرستد در پایگاہ
 درمیاں سترج پد چھیں،
 ہیچ نفرستد بانبار گے
 گر مریدے امتحان کرد او خیرست
 ہم تو گردی متحن لے بے یقین
 او برہنہ کے شود زیر افتاش

گر بیاید ذرہ سنجہ کوہ را	بروز راں کہ تراوش اوقتی
کز قیاس خود ترازومی تند	مرد حق را در ترازو میس کند
چون ننگجد او بمیزان خرد	پس ترازوے خرد را برد
امتحان پنچوں تصرف دان درو	تو تصرف بر چنان شاہی مجو
چوں تصرف کرد خوابد نقشا	بر چنان نقاش بہر استلا
امتحانے گرد بانست و بدید	نہ کہ ہم نقاش اں بر و کشید
چہ قدر باشد خود ایں صورت کست	پیش صورت ہما کہ در علم و سیت
وسوسیلں امتحان چر آن بدیت	بخت بد اں کاہد گردن بدیت
چون چنین وسوساں دہی زود زود	با خدا گرد و در آندہ سجود
سجدہ کہ راتر کن از اشک رواں	کاسے خدایا و ابراہیم زین گماں
آزماں کت امتحان مطلوبہ	مسجد دین تو پر خروب شد
ہیں چو وسوساں بدت امتحان	باز گرد و روختی آرا آزمایاں
تا نگہدار دترا آن متحن	از گماں امتحان انس و جن
لے ضیاء الحق حسم الدین بیا	قصہ داؤد بر گوشت و سن

محبوبہ نے کہا تھا: "کے رسد پنچوں توئے را کہ منی + امتحان پنچوں من یارے کنی"۔ اسپر مولانا
مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ آدمی کو خود اپنا امتحان کرنا چاہئے نہ کہ

کسی اور کا کیونکہ نہایت بُری بات ہو۔ اور برائی کی مقدار متحمل اور متحمل کے مراتب کے لحاظ سے ہے چنانچہ حق سبحانہ کا امتحان نہایت مذموم ہے۔ اور شیخ کا امتحان اس سے کم۔ وغیرہ وغیرہ۔ حاصل تھا اب تفصیل سنو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی معاند اور مخالف نے جو کہ عظمت خداوندی سے واقف نہ تھا۔ ایک نہایت عالی شان مکان کی چھت پر بیہ سوال کیا۔ کہ میں خدا کے حافظ ہونیکو نہیں مانتا مگر آپ اسکے حافظ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو کیا آپ اسکو دل سے ایسا جانتے ہیں یا محض انکا زبانی دعویٰ ہے۔ اور دل سے آپ بھی نہیں مانتے۔ انھوں نے فرمایا کہ ہاں ہم تصدیق کرتے ہیں کہ وہ غنی ہے اور باوجود غنی ہونے کے بچپن اور وقت و جد سے ہماری ہستی کا محافظ ہے۔ اس نے کہا اچھا تو آپ اپنے کو کوٹھے سے گرا دیجئے اور خدا کی حفاظت پر کمال بھروسہ رکھئے۔ تاکہ مجھے معلوم ہو جاوے کہ آپ واقعہ میں اسکا یقین رکھتے ہیں اور آپ لوگوں کا محض زبانی دعویٰ نہیں ہے۔ اور مجھے آپکا عمدہ اور مدلل عقائد متیقن ہو جائے اور اس سے مجھے معلوم ہو جائے کہ خدا حافظ ہو کیونکہ اب تک تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ خود آپ لوگ بھی خدا کو حافظ نہیں جانتے۔ بلکہ یہ آپ لوگوں کا اختراع ہے اور جبکہ آپ گریٹے تو مجھے معلوم ہو جاوے گا کہ آپ لوگ دل سے اسکے معتقد ہیں اور اس سے میں سمجھ لوں گا کہ خدا حافظ ہے۔ گو یہ علم موجب یقین ہو۔ مگر موجب طمانیت ضرور ہو گا کیونکہ اس سے اتنا معلوم ہو گا کہ آپ کے اس اعتقاد کا کوئی منشا ہو جو کہ معمولی نہیں ہے نیز آپ کے گرنے کے بعد دو حالتیں ہونگی یا تو آپ محفوظ رہیں گے یا نہ رہیں اگر آپ محفوظ رہے تو میں سمجھ لوں گا کہ آپکا دعویٰ سچا ہے اور اگر محفوظ نہ رہے تو سمجھ لوں گا کہ جھوٹا ہے یہ تقریر تقبی اعتراض کی اب سمجھو کہ اس سوال میں دو احتمال ہیں یا تو مقصود یہ ہو کہ حضرت علی کو انھار کر کوٹھے سے گرا دیا جاوے۔ تاکہ انکا خاتمہ ہو جاوے۔ اور یہ اسکی طمع کاری ہو۔ دوسرا یہ کہ اس سے تحقیق حق مقصود ہو بہر صورت اسکے جواب میں ایک عام دوسرا خاص خاص جواب تو یہ ہو کہ اولاً خدا کا حافظ ہونا یا اسکے حافظ ہونیکا ہمارا معتقد ہونا۔ اسکو مستلزم نہیں کہ ہم کوٹھے سے گرے کیونکہ ہم سے اسکا وعدہ نہیں کیا گیا کہ تم کوٹھے سے گرو گے تو ہم بچائیں گے بلکہ ایسا کرنے کی مخالفت کی گئی ہے۔ نیز اسکے حفیظ ہونے کے یہ معنی بھی نہیں کہ وہ ہر حالت میں حفاظت کرتا ہے اور کبھی ہلاک ہونے ہی نہیں دیتا۔ اس جواب کے اندر دو احتمال ہیں یا تو

خود امیر المومنین ہی نے غیر ضروری سمجھا ہوا اور جواب عام کو کافی سمجھا ہو۔ یا یہ کہ مولانا نے غیر متعلق بالمقام سمجھ کر ترک کر دیا ہو۔ عام جواب یہ ہے کہ میرے گرانے اور میرے اعتقاد کے جانچنے سے تمہارا مقصود خدا کا امتحان کرنا ہے۔ کہ وہ حافظ ہے یا نہیں۔ اور خدا کا امتحان کا تمکو کوئی حق نہیں اس جواب کو مولانا بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امیر المومنین نے فرمایا کہ چپ رہ اور جا ایسا نہو کہ اس گستاخی کی سزا میں تیری جان مجبوس قرار آئی ہو جائے تو خدا کا امتحان لیتا ہے بندہ کو کیا حق ہے کہ امتحان کیلئے کوئی صورت امتحان خدا کے سامنے پیش کرے۔ اور ادب و وقار امتحان بندہ کی کیا طاقت ہو کہ یہودگی سے خدا کا امتحان کرے ہاں خدا کو حق حاصل ہے کہ ہر وقت امتحان کی ایک نئی صورت بندہ کے سامنے پیش کرے۔ اس لئے کہ خود کو کوئی علم غیر حاصل حاصل کرے بلکہ اس لئے کہ ہم بظاہر ہو جائے کہ ہمارا مخفی عقیدہ اسکی نسبت کیا ہے۔ تو غور تو کر کہ جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی اور اس پر وہ عتب و بقباب شفقت ہوئے تو کیا اس وقت اوصوفیوں نے یہ کیا تھا کہ میں نے اس تصور سے آپکا امتحان کیا تھا کہ مجھے معلوم ہو جاوے۔ کہ آپ کس درجہ علیم ہیں تو یہ تو یہ کسی مجال ہے کہ ایسا کرے تیری عقل نہایت مختل ہے اور تیرا اندر امتحان جرم گستاخی سے بدتر ہے۔ بھلا جس نے اپنے کمال علم و حکمت و قدرت سے سبقت امتحان کو بلند کیا ہے۔ اس کے امتحان کرنے کا تجھے کیا سلیقہ اب یہاں سے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور خطاب کو عام کر کے کہتے ہیں کہ اے مخاطبِ جاہل جو کہ نہایت قلیل علم رکھتا ہو اور جو کہ شر و غیر سے بخوبی واقف نہیں ہے پہلے اپنا امتحان کر لے جب تجھے معلوم ہو جاوے کہ تجھ میں کوئی نقص نہیں جو کہ ناممکن ہو اس وقت کسی اور کا امتحان کر میں سچ کہتا ہوں کہ جب تو اپنا امتحان کر لیا تو تجھے اسی سے فرصت نہ ہوگی اور دوسروں کے امتحان سے بیفکر ہو جائیگا جب تو نے اپنا امتحان کر لیا اور تجھے معلوم ہو گیا کہ میں شکر کا دانہ اور کامل ہوں تو اس سے تجھے یہی معلوم ہو جائیگا کہ میں شکر خانہ اور مقامِ کریم میں رہنے کے قابل ہوں پس بدوں امتحان کے تجھے یہ جان لینا چاہئے کہ جب تو شکر ہے تو خدا تجھے بے جا نہ بھیجے گا۔ اور حق سبحانہ کے علمِ کامل کی بنا پر بدوں امتحان کے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب تو میرے تو وہ تجھے پاؤں کی جگہ بھیجے گا کیونکہ خدا علیم و حکیم ہے۔ اور کسی عاقل کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ وہ قیمتی موتی کو گوہ

سے بھرے ہوئے پاخانہ میں ڈال دے۔ نیز اسلئے کہ کوئی حکیم دانا گیہوں کو کبھی بھوسے کو انبار میں نہیں ڈالتا۔ پس خلاصہ یہ کہ جب تہیں حق سبحانہ کے حسن معاملہ کو معلوم کرنا ہو تو خدا کا امتحان کر دیکھو خدا اپنے کو دیکھ لو کہ تم اچھے ہو یا نہیں۔ اگر تم اچھے ہو تو تمکو یقین رکھنا چاہئے کہ ہم سے اچھا ہی معاملہ کیا جاوے گا۔ اور اگر اچھی نہیں ہو تو اچھے ہونے کی کوشش کرو۔ اب نو کہ جس طرح حق سبحانہ کا امتحان بندہ کو کیا نہیں یوں ہی شیخ بنالینے کے بعد شیخ کا امتحان بھی مرید کو مناسب نہیں۔ اگر کوئی مرید اپنے شیخ کا جسکو وہ اپنا پیشوا اور رہبر سمجھ چکا ہے امتحان کرے تو وہ نہایت احمق ہے۔ اگر تو دین کے رستہ میں اپنے شیخ کا امتحان کر لگا تو یہ اس کا امتحان نہوگا بلکہ اس سے خود تیرا امتحان ہو جاوے گا کیونکہ اس سے تیری گستاخی اور جہالت ظاہر ہوگی اس نقیشت سے اُسکی حالت کا پتہ نہیں چل سکتا۔ کیونکہ اگر ذرہ پہاڑ کو تو لٹنے آوے تو اس سے پہاڑ تو نہ تل سکیگا۔ ہاں اُس پہاڑ سے خود اسکی ترازو پھٹ جاوے گی۔ پس یہی حالت اس مرید کی ہو کیونکہ یہ اپنے قیاس کو ترازو بناتا ہے۔ اور ایک اللہ والے کو اس ترازو میں کھتا ہے پس جبکہ وہ اسکی عقل کی ترازو میں نہ سما سکیگا تو لامحالہ اُسکی عقل کی ترازو پھٹ جائے گی۔ پس اسے مرید تو سمجھ لے کہ شیخ کا امتحان کرنا اسے ایک قسم کا تصرف کرنا ہے اور تجھے نہیں چاہئے کہ ایسے بادشاہ پر تصرف کرے بلکہ خود اپنے کو اسکا تختہ مشق تصرف بنانا چاہئے پس جبکہ مرید کو شیخ کے امتحان کا حجاز نہیں۔ تو مخلوقات امتحان کیلئے ایسے خالق کامل پر کیونکر تصرف کر سکیں گے جسکے تصرف سے انکی کوئی چیز باہر نہیں چٹاؤ اگر انھوں نے امتحان کی کوئی صورت تجویز کی اور سمجھی ہے یہ بھی اسی کا تصرف ہے اور یہ تصویر بھی اُسی نے بنائی ہے۔ ورنہ امتحان کرنا تو درکنار خود صورت امتحان بھی ان کے ذہن میں نہ آتی یہ تصویریں جو اس نے بنائی ہیں اور یہ مخلوقات جو اس نے پیدا کی ہیں انکی تو اسکی ان صورتوں کے سامنے جو اس کے علم میں ہیں اور جن پر وہ قادر ہیں کوئی بھی حقیقت نہیں بلکہ وہ تو ان سے کہیں زیادہ عمدہ صورتیں بنانے پر قادر ہے۔ پس جسکی یہ شان ہوا اسکے امتحان کا کسی کو کیا مجاز ہے۔ لہذا اگر کبھی اسکے امتحان کا دوسو سالہ تو سمجھ لینا چاہئے کہ کھوٹے دن آگے اور موت کا وقت آگیا۔ کیونکہ جب چوٹی کے موت کے وقت آتے ہیں تو اسکے پر نکلتے ہیں اس سے بچو کی صورت

کہ جب بار بار یہ دوسو سہ آفر تو خدا کی طرف متوجہ ہوا اور سجدہ میں جاؤ۔ اور اتنا روؤ کہ سجدہ گاہ تر ہو جاوے۔ اور کہو کہ اے اللہ تو مجھے اس خیال سے نجات دے۔ یاد رکھو کہ جب ہمیں امتحان کی خواہش ہوئی اسی وقت سمجھ لینا چاہئے کہ ہماری دین کی مسجد میں خروب لگھاں پیدا ہو گیا ہے جسکی خاصیت یہ ہے کہ جس مکان میں وہ پیدا ہوتا ہے اسے دیرانی کہتے ہیں یعنی تمہارا دین کی بربادی کا سامان ہو گیا ہے۔ پس جبکہ تمہیں امتحان کا دوسو سہ آفر فوراً توجہ کرو۔ اور حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہو۔ تاکہ وہ سختی امتحان تمہیں اس دوسو سہ آفر میں انسان جن کے اس امتحان سے بچاوے جنہیں تم مبتلا ہو گئے ہو۔ یا آئندہ مبتلا نہ ہونیکا اندیشہ ہے کیونکہ یہ دوسو سہ بھی شیطانی ہے۔ جو کہ خود بھی امتحان ہے اور دروازہ ہے دیگر امتحانوں کا یہ گفتگو تو ختم ہوئی۔ پس رضی اللہ عنہما الحق حسام الدین آپ تشریف لائیں اور چونکہ اوپر گیارہ آفر و کاتذکرہ آگیا ہے اسلئے داؤد علیہ السلام کا قصہ اور بنائے بیت المقدس کا واقعہ بیان فرما جس میں خروب کی تاثیر کا بیان ہے۔

کہ باز مسجد اقصیٰ بسنگ
مسجد اقصیٰ بر آئے لے گزین
کہ مرا گوئی کہ مسجد را مساز
خون مظلوماں بگردن بردہ
جاں بدادند و شند آزار آشکار
بر صدائے خوب جان پرداز تو
دست من پرستہ بود از دست تو
نہ کہ المغلوب کا العدوم بود

چوں در آمد عزم داود بر تنگ
نیست در تقدیر ما آنکہ تو این
گفت جرم چیست آئے دانائے راز
گفت بے جرمے تو خونہا کردہ
کہ ز آواز تو خلق بے شمار
خون بے رفت است بر آواز تو
گفت مغلوب تو بودم دست تو
نہ کہ ہر مغلوب شد جرم بود

گفت اے مغلوب معدومیت کو
 انجینس معدوم کو از خویش رفت
 او بہ نسبت با صفات حق فناست
 جملہ ارواح در تدبیر اوست
 آنکہ او مغلوب اندر لطف مات
 منتہائے اختیار آست خود
 اختیارش گر بنود و چاشنی
 در جہاں گر نغمہ و گر شربت است
 گرچہ از لذات بے تاثیر شد
 ہر کہ او مغلوب شد مروج گشت
 نے چناں معدوم کز اہل وجود
 بلکہ وائے گشت موجودات را
 بے مثال و بے مکان بے نشان
 بے شکل و بے سوال بے جواب

چربہ نسبت نیست معدوم الفتو
 بہترین ہستہا افتاد رفت
 در حقیقت در فنا اورا بقا است
 جملہ اشباح ہم تاثیر اوست
 نیست مضطر بلکہ مختار و لا است
 کا اختیارش گرد و اینجا مفتقد
 کے بگشتے آخر او محو از مہنی
 لذت او فرع محو لذت است
 لذتے بردا و لذت گیر شد
 در بجار حمتش معدوم گشت
 پیچ بروے چرید اندر گاہ جود
 بے گمان و بے نفاق و بے ریا
 بے زبان و بے چنین و بے چناں
 دم مزین و اللہ اعلم بالصواب

جبکہ داؤد علیہ السلام مسجد اقصیٰ بناتے بناتے دق ہو گئے اور وہ ہر دفعہ گر پڑتی تھی تو آپ نے
 سوچا کہ اب کے پختہ اور پتھر کی بنانی چاہئے۔ اس وقت حق سبحانہ کی طرف سے وحی آئی کہ

آپ اس خیال کو چھوڑ دیجئے۔ اسلئے کہ یہ عمارت تمھاری ہاتھ سے نہ بن سکے گی۔ کیونکہ ہم نے یہ امر مقدر بھی نہیں کیا۔ کہ یہ مکان تمھارے ہاتھ سے بن جاوے۔ اس پر انھوں نے عرض کیا کہ میرا کیا قصور ہے جو میں اس شرف سے محروم کیا جاتا ہوں۔ اور مجھے کہا جاتا ہے کہ تو مسجد نہ بنا۔ اس پر حکم ہوا کہ تم نے بے قصور بہت خون کئے ہیں اور ان غلاموں کا خون اپنی گردن پر لیا ہے۔ اور وہ اسکی یہ ہے کہ بہت سی مخلوق نے تمھاری آواز سے جان دیدی ہے اور وہ اسکا شکار ہو گئی ہے۔ اور تمھاری آواز اور تمھاری جان لیوا صدائے سبب بہت خون ہوئے ہیں اور انھوں نے معذرت کی کہ میں تو آپکا مغلوب اور آپکا مست تھا اور میرا اختیار آپ کے اختیار سے وابستہ تھا اور جو کوئی آپکا مغلوب ہو اسکو محروم ہونا چاہئے نہ کہ مقہور کیونکہ مغلوب تو بمنزلہ معدوم کے ہے میری تمام ناقص تو یہی حکم کرتی ہے اب آپ میری غلطی کو ظاہر فرما دیں اس پر حکم ہوا کہ تم مغلوب ضرور ہو۔ مگر معدوم یا مثل معدوم نہیں ہو کہ تمھارے افعال قابل تعرض ہی نہ ہیں تم کو ایسی بات نہ کہنی چاہئے کیونکہ تمھاری معدومیت اضافی ہے نہ کہ حقیقی اور ایسا معدوم جو اپنے کو مرصیات حق میں فنا کر چکا ہو حقیقی معدوم کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ وہ تو دیگر موجودات میں بہتر اور اعلیٰ درجہ کا موجود ہے اور دیگر موجودات اس کے مقابلہ میں معدوم ہیں۔ پس جبکہ دیگر موجودات کے مقابل قابل تعرض ہیں تو تم اپنے کو معدوم بتا کر کیسے بری الذمہ ہوتے ہو۔ سو وہ معدوم جو خودی فنا کر چکا ہے گو ہمارے صفات کے مقابلہ میں معدوم ہے لیکن حقیقت میں اس کے لئے اس فنا میں بھی ایک اعلیٰ درجہ کی بقا ہے۔ کیونکہ ارجح اس کے زیر تصرف اور تمام اجسام اس کے زیر قدرت ہیں (جیسا عنقریب اسکی شرح آتی ہے) اسلئے جو شخص ہمارے لطف میں مغلوب ہے وہ حقیقت میں مضطرب نہیں بلکہ مختار ہے جسکو وہ اختیار ہماری دوستی سے ملا ہے اسکو وہ اضطراب سمجھتا ہے یہ اسکی غلطی ہے بلکہ یہ اسکا انتہائی اختیار ہے کہ اسکا اختیار ہمارے اختیار میں مجبور جاوے۔ اسلئے کہ پہلے تو صرف اسی کا اختیار تھا اب ہمارا اختیار بھی اسکا معاون ہو گیا۔ اور جب طرح وہ اپنے اختیار سے کام لیتا تھا۔ قریب قریب اس طرح اب وہ ہمارے اختیار سے کام لیتا ہے۔ اور یہی وہ اختیار ہے جسکی لذت نے اُسے اپنی خودی کے مٹانے پر مجبور کیا

کیا ہے کیونکہ اگر اسے اس اختیار کی چاٹ نہوتی۔ تو پھلا لکیں وہ خودی کو مٹا سکتا تھا۔ ہم نے کہا ہے کہ فنائے اختیار ہی کمال اختیار ہے۔ اور اسکی چاٹ نے اسے فنا و اختیار پر مجبور کیا ہے۔ شاید مضمون آسانی سے بھاری سمجھ میں نہ آئے اسلئے ہم اسکو ایک حسی مثال سے ظاہر کرتے ہیں دیکھو دنیا میں جتنی کھانے پینے کی چیزیں ہیں سب کی لذت کاملہ انکی لذت ناقصہ کے مٹا دینے پر مستفیع ہے۔ اسلئے کہ لذت حسیہ کے دو درجہ ہیں ایک لذت مع الاحساس بہا دوسری وہ لذت جس میں لذت کا بھی احساس نہ رہے۔ لذت اول ناقصہ ہے اور لذت ثانیہ کاملہ جسکو مولانا نے محو لذت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور لذت ثانیہ اسی وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ پہلی قسم کی لذت نہ رہے جس جبکہ وہ لذات ناقصہ کو فنا کرتا تو اگرچہ وہ لذات ناقصہ سے غیر متاثر ہوتا ہے مگر اس سے ہی اسے لذت حاصل ہوتی اور مزہ ملتا ہے۔ اور اسی مزہ کے حاصل کرنے کیلئے وہ لذات ناقصہ کو فنا کرتا ہے۔ اب دونوں باتیں آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہیں۔ یہ بھی کہ فنائے اختیار اختیار کمال ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ اختیار کمال ہی کے لذات کیلئے اختیار ناقص کو فنا کرتا ہے یہ سچ ہے کہ جو شخص مغلوب حق ہو جاتا ہے محروم ہو جاتا ہے۔ اور اسکے بجا رحمت میں فنا ہو جاتا ہے لیکن وہ ایسا معدوم نہیں ہوتا کہ کوئی موجود غیر فانی تصرف میں اس پر غالب جائے بلکہ یہ شخص ایک اعتبار سے تمام موجودات پر حاکم ہوتا ہے کیونکہ موجودات کے حاکم حقیقی کیساتھ اسے اتحاد عرفی ہوتا اور وہ لواقم علی الشرا برفہ کامصدق ہو جاتا ہے اسلئے اسکی یہ حالت ہو جاتی ہے جیسے وہ خود حاکم ہو اور اسوقت اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ نہ اسے شک ہوتا ہے نہ انہیں نفاق ہوتا ہے اور نہ ریا ہوتی ہے اور صفات ربانیہ کے غلبہ سے اسکی یہ حالت ہوتی ہے جیسے بے مثال اور بے مکان اور بے نشان اور بے زبان اور بے کیف ہونا اسکو کوئی اشکال ہوتا ہے اور نہ سوال و جواب کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس پر حقائق کشف ہوتے ہیں۔ اور یہ نفی اشکال و سوال و جواب اصنافی ہے ورنہ خود حضرت داؤد کو بھی اشکال ہوا اور سوال و جواب کی ضرورت ہوئی۔ اچھا اب خاموش رہو۔ ہم حسب قدر سمجھے تھے وہ بیان کر دیا اور امر صواب کو خدا ہی خوب جانتا ہے۔

اس مقام پر بعض امور تحقیق طلب ہیں اسلئے انکی تحقیق کیجاتی ہے۔ اول یہ کہ مغلوبیت اور فناء
اختیار سے کیا مراد ہے۔ سو اسکا مطلب اختیار عبد کا غالب احوال میں مرضی حق سبحانہ کے تابع
ہو جانا ہے نہ کہ اسکا فی نفسہ معزم ہو جانا اور نہ تمام احوال میں اسکا تابع ہونا۔ کیونکہ پہلی صورت
میں جبر لازم آئیگا اور دوسری صورت میں لازم ہوگا کہ اہل شر سے نفرت ہی ہو۔ وکلا ہما
باطل۔ دوسرے مقام ارجح واجسام پر حکومت۔ اور ان میں تصرف اور ان کے زیر تدبیر
قدرت اللہ داخل ہونے سے کیا مراد ہے۔ سو اس کے معنی تو نہیں ہو سکتے کہ وہ حقیقتہ تمام ارجح
واجسام میں اپنے اختیار سے تصرف کرتے ہیں کیونکہ یہ شرک جلی ہے۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کا
اختیار تو فی نفسہ اختیار محدود اور متناہی اور دیگر انسانوں کے مماثل ہوتا ہے۔ لیکن اختیار الہی
انکا معاون ہو جاتا ہے۔ اور جس چیز کو وہ چاہتے ہیں بشرطیکہ کسی حکمت الہیہ کے معارض نہ ہو
وہ شے انکے چاہنے اور اپنے اختیار ناقص کو کام میں لانے سے یا اختیار خداوندی وجود میں
آجاتی ہے جیسے شیخ فخر کا یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی قدرت سے باہر تھا ہاں بقدر
انکے اختیار میں تھا کہ وہ اس فعل کو چاہیں اور اپنے اختیار کو بقدر بھی ہے کام میں لائیں۔
چنانچہ آپ کے اختیار میں اتنا تھا کہ آپ اسے حکم کریں اسلئے اپنے انگلی کے اشارہ سے حکم کیا
اور قدرت الہیہ نے اسکی تعمیل کر دی۔ اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس بنا پر اگر مجازاً یوں کہا
جاوے کہ چاند آپ کے اختیار میں ہے اور آپ کے تحت و تصرف میں ہے وغیرہ وغیرہ تو بتاویل
مذکور بجا ہے۔ اسی صنون کو مولانا نے دفتر ثالث میں مادہ میت اذ رحمت کی شرح میں
بذیل شعر خج جمع و تفریق میاں نفی و اثبات یک چیز از در سے نسبت و اختلاف جہت واضح
طور پر بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے مادہ میت اذ رحمت از نسبت است نفی اثبات است
ہر دو مثبت است + آن تو افگندی چو بردست تو بود + تو بنیگندی کہ قوت حق نمود + ز در آدم زادہ
راحد سے بود + مرث خاک اشکست لشکر کے شود + مرث مرث مرث است افگندن ز ماست + زمین
و نسبت نفی و اثبات تشدد است + تیسری بات یہ ہے کہ لوگوں کا نہ مرنا حضرت داؤد علیہ السلام
کے اختیار میں تھا پھر ان کے مرنے پر ایک عتاب کیوں ہوا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اہل شر جو اہل
اپنے اور طاری کرنا چاہیں کر سکتے ہیں اسلئے انکو چاہئے تھا کہ عوام کے مجمع میں ایسا دہر

ایسا حال طاری نہ کرتے۔ جسکے پر تو کے قلوب عوام تحمل نہیں ہو سکتے تاکہ وہ ہلاکت سے بچ جاتے۔ لیکن انکو اس طرف التفات نہوا۔ اور وہ ہلاک ہو گئے۔ اسلئے تنبیہ فرمائی گئی تاکہ اس امر کا لحاظ رکھیں۔

شرح شبیری

ایک یہودی کا علی سے کہنا کہ اگر حفاظت حق پر اعتماد ہو تو

اس کھڑکی میں سے گر پڑو۔ اور حضرت علیؑ کا اُسکو جواب دینا

مرتضے را گفت روزی یک عنبر کوز تعظیم خدا آگاہ نبود،

یعنی مرتضیٰؑ نے کو ایک ذرا ایک عنبر دیا جو کہ خدا کی تعظیم سے آگاہ نہیں تھا کہ آگاہ
بر سر بامی و قصرے بس بلند حفظ حق را واقفی ہے ہوشمند

یعنی اے عاقل ایک بہت اونچے کوٹھے اور محل کے اوپر تم حفاظت حق کے معتقد ہو؟

گفت آئے او حفیظ است غنی ہستی ہمارا نہ طفلی و منی

یعنی حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ہاں وہ ہماری ہستی کا بچپن سے اور وجود کے وقت سے محافظ ہے اور غنی ہے۔

گفت خود را اندر افکن میں بایم اعمانے کن بچفظ حق تمام

یعنی اُس یہودی نے کہا کہ اپنے کو کوٹھے سے پھینک دو اور حفاظت حق پر پورا بھروسہ کر دو۔

تا یقین گردد مرا ایقان تو و اعتقاد خوب بایر ہاں تو

یعنی تاکہ مجھے آپ کے یقین ہو نہ کیا اور آپ کے اچھے اور مدلل اعتقاد کا یقین ہو جاوے

پس امیرش گفت خامش کن برو تا نگردد جانتا زیں جرأت کرو

یعنی پس امیر نے فرمایا کہ اسے چپکا چلا جائے اس جرأت کی وجہ سے تیری جان گرنے جاوے اس لئے کہ۔

کے رسم بندہ را کو یا خدا آزمائش پیش آرد زابتلا
یعنی بندہ کو کب لائق ہے کہ خدا کی ساتھ امتحان کے طور پر آزمائش کو آگے لاوے۔

بندہ را کے زہرہ باشد کہ فضول امتحان حق کہ نہ کیج کول
یعنی اسے بیوقوف بندہ کی کیا مجال ہے کہ فضول حق تعالیٰ کا امتحان کرے۔

آں خدا را می رسد کو امتحان پیش آرد ہر دمے بابتدگان
یعنی اس خدا کو لائق ہے کہ وہ ہر دم بندوں کے ساتھ امتحان کو سامنے لاوے۔

تا بیا مارا نماید آشکار کوچہ داریم از عقیدہ در سراہ
یعنی تاکہ ہمارے میں سے ہم کو ظاہر طور پر دکھلائے۔ جو کہ ہم عقیدہ پوشیدگی میں رکھتے ہیں۔
مطلب یہ کہ بندہ کی مجال نہیں ہے کہ وہ امتحان حق تعالیٰ کا کر سکے۔ بلکہ خدا کو حق ہے کہ وہ چاہا
امتحان کرے۔ اور ہماری حالت کو اس امتحان سے ہم ظاہر کر دے۔ کہ تمہارا عقیدہ ضعیف ہے
یا قوی ہے۔ اور کیا حالت ہو باقی بندوں کی کیا مجال ہے اور ان کو کیا مناسب ہے کہ وہ امتحان
حق کریں۔

ہیج آدم گفت حق را کہ ترا امتحان کردم و دریں جرم و خطا
یعنی کیا کسی آدمی نے حق تعالیٰ سے کہا ہے کہ میں نے آپکا (نمود بائش) اس جرم و خطا میں
امتحان کیا ہے۔

تا بہ بیستم غایت حمت شما وہ کر باشد مجال ایں کرا
یعنی تاکہ اے بادشاہ میں آپ کے حلم کو دیکھوں اسے بھلا سکوں اسکی مجال ہے۔
مطلب یہ کہ بھلا کوئی آدمی خدا سے کہنے لگے کہ میں نے آپکا امتحان اسلئے کیا تھا تاکہ مجھے معلوم
ہو جاوے۔ کہ آپ قدر عظیم ہیں تو بھلا کس طرح کسی کو اسکی مجال ہو سکتی ہے نمود بائش منہ۔

عقل تو از بسکہ آمد خیرہ سر ہست عذرت از گناہ تو بتر
یعنی تیری عقل بہت ہی خیرہ سر ہے۔ اور تیرا عذر گناہ سے بھی بدتر ہے مطلب یہ کہ
اگر تم ایسا کرو اور نمود بائش امتحان حق کرنے لگو تو سمجھ لو کہ تمہاری سخت بیہودگی ہر آدمی کے
اسکے بعد تم اسکا عذر یہ بیان کرو کہ میں نے آزمائش حلم کیلئے کیا تھا تو سمجھ لو کہ یہ عذر گناہ بدتر

از گناہ کا مضمون ہو جاویگا۔

انگہ وافر اشت سفت آسماں توجہ دانی کردن اور امتحان
یعنی جس نے کہ آسمان کی چھت کو بلند کیا ہے تو اسکا امتحان کرنا کیا جائے۔
لے ندانستہ تو مشر و خیر را امتحان خود کن انگہ غیر را
یعنی او وہ شخص کہ جو (اپنے) خیر و شر کو نہیں جانتا۔ تو اپنا امتحان تو کر اسوقت کسی
دوسرے کا امتحان کرنا۔

امتحان خود چو کردی ای فلاں فارغ آئی ز امتحان دیگر ایں
یعنی لے فلاں جب تو نے اپنا امتحان کر لیا ہے تب تو دوسرے لوگوں کے امتحان سے
فارغ آویگا۔ مطلب یہ کہ پہلے اپنی حالت کی تو خبر لے لو اس کے بعد ہی کسی دوسرے کا امتحان کرنا
چوں بدانستی کہ شکر دانہ پس بدانی کا ہل شکر خانہ
یعنی جب تو نے جان لیا کہ تو شکر دانہ ہے تو پھر جانے گا کہ شکر خانہ کے لوگوں میں سے ہے۔
مطلب یہ کہ جب تجھے معلوم ہو جاویگا کہ تو اچھا ہے اور جنتی ہے اسوقت تجھے کچھ کمنا زینکا
اور یہ معلوم ہوگا بعد مرنے کے لہذا اس سے پہلے کسی اور کا امتحان کرنا سقد ر سخت نادانی ہے
جبکہ خود ہی خبر نہیں ہے کہ ہم کس حال میں ہیں اچھے یا بُرے۔

پس بداں بے امتحانے کہ آتہ شکرے نمر ستد تا جابگیرگا
یعنی بس جان لو کہ بے امتحان کے حق تعالیٰ تمہاری جگہ پر شکر نہ بھیجیں گے۔
ایں بداں بے امتحان از علم شاہ چوں نمر ستد تا جابگیرگا
یعنی اسکو جان لو کہ علم شاہ میں سے بے امتحان کے کوئی بھی مد مقام تک نہ بھیجیں گے۔
مطلب یہ کہ بے امتحان کے حق تعالیٰ کے علم سے تم کو کوئی سر پہنچ نہیں سکتا بلکہ ہمیشہ امتحان
ہیچ عاقل فکرت در نہیں درمیاں مستراح پر جمیں
یعنی کیا کوئی عاقل قیمتی موتی کو میلہ بھرے ہوئے بیت الخلاء میں ڈال دے گا۔
زانکہ گندم را حکیم آگے ہیچ نمر ستد یا بنار کے
یعنی اسلئے کہ گیہوں کو کوئی حکیم آگاہ کسی گھاس کے ڈھیر میں تو نہ بھیجے گا۔ مطلب یہ کہ کچھ

کوئی شخص موتی کو پاخانہ میں نہیں ڈالتا۔ بلکہ خوب سوچ سمجھ کر اور دیکھ بھال کر ڈالتا اور
 رکھتا ہے علیٰ ہذا کوئی شخص گہونکو گھاس میں نہیں پھینک دیتا۔ تو بس اسی طرح حق تعالیٰ بھی
 تمہارا امتحان کرے گی۔ اور بعد امتحان کے اسرار و معارفِ ملکوتی بخشے گی۔ لیکن تم کو کوئی حق
 نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کا امتحان کر دو۔ اسلئے کہ تم بندے اور وہ خدا ہے۔ اور تم اسکو کیا شے بخوبی
 جو تم امتحان کرنے بیٹھو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

شیخ را کہ پیشوا اور مہر راست گرمیدے امتحان کرواؤ خراست

یعنی شیخ کا جو کہ پیشوا اور مہر ہے اگر کوئی مرید امتحان کرے تو وہ گدہا ہے۔

امتحان کش گم گئی در راہ دیں ہم تو گردی متحن ہے بے یقین

یعنی اس (شیخ) کا امتحان تم راہ دیں میں کرو تو خود تم ہی متحن ہو جاؤ گے۔ اے بے یقین۔
 مطلب یہ کہ اگر شیخ کا امتحان مریدین میں کرنے لگے تو خود اس مرید ہی کا امتحان ہو جاوے۔
 اور اس ہی کی قلبی کھجوا سے اسلئے کہ خود متحن کیلئے بھی تو عالم ہونا ضروری ہے۔ اور تم ایسے
 ہو نہیں۔ اور اس شیخ کے پایہ کے نہیں ہو تو آخر ذلیل و خوار ہو گے اور کیا ہوگا۔

جرات و جبلت شود عریان قاش اور برہنہ کے شود زریں قبتباس

یعنی جرات اور جبلت تیرا ظاہر و خاس ہو جاوے گا۔ اور وہ اس جو سے کب برہنہ ہوگا۔ یعنی
 اس امتحان سے اسکا تو کوئی ضرر نہ ہوگا مگر تمہارا جہل سبکو معلوم ہو ہی جاوے گا۔

گر بیاید ذرہ سجد کوہ را بر در ذراں ترازو شایستی

یعنی اگر ذرہ آئے کہ پہاڑ کو تولے۔ تو اسے جواں اس پہاڑ سے اس ذرہ کی ترازو ٹوٹ جاوے گی۔

کز قیاس خود ترازو می تند مرد حق را در ترازو می کند

یعنی اسلئے کہ اپنی لائق ہی ترازو بناوے گا اور مرد حق کو ترازو میں کرے گا۔

چوں بگنجد او بمیزان خرد پس ترازوئے خرد را بر درو

یعنی جب وہ عقل کی ترازو میں نہ سماوے تو وہ عقل کی ترازو کو توڑ دے گا۔ مطلب یہ کہ شیخ
 کی امتحان کی اسی مثال ہے کہ جیسے کوئی ذرہ ایک پہاڑ کو تولے لٹا چاہے تو ظاہر ہے کہ جیسا خود
 ذرہ ہے اسی طرح کی ترازو بھی ہوگی یعنی کمزور اور ہلکا ہوگی تو پہاڑ اسکو ایک دم میں توڑ دے گا۔ اسی طرح مرد

جب امتحان شیخ کر لیا تو اسکا کہ امتحان بھی ایسا ہی ہوگا۔ جیسا وہ خود ہے۔ لہذا اس شیخ کے آگے آکر اسکا کہ امتحان ٹوٹ بھوٹ جا دلیگا۔

امتحان بچوں تصرف ان دو تو تصرف بر حیاں شاہے مجو

یعنی امتحان مثل تصرف کے اسمیں جانو تو تم ایسے بادشاہ پر تصرف رست ڈھونڈو مطلب یہ کہ کسی کا امتحان کرنا تو اسکے اند تصرف کرنا ہے تو بھلا ایسے شاہ زمین و زمان پر تصرف کرنے کی جرأت کرنا سخت نالائق ہے ایسا خیال کبھی رست کرنا۔ کیونکہ۔

چوں تصرف کر دو خواہد نقشاں بر حیاں نقاش بہر ابتلا

یعنی جب تصرف کر لیا تو اسکو بہت سے نقوش کی ایسے نقاش پر امتحان کے واسطے ضرورت ہوگی مطلب یہ کہ تصرف کیلئے ضرورت ہوتی ہے اس امر کی کہ اس سے پہلے سے بہت نقوش ایسے ہوں جن سے اندازہ ہو سکے کہ آیا یہ امتحان میں ٹھیک ہے یا غلط ہے تو بھلا حق تعالیٰ کے امتحان کیلئے کون سے نقوش آدینگے بلکہ اصل تو یہ ہے کہ۔

امتحانے گرد بانست بدید نے کہ ہم نقاش آن بروئے کشید

یعنی اگر کوئی امتحان اسلئے جانا ہے اور دیکھا ہے تو کیا اصل نقاش نے اسپر نہیں بنایا۔ مطلب یہ کہ جو امتحان یہ کر رہا ہے اسکو بھی توقع تعالیٰ ہی نے اسے بتایا ہے ورنہ اسکو کمال خبر تھی۔ اور اگر اسکو پیدا نہ فرماتے تو یہ امتحان کے قابل ہی کہا نہ ہوتے۔ اور اگر اسکو دہن میں امتحان کی صورت نہ ڈالتے تو یہ کہاں سے اسکو پیدا کر لیتے۔ لہذا اسی سے اندازہ کر لو کہ۔

چہ قدر باشد خود این صورت کہ بہت پیش صورت تھا کہ در علم و سیت

یعنی اس شخص نے جو صورت باندھی ہے۔ یہ ان صورتوں کے آگے جو حق تعالیٰ کے علم میں ہیں کیا قدر رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ اسکے علم کے آگے اسکا یہ خیال امتحان کیا حیثیت رکھتا ہے اسکے علم میں ایسے غیر متناہی صورتیں ہیں اسکے امتحان کا خیال کرنا بھی کسی نادانی اور کیسی حماقت ہے آگے بطور نصیحت کے فرماتے ہیں کہ۔

دوسو سہاں امتحان چوں آیدت بخت بد ان کل مد گردن دت

یعنی اس امتحان کا دوسو سہاں تجھے آئے تو اسکو بد بختی سمجھو کہ اسے تمہاری گردن ماری ہے۔

جو چند سو اس دیکھے زور و زور با خدا کردو در آندر سجود
یعنی جب تو ایسا دوسو دیکھے تو جلدی سے خدا کی طرف متوجہ ہو جا اور سجدہ میں آ جا۔
سجدہ کہ راتر کن از اشک اں کا رخسار یا وارہا تم زین گماں
یعنی سجدہ کی جگہ کو آنسوؤں سے ترک دو۔ (اور دعا کر د) کہ اے خدا تجھے اس خیال سے بچالے۔
آن زمان کہ امتحان مطلوب شد مسجد دین تو پر خروب شد
یعنی جبوقت کہ تجھے یہ امتحان مطلوب ہوا تیرے دین کی مسجد اسوقت خروب ہو گئی (خرو
ایک گھاس پر۔ وہ جہاں او گناہی زمین خراب کر دیتا ہے) تو کہتے ہیں کہ جب تجھے ایسا
خیال آیا کہ تو امتحان حق کرے تو سمجھ لے کہ تیرا دین خراب ہو گیا۔
ہیں چو سو اس مدت در امتحان باز کردو و بحق آر آن زمان
یعنی اسے جب تجھے امتحان کے دوسو آئیں تو تو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور دوسرے حق تعالیٰ
کی طرف موڑ۔

تا نگہدار و ترا آن مستحق از گمان امتحان انس و جن
یعنی تاکہ وہ امتحان کرے والا تجھے انسان اور جن کے و ساد میں امتحان سے بچائے یعنی
جن اور انسان جو امتحان حق کے دوسو سے ڈالتے ہیں اس سے حق تعالیٰ ٹکڑ بچالیں اور
اپنی حفاظت میں رکھیں چونکہ اوپر کہا تھا کہ اگر تم امتحان حق کرو گے تو تمہارے دین کی مسجد
یعنی دین پر خروب ہو جا دین کا یعنی دین خراب ہو جا دین کا پس اس مناسبت سے آگے داؤد علیہ
السلام کا مسجد قصے کو بنانے کا قصد کرنے کا اور پھر اس مسجد کا خراب ہو جانا اور آئینہ خوب
کا او گناہ غصہ صرف اس مناسبت سے آگے اس قصہ کو ادا سے بیان فرماتے ہیں اس کو
فرماتے ہیں کہ۔

اے ضیاء الحق حسام الدین بیا قصہ داؤد بر گو و بنا
یعنی اے ضیاء الحق حسام الدین آؤ اور داؤد علیہ السلام اور تعمیر مسجد کا قصہ بیان کرو۔
مطلب یہ کہ داؤد علیہ السلام کے مسجد قصے کے بنانے کا قصہ بیان کرو کہ کس طرح وہ بنا
چاہتے تھے۔ اور وہ خراب ہو جاتی تھی آگے قصہ بیان فرماتے ہیں سنئے۔

مسجد اقصیٰ کا قصہ اور انہیں خروبل گز کا اور سلیمان علیہ السلام سے پہلے

داؤد علیہ السلام کا مسجد کو بنانے کا قصہ کرنا اور اس کا موقوف رہنا

چوں در آمد عزم داؤدی تنگ کہ بسیار مسجد اقصیٰ بہ سنگ

یعنی جب داؤد علیہ السلام کا قصد تنگ ہو گیا۔ کہ وہ مسجد اقصیٰ کو پتھر سے بنا دینا مطلب یہ کہ
داؤد علیہ السلام یہ قصد کرتے تھے کہ مسجد اقصیٰ کو پتھر کی عمارت سے پوری کر دیں لیکن جب وہ
بناتے تھے انہیں سے کچھ نہ کچھ خراب ہو جاتا تھا۔ اور وہ پوری نہ ہوتی تھی۔ تو وہ قصد کرتے کرتے
تنگ ہو گئے اور مسجد پوری نہ ہوئی۔

وحی گردش حق کہ ترک این خواں کہ ز دست بر نیاید این مکان

یعنی حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ تم اسکو چھوڑ دو کہ تمہارے ہاتھ
سے یہ مکان پورا نہ ہوگا۔

نیست در تقدیر یا آنکہ تو این مسجد اقصیٰ براری لے گزین

یعنی لے کر گزیدہ ہماری تقدیر میں یہ بات نہیں ہے۔ کہ تم اس مسجد اقصیٰ کو پورا کر دو مطلب
یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جو امور مقرر کر رکھے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس مسجد
اقصیٰ کو تم پورا نہیں کر سکتے۔ اور یہ تمہارے ہاتھوں پوری نہ ہوگی۔

گفت جرم چیست از دانائی راز کہ مرا گوئی کہ مسجد را مساز

یعنی داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے دانائے راز میری کیا خطا ہے کہ جو آپ مجھے
(نکوینا) فرماتے ہیں کہ مسجد کو مرت بنا۔ مطلب یہ کہ جب مسجد ان کے ہاتھوں پوری نہ ہوئی
اور جب وہ بناتے تھے جب ہی کوئی خرابی انہیں واقع ہو جاتی تھی۔ اگرچہ حق تعالیٰ نے
اس سے قبل انکو صراحتاً حمانعت نہیں کی تھی کہ تم نہ بناؤ اور نہ اسکی اطلاع کی تھی کہ تقدیر حق
ہے کہ یہ مسجد تمہارے ہاتھوں پوری نہ ہوگی۔ لیکن انکا یہ فرمانا کہ آپ مجھ سے منع فرماتے ہیں اس معنی کہ ہے
کہ آپ نکوینا منع کر رہے ہیں کہ میں بنانا ہوں اور آپ نے منع نہیں دیتے تو آخر میرا کیا جرم ہے۔

جسکی وجہ سے یہ بات ہو رہی ہے۔ اور اب یہ معلوم ہو ہی گیا کہ میری تقدیر میں اسکو پورا کرنا ہے ہی نہیں۔ تو اسپر ارشاد ہوا کہ۔

گفت: **جرے تو خونہا کردہ خون مطلوب ماں بگردن بردہ**
یعنی ارشاد حق ہوا کہ تم نے بلا کسی جرم کے بہت سے خون کئے ہیں اور مطلوبوں کے خون کو تم نے گردن پر لیا ہے۔

کہ **زآواز تو خلقے بے شمار** **جاں بداند و شنند آواز شکار**
یعنی کہ تمھاری آواز سے ایک بیشمار خلقت نے جان دیدی ہے۔ اور اس آواز کے شکار ہو گئے ہیں۔

خون سورت پر آواز تو بر صیلاے خوب جان پرواز تو
یعنی تمھاری آواز پر بہت سے خون چلے ہیں تمھاری آواز خوب جان کی خالی کرنے والی ہے مطلب یہ کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا الہی میری کیا خطا ہے جو یہ سجدہ میرے ہاتھوں پوری نہو گی تو اسپر ارشاد ہوا کہ تمھاری یہ خطا ہے کہ تمھاری جو آواز اچھی ہو اس سے بہت سے لوگ مرے ہیں بس اسوجہ سے تمھارے ہاتھوں یہ کام پورا نہو گا۔
مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام زبور کی تلاوت فرماتے تھے تو اسقدر لوگوں پر گریہ طاری ہوتا تھا کہ لوگ روتے روتے مر جاتے تھے۔ اور آپکی مجلس میں سے کئی کئی جنازے ایک ساتھ اٹھا کرتے تھے۔ تو ارشاد حق ہوا کہ تمھارا یہ جرم ہے کہ تم نے بہت سے بیخدا لوگوں کا خون کیا ہے۔ اب یہاں یہ سمجھ لو کہ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس لوگوں کے مرنے سے حضرت داؤد علیہ السلام نغوز بادشہ گنہگار ہوتے تھے اور ان لوگوں کے خون ان کی گردن پر بہتے تھے ہرگز نہیں حاشا وکلا۔ بلکہ بات یہ ہے کہ بعض امور میں تکویناً عطا ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہو گا تو اسپر یہ اثر مرتب ہو گا۔ خواہ فاعل گنہگار ہو یا اسکو ثواب ملے جو بھی لیکن تکویناً بعض اشیا میں علاقہ ہوتا ہے تو اسی طرح یہاں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز سے لوگوں کے مرنے کو تکویناً اس سے علاقہ تھا۔ کہ یہ تعمیر سجدہ قصے نہ کر سکیں گے باقی انگورہ برابر بھی اسکا گناہ نہ ہوتا تھا۔ کہ کیوں یہ خون بہنے خوب سمجھ لو۔ بس اس

علاقہ تکوینی ہی کی وجہ سے وہ مسجد نہ بنتی تھی اور اسکو جرم کہہ دینا صرف ظاہر ہے ورنہ
 اصل جرم ہرگز نہیں ہے۔ خوب سمجھ لو۔ اسکو سنکر حضرت داؤد علیہ السلام عرض کرتے ہیں کہ
 گفت مغلوب تو بودم مست تو دست من پرستہ بود از دست تو
 یعنی داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں تو آپکا مغلوب اور آپکا مست تھا اور میرے ہاتھ تو
 آپ کے ہاتھ سے بندھے ہوئے تھے مطلب یہ کہ انھوں نے عرض کیا کہ یا الہی ہمیں میرا کیا
 جرم ہے میں تو بالکل بے اختیار تھا تمام افعال سب آپ ہی صادر کرتے ہیں ہمیں میرا کیا
 اختیار تھا اور عرض کیا کہ۔

نے کہ ہر مغلوب شہم جرم بود نے کہ المغلوب کا معدوم بود
 یعنی کیا یہ بات نہیں ہے کہ مغلوب شہم جرم ہوتا ہے اور کیا یہ بات نہیں ہے مغلوب مثل
 معدوم کہ ہوتا ہے مطلب یہ کہ انھوں نے عرض کیا کہ جو شخص کسی کا تابع محض اور مغلوب ہے
 وہ تو قابل رحم ہوتا ہے۔ اور جو شخص مغلوب ہوتا ہے وہ تو معدوم کی طرح ہوتا ہے اسکا تو
 بذاتہ کوئی اختیار ہوتا ہی نہیں۔ تو پھر میری ہمیں کیا خطا ہے اگے اسکا جواب ہے جبکہ اجمالاً
 حضرت والادام ظلم نے خود اپنے قلم سے تحریر فرما کر عطا فرمایا ہے اول اسکو بغینہ درج کرتا ہوں
 اگلے بعد ایک ایک شعر کا مطلب نشانہ اشعر عرض کروں گا۔ وہو هذا۔ ”گفت اے مغلوب
 الخ یہاں سے جواب ہے سوال داؤد علیہ السلام کا کہ میں اس امر میں غیر مختار ہوں اور یہاں
 ایک نفس جواب ہے ایک ترقی فی الجواب ہے۔ پس نفس جواب تو یہ ہے کہ تم غیر مختار نہیں ہو
 بلکہ اس طرح مختار ہو کہ تلاوت بکیفیت قاص (کہ ایسے آثار کے ترتب کے انعدام کا قصد نہیں
 کیا) تھا افعال اختیاری ہے۔ اور اس سے یہ بلاک ناشی ہوا۔ تو نظر الی تقرب داؤد علیہ
 السلام یہ امر خلاف اولی ہوا۔ تم اس پر بھی قادر تھے کہ انعدام مذکور کا قصد کہتے تو یہ آثار مرتب
 نہوتے تو ایسا کیوں نہ کیا یہ تو نفس جواب ہو گیا۔ دوسرا ترقی فی الجواب ہے وہ یہ کہ تم
 ایسے مختار ہو کہ اوروں سے بھی زیادہ ہو اس طرح کہ تم فانی ہو اور فانی فی الحق ہو جو انصاف
 بصفتا الحق اختیار میں بھی اوروں سے اکمل ہے پس اشعار میں جن میں معدوم کو از خویش
 رفت الخ اسی ترقی جواب کی تقریر میں اور چونکہ ترقی فی الجواب نفس جواب کو بھی مستلزم ہے

اسلئے نفس جواب کی مستقل تقریر کی ضرورت نہ تھی انتہی بلفظ اب اس جمل کو اشعار سے سمجھ لو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

گفت ای مغلوب معدومیت کو جز بہ نسبت نیست معدوم انصتوا

یعنی ارشاد حق ہوا کہ اے مغلوب تیری معدومی کہاں ہے بجز معدوم نہی کے نہیں ہے چپ رہو مطلب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عرض کرنے پر یہ ارشاد حق ہوا کہ تم مغلوب سہی لیکن اس سے عدم اختیار تو لازم نہیں آتا اسلئے کہ وہ جو عدم اختیار ہے وہ تو امر نسبتی کیونکہ انسان کی جو صفات ہیں وہ منظر ہیں صفات حق کا تو اختیار انسانی بھی منظر ہے اختیار حق کا سو اگر اس منظریت کی نسبت سے دیکھو گے کہ باعتبار ظاہر کے اس منظر میں کیا نسبت ہے اس وقت تو وہ مغلوب ہونگے اور فانی کمال میں گئے اور اگر قطع نظر اس منظریت کے دیکھا جاوے تو اختیار موجود ہے کہ انسان جو کام کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے لہذا اس پر جرم بھی قائم ہوتا ہے اور اس اختیار ہی کی بدولت اس کو انعامات بھی ملتے ہیں تو اب یہاں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے اختیار میں یہ بات تھی کہ اپنی اس کیفیت کو روک لیتے۔ کہ جس سے یہ آثار مرتب نہ ہوتے۔ اسلئے کہ تجربہ ہے کہ اگر کوئی صاحب حال کسی امر کو بیا کرے تو اسکی تین صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ وہ اس بیان کے وقت اس امر کا قصد ہے کہ سامعین پر اس کا فلاں اثر مرتب ہو تو اس قصد سے جسکو کہ تصرف کہتے ہیں وہ اثر مستحق پر ہو جاتا ہے اگرچہ عارفین کا ملین نے اس امر کو پسند نہیں کیا اسلئے کہ اسکے اندر بھی ایک استقلال اور خود مختاری جیسی شان ہے کہ یہ خود متصرف بنتے ہیں تو کا ملین اور عارفین اسکو بھی پسند نہیں فرماتے۔ کہ ہم اپنے اتنے نام کے تصرف اور اختیار کو بھی ظاہر کر دیا ہے ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ العارف لاہستہ لی۔ کہ عارف کو بہت نہیں رہتی اور ہمت سے مراد تصرف ہے یعنی عارف تصرف نہیں کیا کرتے۔ اسلئے کہ وہ اپنے کو اس درجہ سمجھتے ہی نہیں جو وہ تصرف کریں لہذا اگرچہ یہ کا ملین کے نزدیک محمود نہیں لیکن اگر کوئی صاحب حال اس قسم کا تصرف کرنا چاہے تو اسکا اثر ضرور ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نہ قصد تصرف ہو اور نہ کف ہو بلکہ طبیعت کو آزاد چھوڑ دیا جاوے کہ خواہ اثر مرتب ہو

نہوا تمہیں بھی اثر ہوتا ہے تیسری صورت یہ ہے کہ یہ قصد کرے کہ اثر نہ واس صورت میں ہرگز
 اثر نہیں ہو سکتا۔ اسکی تائید میں ایک قصہ حضرت حکیم الامتہ دَامِ ظَلَم کا جسکو راقم نے خود
 حضرت حکیم الامتہ دَامِ ظَلَم سے ہی سنا ہے عرض کرتا ہے۔ وہ یہ کہ فرمایا کہ ایک مرتبہ کانپور
 میں محرم کے زمانہ میں بعض لوگوں کی یہ رائی ہوئی کہ آجکل جو سنی اکثر مرثیوں میں عاکر شریک
 ہوتے ہیں اور مجلس میں شریک ہوتے ہیں اسکی زیادہ وجہ یہ ہے کہ وہاں آنکو حصے ملتوی ہیں
 ورنہ اور کوئی غرض نہیں ہوتی اسلئے اگر یہاں بھی ایسا انتظام ہو جاوے کہ بطور وعظ و کلمہ بیان
 ہو جایا کرے جس سے لوگوں کو احکام بھی معلوم ہوں گے اور وہاں جانے سے بھی رکیں گے غرض
 کہ اسلئے ایک مکان تجویز ہوا۔ اور آئیں حضرت حکیم الامتہ نے بیان حضرت رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لیکر بالترتیب آخر تک سب کی وفات کا ایک ایک دن کیا تو
 ان بیانون میں لوگوں کی یہ حالت ہوئی کہ ماہی بے آب کی طرح لوٹے جاتے تھے آخر ایک روز
 وہ ہوا کہ حضرت امام حسینؑ کی وفات کے بیان کا نذر آیا۔ اسروز اکثر سنی اور تمام شیعہ حضرات
 خوب اہتمام کر کے آئے تھے۔ کہ آج خوب روویں گے اور ماتم کریں گے لیکن حضرت حکیم الامتہ
 کو اسکا پہلے سے خیال تھا لہذا اسکا یہ انتظام فرمایا کہ بیان کے وقت یہ قصد فرمایا کہ کسی کو
 روانہ آوے اور اس بیان کا کسی پر اثر نہ ہو۔ پس یہ قصد کر کے حضرت شہید کربلاؑ کی شہادت
 کا اکل قصہ بیان فرما گئے اور کسی ایک شخص کا ایک آنسو بھی نہ گرا۔ حالانکہ بہت ہی کوشش
 بھی کی مٹہ بھی بنایا لیکن آنسو نہ نکل سکا بعد وعظ ہر شخص کو حیرت تھی کہ آج نہ معلوم کیا
 کر دیا ہے کہ باوجود اہتمام کے کوئی بھی نہ رو سکا۔ تو وجہ یہی تھی کہ روز تو طبیعت کو آزاد چھوڑ
 جاتا تھا اور آج کف اثر کا قصد کیا پس اثر نہ ہوا۔ اب سمجھو کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر جو جرم
 قائم کیا گیا اسکی بھی یہی وجہ تھی۔ کہ اگرچہ انکا یہ فعل غیر اختیار ہی تھا اور وہ مجبور تھے کیونکہ
 تمام افعال ان کے تابع تھے لیکن یہ چونکہ ابوالوقت اور ابوالحال تھے کہ نبی تھے اگر یہ قصد
 فرمائیے کہ میری اس کیفیت کا اثر دوسروں پر نہ ہو تو ہرگز اثر نہوتا اور وہ لوگ جو مچاتے تھے
 نہ مرنے تو جس ان کے اختیار کو اسقدر دخل ہوا کہ انھوں نے اس کیفیت کے روکنے کا کیوں
 قصد نہ کیا۔ اگر قصد کف اثر کرتے تو ممکن تھا کہ اثر ہو جاتا جیسا کہ ابھی حضرت حکیم الامتہ

کے قصہ سے معلوم ہوا بھلا جب اس زمانہ میں بعض اولیا راہبہ قادریں توجہ کہ انبیا تھے وہ
تو بدرجہ اولیٰ بلکہ اس سے بھی کمیں اور اول درجہ سے قادر تھے کہ اسکو روک لیتے اور اگرچہ
باوجود اس نہ روکنے کے بھی کوئی اسمیں گنہگار نہیں ہے مثلاً کسی کامل پر یہ کیفیت ہو اور
وہ اسکو نہ روکے اور طبیعت کو آزاد رہنے دے اور اس سے کوئی مر جائے۔ تو اسکو اس کا
کوئی گناہ نہیں ہے۔ لیکن حضرت داؤد علیہ السلام پر اس لئے جرم قائم ہوا کہ کسی نے کہا ہے
کہ حسنات الابوار سیئات المقربین۔ حضرت داؤد علیہ السلام چونکہ نبی تھے اسلئے ان کا کیا گیا
کہ تم کو کیوں اس طرف توجہ نہ ہوئی۔ اور کیوں اسقدر جانوں کو ہلاک کیا۔ خوب سمجھ لو اب یہاں
ایک اشکال اور بھی ہوتا ہے کہ جس معنی کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو فانی کہا گیا اور کالمین
کو کہا جاتا ہے کہ وہ نظر میں صفات حق کے اور ظاہر نظر کے آئے فانی ہی ہوتا ہے۔ تو اس طرح
تو تمام عالم فانی ہی ہے۔ تمام عوام و خواص سب فانی ہیں پھر کالمین ہی کو کیوں اس لقب سے
ملقب کیا جاتا ہے تو بات یہ ہے کہ مابہ الفرق صرف اسقدر ہے کہ جو عوام میں وہ تو اس کا
مشاہدہ نہیں کرتے اگرچہ وہ نظر میں لیکن انکو خبر نہیں اور وہ دیکھتے نہیں اور کالمین دیکھتے ہیں
اور مشاہدہ کرتے ہیں لہذا ان کالمین کو فانی کہا جاتا ہے۔ اور انکو نہیں کہا جاتا فاہم
یہاں تک تو اس نفس جواب کا ذکر تھا جسکو حضرت حکیم الامتہ کی تقریر میں اجمالاً آپ حضرت
سُن آئے ہیں آگے اس جواب سے ترقی کر کے دوسرا جواب ارشاد ہوتا ہے جسکا اجمال تو پہلے
سُن آئے ہیں آگے تفصیل سنئے ارشاد ہوتا ہے کہ۔

ایں چیزیں معدوم کو از خویش یافت بہترین استما افتاد و زفت

یعنی ایسا معدوم جو کہ اپنے تئیں جانتا رہا۔ وہ تو سب موجودین سے بہتر اور قوی واقع ہوا۔
اور یہ نسبت با صفات حق فنا + حقیقت در فنا اور ابقا است

یعنی وہ صفات حق کی نسبت کہ تو فنا ہے اور حقیقت میں فنا میں اسکو بقا ہے یہ طلبت کہ
جس شخص نے کہ اپنی صفات کو صفات حق کا نظردیکھ لیا اور اس میں انکو گم کر دیا اسکی صفات تو او
موجودات کی صفات سے بہت زیادہ قوی ہو گئی۔ اسلئے کہ وہ اپنی صفات کیلئے ایک
بہت بڑی زبردست قوت پاتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ میری جیسقدر بھی صفات ہیں وہ اس قدر

مطلق کی صفات کا ظل ہیں جو کہ اکمل مجموع صفات الکمال ہے پھر جب اسکو اسقدر بڑی
بشت و پناہ ملتی ہے تو اسکو جب قدر قوت بھی ہو کم ہے تو بس جب کسی نے اپنے اختیار کو
اختیار حق کے تابع اور اس میں قناعت مشاہدہ کر لیا۔ تو وہ تو اور سب سے زیادہ مختار اور صاحب
اختیار ہو گا اور اسکا اختیار تو سب سے قوی ہو گا۔ لہذا حضرت داؤد علیہ السلام سے ارشاد ہوتا
کہ جب تم نے اپنے اختیار کو اختیار حق میں فنا کر ڈالا تو تم اور زیادہ مختار ہوئے نہ کہ غیر مختار
ہوئے پھر مختار اکملہ کے میں بے اختیار تھا کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اسی قدرت اور اس کے
اختیار کی تو یہ حالت ہو جاتی ہے کہ

جملہ ارجح در تدبیر اوست جملہ اشباح در تاثیر اوست

یعنی تمام ارجح اسکی تدبیر میں اور تمام اشباح اسکی تاثیر میں ہیں مطلب یہ کہ وہ اسقدر
قوی ہو جاتا ہے کہ اگر تمام روح کی تائید اسکی متعلق کر دی جائے تو وہ سب کی تائید کر سکے
اور پھر اس تدبیر و روحانی سے اجسام پر بھی آثار و ثبوت ہوں مثلاً اس نے رنہ زین کوئی تیز
کی اس سے خشوع پیدا ہوا تو جسم پر بھی خشوع کا اثر ہوئے نگار۔ تو وہ موثر فی الاجسام مدبر
فی الارواح ہو جاتا ہے لہذا حاصل ارشاد ہوتا ہے کہ۔

آنگاہ مغلوب نہ لطف ماست نیست مضطر بلکہ مختار و لاسر

یعنی جو شخص کہ ہمارے لطف میں مغلوب ہو گیا وہ مضطر نہیں ہے بلکہ مختار ہے دوستی کا۔
مطلب یہ کہ ارشاد حق ہوتا ہے کہ جس نے اپنے اختیار کو ہمارے اختیار میں فانی مشاہدہ
کر لیا وہ اس قرب کی وجہ سے اور زیادہ مختار ہو گیا۔ وہ غیر مختار ہرگز نہیں ہے۔

منہما اختیار است خود کا اختیار میں گرد و اینجا مستفاد

یعنی اختیار کا انتہائی درجہ خود یہ ہے کہ اس (مختار) کا مختار اسجگہ یعنی اختیار حق کو لگے
گم ہو جاوے مطلب یہ کہ جب کا اختیار حقیقی کے آگے فنا اور گم ہو گیا اسکو تو پورا اختیار
اور اسکا انتہائی درجہ میسر ہو گیا آگے فرماتے ہیں کہ۔

اختیارش گر بخشد چاشنی کے بگشتے آخر او محو از ہستی

یعنی اگر اختیار حق اسکی چاشنی نہ دے تو وہ ہستی سے محو کیوں ہوتا مطلب یہ کہ اگر اس سے

اختیار حق کا مشاہدہ نہ ہو گیا ہو تا تو وہ اپنی ہستی اور اپنے اختیار کو کیوں رائل کرتا اسے
خود معلوم ہوتا ہے کہ اسکو کوئی ایسی لذت ملی ہے کہ جس سے اس نے اپنی ہستی کو بھی خیر
کہا یا اور وہ اس میں ہی محو ہو گیا۔ اور ضرور اسکو اسکے اختیار سے زیادہ کوئی اختیار حاصل
ہوا ہے جس سے کہ وہ اپنے اختیار کو مٹا چکا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

درجہاں گر لقمہ و گر شربت است لذت افرغ محو لذت است

یعنی جہاں میں اگر کوئی لقمہ اور کوئی شربت ہے تو وہ اس محو لذت ہی کی لذت ہے مطلب
یہ کہ آنکو جہاں میں جس شے میں بھی لطف آتا ہے اور لذت ملتی ہے وہ اسی وجہ سے ملتی ہے
کہ پہلے لذت کو مٹا چکے ہیں۔

گرچہ از لذات بڑا تاثیر شد لذتے بود او و لذت گیر شد

یعنی اگرچہ لذات سے بے تاثیر ہو گیا (لیکن) اسکی ایک لذت تھی جسکا وہ لذت گیر ہوا ہے
مطلب یہ کہ اگرچہ بظاہر اس نے تمام لذات کو فنا کیا ہے لیکن اسکو ایک لذت ایسی ملتی ہے
کہ اس مجموعہ لذات میں بھی وہ لذت نہ تھی جو اس ایک میں ہے۔ اسلئے اس نے ان سبکو
ترک کر کے ایک لذت کو لے لیا آئے فرماتے ہیں کہ۔

بہر کہ او مغلوب شد در حرم گشت در بجا حرمتش معدوم گشت

یعنی جو شخص کہ مغلوب ہوا وہ در حرم ہوا اور حق تعالیٰ کے بجا حرمت میں معدوم ہوا۔

نہ چنناں معدوم نہ ازل وجود

یعنی نہ ایسا معدوم کہ موجودات میں سے کوئی اس پر وجود میں غالب آجاوے۔

بلکہ والی گشت موجودات

یعنی بلکہ وہ تمام موجودات کا حاکم ہو گیا۔ بے شک شبہ کے اور بے ظاہر داری کے۔

مطلب یہ کہ اسکا وجود تو تمام موجودات اس اعلیٰ ہوگا جیسا کہ او پر بیان کیا گیا ہے اس میں کوئی شک نہیں

آئیں کوئی ظاہر داری ہے بلکہ نفس الامر ہی ہے اور اسکی شان بحیثیت نظر حق ہونے کے یہ ہوتی ہے کہ

بے مثال بے نشان و بے مکان

یعنی بے مثال اور بے نشان و مکان اور بے زمان اور بے کیفیت ہوتا ہے۔

بے شکال و سوال و جواب دم مزیں اللہ اعلم بالصواب
 یعنی بے اشکال کے اور بے سوال کے اور بے جواب کے پس چپ رمہو اللہ اعلم بالصواب
 مطلب یہ کہ وہ درجہ منظریت میں بے مثالی وغیرہ وغیرہ سب ہی کچھ ہوتا ہے۔ نہ آسمان کوئی
 اشکال ہے نہ اسپر کوئی سوال و جواب ہے بلکہ حقیقت یہی ہے پس آگے چپ رمہو خدا کو
 خبر ہے کہ کیا بات ہے۔ پوری طرح بیان نہیں کر سکتے۔ لہذا اللہ اعلم بالصواب۔ آگے
 مولانا حق تعالیٰ کا داؤد علیہ السلام کو تسلی فرمانا اور اسکے آگے ازلح انبیاء و اولیاء اللہ
 کا باعتبار صفات کے متحد ہونا بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

پس خطاب آمد بذاؤ و از خدا	کائے گزین پیغمبر نیکو لقا
دل مدار اندر تفکر زین خبر	رہ مدہ در خود ملال و غم مخور
گرچہ بر ناید بجد و زور تو	لیک مسجد را بر آرد پور تو
گرچہ بر ناید بجدت این مقام	لیک پور تو کند اور اتمام
کردہ او کردہ تست اے حکیم	مومنانرا اتصالیے داں قدیم
مومنان محدود لیک ایمان یکے	جسم شان محدود لیکن جان یکے
غیر فہم و جان کہ در گاؤ خمرست	آدمی را عقل و جان دیگر است

باز غیر عقل و جاں آدمی
 جان حیوانی ندارد اتحاد
 گر خور داین نان نگر دوسیر آن
 بلکه این شادی کند از مرگ او
 جان گرگان و سگان هر یک جداست
 جمع گفتم جانهاشان من بام
 همچو آن یک نور خورشید سما
 لیک یک باشد همه انوارشان
 چون مانند جانها راقاعه
 فرق و اشکالات آید زین مقال
 فرقه بایجاد از شخص شیر
 لیک در وقت مثال و خوش نظر
 کان دلیر آخر مثال شیر بود
 متحد نفس ندارد این سرا
 هم مثال ناقصه دست آورم
 شب بهر خانه چراغ می نهند
 آن چراغ این تن بود نور شمع جان
 و ان فتیله بیخ دارد از حواس

هست جانے دروے و در بنی
 تو مجو این اتحاد از روح باد
 در کشد بار این نگر دواں گراں
 از حد میرد چو بسیند برگ او
 متحد جانهاے شیران خداست
 کان یکے جان صد بود نسبت جسم
 صد بود نسبت بصحن خانها
 چونکه بر گیری تو دیوار از میان
 مومناں باشند نفس واحده
 زانکه نبود مثل باشد این مثال
 تا به شخص آدمی زاد دلیر
 اتحاد از روئے جانبازی نگر
 نیست مثل شیر در جمله حدود
 تا که مشعل و انسایم مر ترا
 تا ز حیرانی خرد را و اخسرم
 تا بنور آن ز ظلمت می میرند
 هست محتاج فتیل این دواں
 جملگی بر خواب و خور دارد اساس

بے خور و بے خواب نزدیکیم دم
 بے فستیل و در غنش نبود بقا
 زانکه نور علتی اش مرگ جواست
 جمله جسمائے بشر هم بے بقاست
 نور حس و حیا ناپایان مسا
 لیک مانند ستاره و ماه تاب
 آنچنانکه سوز و درد و زخم یک
 آب ذکر حق و زینور ابن زماں
 دم بخور در آب ذکر و صبر کن
 بعد از آن تو طبع آن آب صفا
 آنچنان که آب آن زینور شر
 بعد از آن خواهی تو دور از آیش
 بس کسانے که جہاں بگذر شته اند
 در صفات حق صفات جمله شان
 گز قرآن نقل خواهی اے حروں
 محضوں معدوم نبود نیک ہیں
 روح مجوب از بقایش در عذاب
 زین چسراغ حس حیوان المراد

با خور و با خواب نزدیکیم ہم
 با فستیل و روغن او ہم بی وفا
 چون زید کہ روز روشن مرگ اوست
 زانکه پیش نور روز حشر لاست
 نیست کلی فانی و لا چون گیا
 جمله محو اند از شعل آفتاب
 محو گرد و چون در آید مارا لیک
 هست یاد این فلاں و آن فلاں
 تا رہی از فکر و وسوسا کن
 خود بگیری جملگی سر تابا
 می گرد از تو ہم گیر دھند
 کہ بسر هم طبع آبے خواجہ تاش
 لاینند و در صفات آغشته اند
 پیچو اختر پیش آن خور بے نشان
 خواں جمیع ہم لدنیا محضوں
 تا بقاے روح و ہادانی یقیں
 روح واصل در بقا پاک از حجاب
 گفتمت ہاں تا بخونی اتحاد

روح خود را متصل کن اے قلال
 صد چراغ تار مرند اریستند
 زان ہمہ جنگ اندایں صحاب
 زانکہ نور انبیا خورشید بود
 یک بمیزد یک بسا نذ تا بروند
 جان حیوانے بودے از غنے
 گر بمیرد این چراغ و طے شود
 نور آں خانہ چوبے انیم بپارت
 این مشال جان حیوانی بود
 باز از مہند فے شب چون ماہ زاد
 نور آں صد خانہ را تو یک شمر
 تا بود خورشید تاباں ہر افق
 باز چون خورشید جان آفل شود
 این مشال نور آمد مشال نے
 بر مشال عنکبوت آں زرت خو
 از لعاب خویش پردہ نور کرد
 گردن اسپ از بگیرد بر خورد
 کم نشیں بر اسپ تو سن بے گام

زود با ارواح قدس ساکاں
 پس جداست و بگا نہ نیستند
 جنگ کس نشنید اندر انبسیا
 نور حس ما چراغ و شمع و دود
 یک بود پڑ مردہ دیگر با فروز
 ہم بمیرد او بہر نیک دینی
 خانہ ہمایہ مظلم کے شود
 پس چراغ حس ہر خانہ جداست
 نے مشال جان ربانی بود
 در سہر روز نے نورے قتاد
 کہ نمائد نور این بے آں دگر
 ہست در ہر خانہ نور او قنق
 نور حبلہ خاتمہ زائل شود
 مرترا ہادی عدد و راہ ہرنے
 پردہ ہائے گستہ را بہر باقد او
 دیدہ ادراک خود را کور کرد
 در بگیرد پاشش بتاند لکہ
 عقل و دین را پیشوا کن اسلام

اندریں آہنگ منکر مست است	کاذرین رہ صبر شوق النفس است
باز گرد و قصہ مسجد بگو	باسیمان بنی نیکو

خطاب مذکورہ بالا کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو یوں خطاب ہوا کہ اے نیک لقا اور برگزیدہ پیغمبر آپ اس خبر سے فکر میں نہ پڑیے اور اپنے اندر مذال کو راہ نہ دیجئے اور تمکین نہ ہو جائے۔ اگرچہ یہ سجد آپ کی کوشش اور قوت سے تیار نہ ہوگی لیکن آپ کے صاحبزادے سلیمان اسکو تیار کریں گے اور یہ مقام عبادت اگرچہ آپ کی کوشش سے نہ بنے گا لیکن آپ کے فرزند ارجمند اسکو مکمل کریں گے۔ اور انکا فعل آپ ہی کا فعل ہے اور آپکو سمجھنا چاہئے کہ مومنین میں انہیں ایک اتصال و اتحاد ہے جسکی بنا پر ایک کا فعل دوسرے کا کیا جاسکتا ہے اسلئے کہ مومن کو متعدد ہیں لیکن انکا ایمان ایک ہی ہے کیونکہ متعلق سب کے ایمان کا ایک ہے۔ اور گوانے اجسام متعدد ہیں لیکن جان سب کی ایک ہے اسپر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جان میں تو جاندار سب برابر ہیں پس اگر جان ایک ہے تو سب جانداروں کی ایک ہے۔ اور اگر متعدد ہے تو سبکی متعدد ہے۔ یہ کیا کہ مومنین کی جان ایک ہے اور ونکی نہیں۔ کیونکہ سب جانداروں کو یکساں سمجھنا ہی غلط ہے۔ چنانچہ جانور ونکی فہم و جان اور ہے اور عوام کی فہم و جان اور انبیاء و اولیاء کی جان اور جبکہ یہ مضمون سطراری معلوم ہو چکا تو اب تو کہ ہم نے تین قسم کی جانیں بتلائی ہیں جنکے سبب جانداروں میں آپ کو دو سکر سے امتیاز ہے۔ ان تینوں میں سے جانوروں کی جان تو ہمارے مقصود سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ اسلئے ہم اسکو ذکر ہی نہیں کرتے رہیں دو باقی سواں میں سے جان انبیاء و اولیاء جسکو ہم جان ربانی کہتے ہیں اس کا بیان تو ہمارا مقصد اصلی ہے اسلئے اسے بیان کرتے ہیں اور جان عوام جسکو ہم کبھی بوجہ غلبہ صفات ہیمیہ کے جان حیوانی کہتے ہیں اور کبھی بوجہ اسکے روح حیوانی مصطلح اہل طبع کے ساتھ اقتضائیں مشابہت رکھنے کے روح بادی کہتے ہیں اسکا بیان ہم کو اصالۃ مقصود نہیں لیکن چونکہ وہ روح انبیاء و اولیاء کی ضد ہے۔ والا شیا رت عرف باضداد ہا۔ اسلئے اسکو بھی بیان کرتے ہیں۔

جب یہ مضمون ہمیدی سن چکے تو اب نوکہ جان عوام جبکہ ہم جان حیوانی کہتے ہیں ہمیں
 تو اتحاد یعنی تواضع اغراض نہیں اور تم کو یہ اتحاد اس روح میں ڈھونڈنا ہی نہ چاہئے
 کیونکہ وہ مشابہ ہے اُس روح کے جو ہوا ہے جسکا مقتضاد تضاد و تراحم ہے۔ اسی جان
 والوں میں اتحاد ہونی کی علامت یہ ہے کہ اگر ایک روٹی کھاتا ہے تو اس سے دوسرے کا
 پیٹ نہیں بھرتا۔ اور اگر ایک بوجھ کھینچتا ہے تو دوسرے پر اسکا بوجھ نہیں ہوتا یعنی نہیں
 ایک کی راحت سے دوسرے کی راحت اور ایک کی تکلیف سے دوسرے کو تکلیف نہیں ہوتی۔
 بلکہ ایک کو دوسرے کی موت سے خوشی ہوتی ہے۔ اور جب وہ دوسرے کا ساز و سامان نہ کہتا
 ہے تو حسد سے جل مرتا ہے پس ثابت ہوا کہ ان گرگ و سنگ سیر تو کنی جانیں علیحدہ علیحدہ
 ہیں برخلاف اسکے شیران خدا یعنی اہل بشر کی جانیں متحد ہیں۔ کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب
 آپ اہل بشر کیلئے ارواح بصیغہ جمع استعمال کرتے ہیں تو اتحاد کہاں رہا اسلئے کہ میں
 لفظوں میں اسے اسلئے جمع کہا ہے کہ ارواح متعلق ہیں اجسام سے اور اجسام مزید وغیرہ
 کے لحاظ سے متعدد ہیں تو ان کے تعدد سے ارواح میں بھی گوئے اختلاف و تعدد آگیا۔ کہ
 کسی میں رحم غالب ہے کسی میں غصہ وغیرہ وغیرہ۔ اور اجسام کے لحاظ سے ایک جان
 جنگی جیسے آفتاب کا نور انگنوں کے لحاظ سے متعدد و متکثر ہے۔ لیکن اگر تم دیواروں کو
 درمیان سے الگ کر دو تو اس سے تم تک ایک نور ہے۔ علی ہذا ارواح کا ملین
 میں بھی تعدد اجسام کے لحاظ سے ہی مگر جب ان جاتو کنی کر سنی یعنی جسم نہ ہے تو مومن
 کے سب ایک جان ہیں۔ رفت جمع گفتم سے چون زمانہ تک اشعار کی ایک اور توجہ
 بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ میں نے لفظوں میں اسے جمع کہا ہے کہ انکا تعلق اجسام متعدد
 الذوات کے ساتھ ہے اس تعدد کی وجہ سے ان میں کثرت پیدا ہو گئی ہے جس طرح سے کہ
 نور خورشید صحنوں کے لحاظ سے متکثر ہے۔ مگر جب تم دیواریں الگ کر دو۔ تو وہ سب
 ایک ہو جاتے ہیں جب یہ امر تم کو معلوم ہو گیا تو اب ہم تم کو اس اتحاد کا نشانہ بتاتے ہیں
 سنو قاعدہ یہ ہے کہ جب روح کی کرسی یعنی جسم فنا ہو جاتا ہے اور صفات ہیملہ اس
 دور ہو جاتے ہیں تو سب لوگ مومن کامل اور ایک جان ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ارواح

الروح
 کا نور

میں جو اجسام کے لحاظ سے تعدد آیا ہے اسکا منشا یا تو بکثرت ذوات اجسام ہے یا اختلاف
صفات باطنہ درامہ بہر دو تقدیر جو نماز جانہار قاعدہ سے مراد یا تو طبیعت مثال
یا مثال نہ ہے یا بیان میں لم اتحاد۔ یہ چار تو جہیں ہو گئیں جنہیں سے ہم نے دو وجہیں
لکھی ہیں اور دو کو اس اجمال میں ظاہر کر کے تفصیل کو ناظرین کیلئے چھوڑ دیا ہے اس
تفاوت سے ناظرین کے ذہن میں مختلف وجوہ فرق درمیان مثال و مثل نہ اور متعدد شکلات
پیدا ہونگے مثلاً یہ کہ اتحاد و تعدد اروح کی تمثیل تعدد و اتحاد نور شمس سے صحیح نہیں کیونکہ نور
شمس بجا محل کے قابل انقسام ہے برخلاف اروح کے نیز اروح میں اتحاد بمعنی توافق غرض
ہے برخلاف انوار صحن خانہ کے وغیرہ وغیرہ۔ اور وجہ اشکالات و فروق یہ ہے کہ مثال
ہے مثل نہیں۔ اور مشبہ و مرشہ بہ میں علاوہ وجہ مشبہ کے دو سبب وجوہ سے فرق ہوتا ہے
چنانچہ شیر اور بھار آدمی میں بکثرت وجوہ فرق ہیں لیکن شیر اور بھار آدمی میں اتحاد تم کو
شباعت کی جہت سے دیکھنا چاہئے۔ نہ تمام حیثیتوں سے کیونکہ شجاع شیر کی مثال ہے
اور تمام امور میں اس کے مثل نہیں۔ اسلئے وجوہ فرق ہونا لازم ہے۔ علی ہذا نو ذہبی اروح کی
مثال ہے نہ مثال اسلئے آئیں بھی وجوہ فرق ہوتی ہیں۔ اس نکتہ کو ذہن میں رکھنا چاہئے
تاکہ تم درامہ اشکالات و فروق سے محفوظ رہو۔ کیا کہوں مجبور ہوں کہ دنیا میں کوئی ایسا محسوس
ہی نہیں جو یوں متحد ہو جیسے اروح۔ تاکہ بجائے مثال کے تمہیں مثل دکھلا سکوں اسلئے
مثال اختیار کی گئی۔ یہ تو اتحاد اروح کاملین کی تمثیل تھی اب تعدد اروح عوام کیلئے بھی
ایک ناقص مثال حاصل کرتا ہوں۔ تاکہ ناظرین کی عقل کو تحیر سے بچاؤں۔ اچھا سنو۔
رات کے وقت ہر گھر میں ایک چراغ رکھتے ہیں تاکہ اُسکی روشنی کے سبب تاریکی سے نجات
پاؤں جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب تم چراغ کو تو بنزلہ جسم کے سمجھو اور اُسکے نور کو مثل اروح
جوانی یعنی جان عوام کے۔ پس طرح روشنی ہر مکان کی جدا گانہ ہے یوں ہی اروح حیوانی
معنی مذکور بھی علیحدہ ہے کیونکہ بوجہ علیہ صفات بہیمیہ کے اسکا مقصد جدا گانہ ہے۔ یہ
تو تمثیل تھی اب مناسب ہے کہ ہم اروح حیوانی کے اُس وصف کو بھی استطراداً بیان کر دیں
جس میں چراغ کے مشارک یعنی عدم بقا سو سنو کہ یہ چراغ تن مختلف قسم کے فیتلوں کا

محتاج ہے اور وہ مختلف قسم کے فتنیلہ جو اس خسرہ میں اس چراغ تن کا دار و مدار دروغ خواب و خور وغیرہ پر ہے۔ اور بے خواب و خور کے ذرا سی دیر ہی نہیں جی سکتا۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ خواب و خور کے ساتھ بھی نہیں جی سکتا۔ اور بے فتنیلہ و دروغ تن تو باقی رہتا ہی نہیں بے فتنیلہ و دروغ ہی وفا نہیں کرتا اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اس چراغ کا نور مریض (روح حیوانی سقیم) حالاً طالب موت ہے۔ اسلئے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور زندہ رہ کیسے سکتا ہے۔ روز روشن یعنی روح ربانی یا تجلیات ربانیت اسکے لئے موت ہے۔ اور جب طبع طلوع روز روشن سے چراغ کا نور فنا اور مضحک ہو جاتا ہے یوں پر تو روح انسانی یا تجلیات ربانیت سے روح حیوانی من حیث روح حیوانی فنا ہو جاتی ہے یعنی اسکی صفات بہیمہ جن سے وہ حیوانی کمالاتی ہتی زائل ہو جاتے ہیں اور جب طرح روح حیوانی فانی ہے یوں ہی تمام خواص بشر یہ بھی باقی رہنے والے نہیں۔ بلکہ نور روز حشر کے سامنے فانی ہیں اور جبکہ تجلیات ربانیت یا روح کامل کا پرتوان پر پڑتا ہے تو انکی ہی کایا پلٹ ہو جاتی ہے یعنی نفس کے تسلط سے نکل کر روح کے تابع ہو جاتے ہیں۔ (ف نور روز حشر میں چند احتمالات ہیں اول یہ کہ وہ نور جو روز حشر میں علی وجہ الکمال ظاہر ہوگا۔ آسمیں دو احتمال ہیں یا تو تجلیات مراد ہوں۔ یا نور روح انسانی دوسرے وہ نور جو قائم بر روز حشر ہے۔ اسوقت روز حشر سے استعارہ ہوگا تجلیات سے یا روح کامل سے کیونکہ جب طرح روز حشر مرد و نکو زندہ اور زند و نکو مردہ کرتا ہے۔ یوں ہی یہی مبتدئ و مفترار و اح و حواس ہیں سوائے (علم) اور یہ ہم نے نور جس و جان کو بے بقا کہا ہے اس سے نمکونے فنا کے محض کا شبہ نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہمارا نور جس و جان حیوانی ناپائدار گھاس کی طرح فانی مطلق نہیں۔ بلکہ وہ فنا کے مصطلح کی حالتیں چاند تار و نکی طرح تجلیات حق سبحانہ یا نور روح کامل میں محو ہو جاتا ہے جب طرح کہ پسو کے ڈنک کی سوزش اور تکلیف آفت محو ہو جاتی ہے جبکہ سانپ تمھاری طرف آتا ہے یا کوئی شخص شہد کی مکھیوں کے خوف سے پانی میں غوطہ لگاتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان مکھیوں کے ڈنک سے بچ جاتا ہے۔ اور مکھیوں اسلئے گھومتی رہتی ہیں کہ جب وہ نکلے تو اُسے نہ چھوڑیں۔ اور نور ڈنک لگائیں اس تمثیل میں مقصود صرف پانی میں غوطہ لگانا ہے کہ اس سے اسکو فتنائے مطلق

حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ فنا کے اضافی معنی جویت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور زبور و زکافات اور انکا اس تک پہنچ سکنا یہ بیان واقعہ ہے اور تمہید ہے۔ ایک مضمون ارشادی کی جسکو مولانا یوں بیان فرماتے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ پانی کیا چیز ہے اور زبور کیا سنو پانی ذکر حق ہے اور زبور انتشار افکار و خیالات پس اگر تم کو ان مکھیوں سے نجات پانی تو اس پانی میں کھسک دو م گھونٹ لو۔ تاکہ تم کو افکار و وسوسہ کنہ سے نجات ملے۔ ایک عرصہ تک تم کو ایسا کرنا ہوگا۔ اس کے بعد اس صاف پانی کی خاصیت تمہارے اندر پیدا ہو جائیگی۔ کیونکہ وہ آب ذکر تمہارے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاوے گا اور جسطرح وہ مکھیاں پانی سے بھاگتی تھیں یوں ہی خود تم سے بھاگنے لگیں گی جسوقت تمہاری یہ حالت ہو جاوے گی۔ اسوقت اگر تم چاہو تو آب ذکر کا ہر سے الگ ہی ہو سکتے ہو۔ کیونکہ اسوقت حقیقت میں تم پانی کے ہم طبع ہو گئے ہو۔ یہاں تک اس مضمون استطردی کو بیان فرما کر پھر ماسبق کی طرف عود کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ ہم نے دل و روح کو فانی کیا تھا اگر بعد اس کے فنا کے معنی تھے کہ یہ فنا بمعنی فحویت ہے نہ کہ بمعنی انعدام محض اس پر تم یہ شبہ نہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ روح معدوم ہو جاتی ہے کیونکہ بہت سے آدمی پیدا ہوئے اور مر گئے۔ پھر کیسے کہا جاتا ہے کہ روح باقی ہے کیونکہ دل تو ہماری گفتگو اس فنا و بقا سے متعلق نہ تھی جو تم سمجھتے ہو بلکہ ہماری گفتگو فنا و بقا کے مصطلح میں تھی۔ لیکن ہمیں اس جواب کی ضرورت نہیں اس لئے ہم اسی معنی کی بنا پر جواب دیتے ہیں جو تم سمجھتے ہو سنو بہت سے لوگ جو احمقان سے گذر گئے ہیں وہ فانی مطلق نہیں ہیں بلکہ حق سبحانہ کی صفات جلالیہ و جمالہ میں غلوٹ ہیں اور انکی صفات صفات حق میں ملکر یوں ہی بے نشان ہو گئی ہیں جسطرح آفتاب کے ستارے۔ یہ ایک دعویٰ ہے جس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور سب سے بڑی دلیل قرآن پس اگر قرآن سے اسکا ثبوت چاہتے ہو تو ہم اس کے لئے یہی تیار ہیں سنو حق سبحانہ فرماتے ہیں ان کل ما جمیع لدینا محض و ن اور یہ بیان ہے حالت بعد الموت کا یعنی موت کے بعد

۱۷ ربطہ بیت بس کہ انہی کی دوسری تقریر یہ ہے کہ اچانک ہم نے قضا اصطلاح میں بقائیات کی تھی! اب ہم ترقی کر کے کائنات میں
کرفنا و متعارف کی حالتیں ہی وہ قاضی مطلق نہیں بلکہ میں صبح باقی ہو جائے اور خدا و خضر و واضح و ادب ۱۲ منہ

سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کئے گئے ہیں۔ پس جبکو محض رون فرمایا گیا ہے وہ معلوم
 نہونے کیونکہ محض رون معدوم نہیں ہو سکتے۔ اس مضمون کو غور سے سمجھ لو تا کہ نگارِ ارواح کی
 بقا یقینی طور پر معلوم ہو جاوے۔ اور تم سمجھ لو کہ ارواح تمام باقی ہیں مگر اس بقا کے نتائج
 مختلف ہیں چنانچہ مجبورین کی ارواح تو اپنی بقا کے سبب مبتلائے عذاب اور صفات جلالیہ
 میں محو ہیں۔ اور ارواحِ واصیلین اپنی بقا کی حالت میں حجاب سے پاک اور صفاتِ جمالیہ
 میں محو ہیں جب یہ مضمون استطراد میں ختم ہو چکا تو اب سنو کہ میں نے اس جمل غرض
 حیوانی کی حالت بیان کر دی ہے جزو اتم آسمین اتحاد کو نہ ڈرو نہ ٹھہنا۔ اگر تمہیں ضرورت
 ہے کہ مختاری ارواح حیوانیہ میں اتحاد ہو تو اسکی صورت یہ ہے کہ تم اپنی ارواح کو ارواح
 سالکان کے ساتھ ملاؤ تا کہ انکی حیوانیت فنا ہو اور انسانیت پیدا ہو۔ اور اسوقت
 وہ ارواح انسانہ بنکر آپس میں متحد ہو جائیں اور جب تک یہ بات نہ ہو اور جسم باقی رہے
 ایسی حالتیں اگر تمہارے چراغِ سودقہ میں اور مرکبِ زندہ ہوں ناممکن ہے کہ کہیں
 اتحاد ہو وہ جیسا ہی رہیں اور متحد نہونگے چونکہ ہمارے لوگوں میں حیوانیت و جسمانیت
 موجود ہے اسی لئے وہ سراپا جنگ و جدل ہیں ورنہ انبیاء کو تو کسی نے بھی آپس میں لڑتے
 نہیں سنا اور وجہ اسکی یہ ہی تھی کہ انکی ارواح مثل نورِ خورشید کے متحد و تھیں اور ہمارے
 اور ہمارے جس وجہ ان کا نور مثل چراغ و شمع اور دھوئیں کے متعدد ہے اسی لئے یہ حالت
 ہے کہ ایک گل ہوتا ہے اور دوسرا دن تک باقی رہتا ہے ایک ٹھٹھا ہے اور دوسرا خوب
 مشتعل ہے نیز چونکہ جان حیوانی کا مدار حیات اسکی غذا پر ہے اور اسلئے وہ غذائے ملنے سے
 اور دیگر اسباب مختلفہ سے مرہی جاتی ہے پس اگر اس بنا پر یہ چراغ کسی وقت گل اور
 ختم ہو جائے تو اس سے پڑوسی کے گھر میں اندھیرا نہوگا اور وہ اسی طرح روشن رہے گا
 پس افرطاً یہ ہے کہ ایک گھر کا نور دوسرے گھر کے بغیر بھی قائم ہے تو ثابت ہوا کہ ہر گھر کا
 چراغ اور جسم کی روح جدا ہے۔ یہ حالت جان حیوانی ہی کی ہو سکتی ہے اور جانِ مانی
 کی یہ حالت نہیں ہو سکتی۔ اسکی حالت اسکے برخلاف ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں
 وہ حالت تو ارواحِ ربانیہ کی آپس کے لحاظ سے تھی اب ہم دوسروں کے اعتبار سے انکی

حالت بیان کرتے ہیں سنو۔ مگر اول اتنا سمجھ لو کہ جب شب تاریک میں چاند نکلتا ہے تو بشرائط مخصوصہ ہر روزن میں اسکا نور پہنچتا ہے مگر اس سیکڑوں گھروں کے نور کو تنکو ایک ہی سمجھنا چاہئے۔ اور تنکو کا شبہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ ایک گھر کا نور بدون دوسرے گھر کے نور کے نہیں رہ سکتا ہے۔ اور یہ صریح دلیل ہے اتحاد کی جب یہ امر معلوم ہو چکا تو اب سمجھو کہ بالکل یہی حالت خورشید و ریح ربانی کی ہے۔ کہ جب تک وہ سرگرم افانہ رہتی ہے اسوقت تک بشرائط مخصوصہ ہر خانہ جان میں اسکا نور فیض پہنچتا ہے۔ اور جب یہ خورشید جان ربانی غروب ہو جاتا ہے یعنی افانہ اسکا بند ہو جاتا ہے تو تمام خانہ جان سے نور سلب ہو جاتا ہے جیسا کہ قرب قیامت میں واقع ہو گا۔ کہ کوئی اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا بس دنیا میں حسب قدر نور ہدایت ہے سب ریح ربانیہ کا پر تو ہے یہ مثال نور ماہتاب ہی نور روح ربانی کی مثال ہے مثال نہیں یہ مثال بتعین وحی کیلئے ہادی ہے اور غیر متبع وحی کیلئے زہر نہ کیونکہ وہ اسکو مثل سمجھ کر نور روح کے لئے وہی امور ثابت کر لیا۔ جو نور ماہتاب کیلئے ہیں اور مگر وحی کی طرح اپنے اوہام سے موٹے اور دبیر پردہ تیار کر لیا جس طرح مگر وحی نے اپنے لعاب سے ایک پردہ حاجب نور بنالیا۔ اور اپنے نور بین آنکھ کو اندھا کر لیا۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ اگر وہ گھوڑے کی گردن پکڑ لیا تو اسکی سوار سے منتفع ہو گا اور اگر پاؤں پکڑے گا تو لات کھائے گا۔ یعنی اگر اس مثال کو صحیح طور پر سمجھنا تو اسکا فائدہ ہے ورنہ نقصان دیکھو سرکش گھوڑے پر بے لگام نہ بیٹھو یعنی ان مضامین عالیہ میں بے سامان حفاظت کے خوض نہ کرو بلکہ عقل و دین کو پیشوا کرو۔ یہ بے سامان حفاظت اور اس راہ یعنی عقل و دین کو پیشوا بنانے کو معمولی بات نہ سمجھو کیونکہ اسکے لئے ضرورت ہر صبر کی اور صبر اس راہ میں نہایت ہی تکلیف دہ اور ناگوار خاطر ہے۔ اچھا اب اس مضمون کو ختم کرو۔ اور بیان کرو کہ مسجد کا سلیمان علیہ السلام کیساتھ کیا واقعہ ہوا

پاک چوں کعبہ ہمایوں چوں منے
نے فسردہ چوں بنا ہائے دگر

چوں سلیمان کردا غازیبت
در بنائش دیدن می شد کروفر

در بنا هر سنگ که که معی شکست
 بپنجو از آب و گل آدم کده
 سنگ بے جمال آئنده شده
 حق ہی گوید که دیوار بهشت
 چون در و دیوار تن با آگهی است
 هم درخت و میوه هم آب لال
 زانکه جنت رانه زالت بسته اند
 این بنا از آب و گل مرده بدست
 این باصل خویش ماند پر خل
 هم سر بر و قصر و هم تلج و ثیاب
 فرش بے فرش بچپیده شده
 تحت اوسیار بے جمال شد
 خانه دل میں ز غم ژولیده شد
 هست در دل زندگی دارا مخلود
 چونکه گشت آن مسجد اقصی تمام
 چون سلیمان در شدی هر بامداد
 پند دادے کہ گفت لحن و ساز
 سپند فعل خلق را جذاب تر

فاش سیر و ابی ہمیں گفت از نخست
 نور زراں کہ پارہا تاباں شده
 و اں در و دیوار ہا زندہ شدہ
 نیست چوں دیوار ہا بیجان و زست
 زندہ باشد خانہ چوں شامہ نشی است
 با بہشتے در حدیث و در مقال
 بلکہ از اعمال و نیت بستہ اند
 آن بنا از طاعت زندہ شدہ است
 و اں باصل خود کہ علم سرت و عمل
 با بہشتے در سوال و در جواب
 خانہ بے کناس رو بیدہ شدہ
 حلقہ و در مطرب و قوال شدہ
 بے کناس از توبہ رو بیدہ شدہ
 در ز بانم چوں نمی آید چہ سود
 ز اہتمامات سلیمان و السلام
 مسجد اندر بہر ارشاد و عباد
 کہ بفعل اعنہ رکوع بانساز
 کہ رسد در جاں بر ما گوش کر

واندراں وہم امیکر کم بود در شتم تاثیر آن محکم بود

جب سلیمان نے اس مسجد کی تعمیر شروع کی جو تعبہ کی طرح پاک اور سنی کی طرح مبارک تھی تو اسکی تعمیر میں اہل دل کو ایک عجیب و غریب ہی شان و شوکت محسوس ہوتی تھی۔ اور وہ دیگر عمارتوں کی طرح افسردہ نہ تھی تعمیر کے متعلق جو پتھر کہ بہاؤ سے توڑتا تھا صاف طور پر کہتا تھا کہ پہلے مجھے لیچلو۔ اور جس طرح اس تعمیر سے جو جسم آدم علیہ السلام کیلئے تیار کیا گیا تھا ایک نور چمکتا تھا یوں ہی ان پہاڑ کے ٹکڑوں سے بھی نور چمکتا تھا گویا پتھر بے لائے والوں کے چلے آ رہے تھے اور درود دیوار اور درہرکات سے جو کہ حیات معنوی ہیں زندہ تھے۔ غرض ایک عجیب شان تھی۔ جب گفتگو حیات دیوار ہائے مسجد تک پہنچ ہوئی تو اب مولانا اس سے حیات جنت کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ جنت کی دیواریں اور دیواروں کی طرح بچان اور مری نہیں ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ان الدار الاخرۃ لہی الحیوان اس سے تمکو تعجب ہوگا مگر ہم تمہاری استعجاب کو یوں زائل کرتے ہیں کہ دیوار برائے جسم باوجود خانہ روح ہونیکے با احساس ہیں تو وہ گھر بھی زندہ ہوگا جسکا تعلق شہنشاہ حققی سے ہے پس ثابت ہوا کہ دیوار ہائے جنت زندہ ہیں اور صرف دیواریں ہی زندہ نہیں بلکہ درخت ہائے جنت اسکے میوے اور اسکا شیریں پانی سب زندہ ہیں۔ اور جنتیوں کے ساتھ ہم کلام ہونگے اور ازاں اسکا یہ ہے کہ بہشت سامان معروف سے جو کہ مردہ ہے نہیں بنی ہے بلکہ لوگوں کے اعمال و نیت سے بنی ہے اور عمارات دنیویہ تو آب و گل بے جان سے بنی ہیں اور عمارت جنت طاعت الہی سے بنی ہے جو کہ زندہ ہے اسلئے عمارت دنیویہ اپنی مثل اصل کے مشابہ ہیں اور عمارت جنت اپنی اصل سے جو کہ علم و عمل ہیں لہذا تخت محل۔ تاج اور کپڑے وغیرہ سب کے سب جنتیوں سے ہم کلام ہونگے۔ اور سوال و جواب کریں گے اور فرشتے فرشتوں کے پست جاویگا مکان بے جھاڑ و دینے والے کے صفات ہو جاویگا۔ اور اہل بہشت کا تخت بلا اٹھانے والوں کے چلیگا۔ اور زنجیر دروازہ گائیں بجائیں گے تمکو شاید خیال ہو کہ مکان بے صفات کرنے والے کے کیونکر صفات ہو جاویگا اسلئے ہم اسکو ایک نظیر سے سمجھاتے ہیں۔

دیکھو خانہ دل غم سے پریشان ہوتا ہے لیکن بلا جھار دینے والے کے محض ثواب سے صاف ہو جاتا ہے۔ اس سے تم کو معلوم ہوا ہو گا کہ دل کو جنت سے مشابہت ہے سو یہ سچ ہے اور ہمیں جنت کی سی زندگی ہے میری زبان سے یہ مضمون پوری طرح ادا نہیں ہوتا۔ پھر اسکو طویل دینے سے کیا حاصل۔ اسلئے اتنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

(ف) اس مضمون میں مولانا نے طاعت کو زندہ کہا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ اثر اور خاصہ حیات ہے اسلئے گویا کہ وہ زندہ ہی ہے۔ نیز مولانا نے فرمایا ہے کہ جنت اعمال صالحہ سے بنی ہے اور اعمال صالحہ اسکی اصل ہیں اسکی دو توجہیں ہو سکتی ہیں۔ اول یہ کہ اجزائے جنت حقیقۃً اعمال ہی ہیں مگر اختلاف اتحاد وجود سے ان کے آثار اور خصوصیات مثل جوہریت و عرضیت وغیرہ میں اختلاف ہے۔ دوم یہ کہ جنت اعمال سے بنا بر نسبت بنی ہے۔ اور چونکہ اعمال سبب بنائے جنت ہیں اسلئے گویا کہ وہ ہی اسکی اصل ہیں واللہ اعلم

اب مولانا پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب سید اقصیٰ سلیمان علیہ السلام کے اہتمام سے تمام اور مکمل ہو گئی تو جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس میں ہر صبح کے وقت لوگوں کو ہدایت کرنے اور انکو وعظ و نصیحت فرمانے جاتے تو کبھی الفاظ و عبادات سے نصیحت فرماتے اور کبھی فعل یعنی رکوع و نماز وغیرہ سے غرض کہ جیسا حالت اور موقع کے مناسب ہوتا تھا اسی طرح نصیحت فرماتے تھے۔ اب تم کو بتانا چاہئے کہ فعلی نصیحت مخلوق کو زیادہ فہم بخشتی ہے کیونکہ قوی تو صرف سننے والوں ہی کے کان میں پہنچتی ہے۔ اور فعلی کان والوں اور بہرول دونوں کو پہنچتی ہے۔ نیز ہمیں حکم کا درم نہیں ہوتا۔ لہذا متبعین پر اسکا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

شرح شبیری

شرح (حدیث) انما المؤمنون اخوة اور (قول) العلماء انفس و احدہ کی خاصہ اتحاد و او علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام اور تمام

۱۳۱
۶۵

انبیاء کا کہ اگر ایک کا منکر ہو تو سب کا انکار لازم ہے جیسے کہ
 بہت سے مکانات اس طرح ہوں کہ اگر ایک کو گرایا جائے
 تو اور سب بھی گر پڑیں اسی طرح سب انبیاء میں بھی اتحاد ہے
 کہ اگر ایک کا انکار کیا تو سب کا انکار لازم ہے جیسا کہ قرآن شریف
 میں ہے لا فرق بین احد من رسلہ اور عاقل کو تو اشارہ ہی
 کافی ہے لیکن یہاں تو قرآن شریف میں صراحت ہی بیان
 فرمادیا ہے

اس سرخی کے ذیل میں مولانا کو چونکہ اتحادِ ارجح کا بیان مقصود ہے اسلئے مولانا نے
 اسکے مناسب حدیث اور قول اور آیت لکدی ہیں۔ اب آگے قصہ بیان کرتے ہیں
 اور اسی سے اتحادِ ارجح کو ثابت فرماویں گے فرماتے ہیں کہ
 پس خطاب آدم باؤد از خدا کائے گزین پیغمبر نیک و لقا
 یعنی پھر حق تعالیٰ کی طرف سے داؤد علیہ السلام کی طرف خطاب آیا۔ کہ اے پیغمبر
 مقبول نیک خصلت۔

دل مدار اندر تفکر زین خبر رہ مدہ در دل ملال و غم مخور
 یعنی اس (مسجد بناسکے کی) خبر سے دل کو فکر مند مت کرو۔ اور دل میں ملال
 آئے دو۔ اور غم مت کھاؤ (کیونکہ)۔

گرچہ برناید بجد و زور تو لیک مسجد را بر آرد پور تو
 یعنی اگرچہ تمھاری کوشش اور زور سے یہ پوری نہوگی لیکن مسجد کو آپکے صاحبزادے
 صاحب اسکو پورا فرما دیں گے۔

گرچہ برناید بجدت این مقام لیک پور تو کند آنرا تمام
 یعنی اگرچہ تمھاری کوشش سے یہ مقام پورا نہوگا لیکن تمھارے صاحبزادے اسکو
 پورا کر دیں گے۔

کردہ او کردہ تست اے حکیم مومنان را اتصالے دان قدیم

یعنی اے حکیم اسکا کیا ہوا تمھارا ہی کیا ہوا ہے۔ اور مومنین کیلئے ایک قدیم اتصال جانو۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے داؤد (علیہ السلام) تم اس سے نکلین بڑھ کہ مسیحی تم نہ بنا سکے اسلئے کہ تم سے نہ بنی تو تمھارے صاحبزادے اسکو بناویں گے اور انکا بنانا گویا تمھارا ہی بنانا ہے لہذا غم مت کرو۔ اور شعر کردہ اولیٰ کا مصرعہ ثانیہ یعنی مومنان را اتصالے الہ سے قول مولانا کا ہے۔ کہ فرماتے ہیں کہ مومنین قدیم سے ایک اتصال ہے جس سے کہ آپس میں تعلق ہے اور اس تعلق ہی کی بنا پر یہ کہا گیا کہ انکا کرنا گویا کہ آپ ہی کا کرنا ہے۔ اور یہاں قدیم سے قدم اضافی مراد ہے قدم حقیقی مراد نہیں ہے۔ اسلئے کہ ارواح باعتبار اجسام کے قدیم ہی ہیں اگرچہ خود ہی حادث ہوں۔ آگے مولانا بہت دور تک اس اتحاد ارواح ہی کو بیان فرماتے ہیں یہ بات تو یہاں بتلا ہی دی ہے کہ مومنین کاملین کی ارواح میں ایک اتحاد پہلے سے چلا آتا ہے اب آگے فرماتے ہیں کہ

مومنان معدود لیک ایمان یکے جسم شان معدود لیک جان یکے

یعنی مومنین بہت سے ہیں لیک ایمان ایک ہے اُن کے اجسام مختلف ہیں لیکن جان ایک ہے مطلب یہ ہے کہ دیکھو مومنین جس قدر ہیں وہ خواہ کامل ہوں یا غیر کامل وہ باعتبار اجسام کے تو معدود اور جنسکت میں لیکن انکا ایمان متحد بالنع ہے علی ہذا اُن کے اجسام میں تعدد ہے لیکن انکی جان ایک ہے یعنی متحد بالنع ہے۔ ایمان اور جان میں اتحاد نوعی موجود ہے جسکو ہر شخص تسلیم کرتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

غیر فہم و جان کہ در گاؤں خرمست آدمی را عقل و جان یکہ است

یعنی علاوہ فہم اور جان کے جو کہ گاؤں خرمست ہے آدمی کیلئے عقل اور جان دوسری ہے مطلب یہ کہ دیکھو حیوانات میں تو صرف روح حیوانی مع اپنی صفات کے ہے اور انسان میں روح حیوانی مع الصفات اور اسکے علاوہ ایک روح انسانی بھی ہے۔ جو کہ اس روح حیوانی کے علاوہ ہے۔ اور اس بیان میں مولانا بتاتے ہیں کہ جان اور روح کا اطلاق کیا ہے اُس سے صفات و کمالات روح مراد لئے ہیں جیسا کہ اس شعر میں مولانا نے فہم و

جان اور عقل و جان سے اسکی طرف اشارہ کر دیا۔ کہ صرف جان مراد نہیں ہے بلکہ جان کے ساتھ فہم جو کہ صفت جان میں سے ہے مراد ہے۔ اور حضرت حکیم الامتہ نے بھی اسکا اپنی تحریریں باین الفاظ ارشاد فرمایا ہے کہ ”ہیماں روح سے مراد متعارف روح نہیں ہے الخ تو بس روح سے مراد صفات روح ہوتے۔ تو مقصود مولانا کا یہ ہوا کہ ایک تو وہ کمالات ہیں جو کہ حیوانات میں ہیں مثل اکل و شرب وغیرہ کے۔ جو کہ انکی روح کا مقتضا ہے اور ایک وہ کمالات ہیں جو کہ انسان کی روح میں پائے جاتے ہیں۔ وہ اسکے مقتضیات ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

باز غیر عقل و جان آدمی ہست جانے دینی و دہرولی

یعنی پھر علاوہ عقل اور روح انسانی کے ایک جان نبی اور ولی میں ہے مطلب یہ کہ جو صفات روح انسانی کی اندر ہوتی ہیں اور جو اسکے مقتضیات ہیں ان کے علاوہ انبیاء و اولیاء میں کچھ اور کمالات بھی ہیں جنکی وجہ سے وہ ان دیگر انسانوں سے ممتاز ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

جان حیوانی ندارد اتحاد تو مجو ایں اتحاد از روح یاد

یعنی جان حیوانی اتحاد نہیں رکھتی تم اس اتحاد کو روح بادی میں مست تلاش کرو۔ مطلب یہ کہ روح حیوانی جو کہ ایک بخار لطیف ہے اُمیں تم اور کمالات کو مست تلاش کرو کہ جسکی وجہ سے یہ اتحاد ان میں ہے کہ اُن کے اغراض و مقاصد باہم متحد ہیں ان اغراض کا اتحاد اسی وجہ سے ہے کہ اُن کے اندر ایسے کمالات ہیں جو اس امر کو مقتضی ہیں اور روح بادی یعنی حیوانی میں وہ کمالات نہیں ہیں جنکی وجہ سے انکی اغراض میں اور اُن کے مقاصد میں تغائر و تزاوج ہے بس اسکو مولانا نے اتحاد روح سے تعبیر فرمایا ہے تو گویا کہ یہ کہا جائے کہ اس سے مراد اتحاد عرفی ہے آگے اسکے تائیدات بیان فرماتے ہیں کہ۔

گر خرد و ایں نان خرد و سیراں در کشد بار ایں نگر و دواں گراں

یعنی اگر یہ روٹی کھاوے تو وہ سیر نہیں ہوتی اور اگر یہ باکھینچے تو وہ گراں نہیں ہوتی مطلب یہ ہے کہ اس روح بادی اور حیوانی میں تو اسدر وجہ تخالف اور تزاوج ہے اور انکے اغراض

اس قدر متفاوت ہیں کہ ایک پر اگر کلفت ہے تو دوسرے کی پرواہ نہیں ہے اور اگر اس کو راحت ہے تو دوسرے کو کوئی خوشی نہیں ہے آگے اس سے بھی ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

بلکہ میں مشاوی کند از مرگ او وز حسد میر و چو بیند برگ او

یعنی بلکہ اس کے مرنے سے یہ خوشی کرتی ہے اور اگر اس کا ساز و سامان دیکھے تو حسد سے مری جاتی ہے مطلب یہ کہ ان کا مخالف اور تضاد تو اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ ایک کی راحت کو دوسرا دیکھ نہیں سکتا۔ اگر ایک راحت میں ہے تو دوسرے کی کوئی خوشی ہے ہاں اگر اس کو تکلیف ہو تو وہ خوش ہیں اور جو اولیاء اللہ ہیں ان کو دوسرے کی تکلیف سے تکلیف اور اس کی راحت سے راحت ہوتی ہے۔ تو اس کی وجہ وہی کمال ہے کہ اس کمال نے انکی اغراض کو متحد کر دیا ہے اور اس وجہ سے انہیں مخالف اور تضاد نہیں ہوتا آگے فرماتے ہیں کہ۔

جان اگرگان و سرگان ہر یک جداست متحد جاہلہائے شیران خداست

یعنی بھیر یوں اور کتوں کی ہر ایک کی جان جدا ہے۔ اور شیران خدا کی جانیں سب متحد ہیں (اتحاد سے وہی اتحاد اغراض مراد ہے) مطلب یہ کہ شیر و کتوں کی ارواح سب متحد بالنوع ہوتی ہیں اور کتوں اور بھیر یوں کی ارواح مختلف ہوتی ہیں لہذا غیر مقبولین جو کہ کتوں وغیرہ کی طرح ہیں انکی ارواح میں تو مخالفت ہے اور اولیاء اللہ جو کہ مانند شیروں کے ہیں انکی ارواح میں اتحاد ہے یہاں بظاہر ایک شبہ واقع ہوتا ہے آگے اس کا جواب فرماتے ہیں شبہ یہ ہوا کہ جب اولیاء کی ارواح متحد ہیں تو پھر تم نے انکو جمع سے کیوں تعبیر کیا۔ کہ یوں کہا کہ متحد جاہلہائے شیران خدا تو جاہلہائے کیوں کہا۔ جان کیونکہ کہا آگے اسی کا جواب یہ ہے کہ جمع گفتہ جاہلہا شان من بایم کان یکے جان صد بونہنست جسم

یعنی میں نے انکی جانوں کو نام کے اعتبار سے جمع کیا کہ وہ ایک جان پر نسبت جسم کے سو ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ وہ جان جو کہ متحد فی النوع ہے باعتبار شخصات کے مختلف و متعدد ہوتی ہے اسلئے ظاہر کے اعتبار سے میں نے جمع کیا ورنہ اصل میں تو متحد ہی ہیں اور ان کے اغراض و مقاصد بالکل متحد ہی ہیں آگے اسکی کہ اصل میں ایک روز ظاہر میں متعدد ہوں ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

پہچو آں یک نور خورشید سما صد بود نسبت لصحن خانہا۔
 یعنی اُس آسمان والے ایک خورشید کی طرح کہ وہ گہروں کے صحنوں کی نسبت سے سیکڑوں
 ہوتے ہیں مطلب یہ کہ دیکھو نور خورشید حالانکہ ایک ہی ہے اور ہمیں تعدد نہیں ہو لیکن
 چونکہ مختلف المکثیں پڑتا ہے اور اُن المکنہ کے تعدد صورت کی وجہ سے ہمیں تعدد آگیا ہے
 لیکن حقیقت میں وہ واحد ہے۔ اور اُسکے اندر اتحاد ہی ہے بس اسی طرح اگرچہ شخصیات
 جسمانیہ مختلف ہوں اور ان شخصیات کی وجہ سے تعدد آجاءوے لیکن روح اصل میں
 متحد بالنوع ہے اُسکے اندر ان شخصیات کے تعدد سے کوئی تعدد نہیں آگیا خوب سمجھو
 اسی کو آگے خود بیان فرماتے ہیں کہ

لیک یک باشند ہلہ انوارشال چونکہ بہ گیری تو دیوار از میاں
 یعنی لیکن اُن سب کے انوار ایک ہی ہوتے ہیں جبکہ تم دیوار کو درمیاں سے ہٹا لو
 مطلب یہ کہ نور میں جو تعدد پیدا ہوا ہے تو اُن المکنہ کی وجہ سے اور اُن حجابات کی وجہ
 سے ہو گیا ہے ورنہ اگر اُن مکانوں کو الگ کر دو اور حجابات ہٹا دو تو تمام نور بھر ایک ہے
 اہمیں کوئی بھی فرق نہیں ہے۔

چوں نما نہ خانہا را قاعدہ مومنان باشند نفس واحدہ
 یعنی جب گہروں کی بنیاد نہ رہے تو مومنین سب نفس واحدہ ہو جاویں مطلب یہ کہ جسم
 نہ رہیں اور شخصیات زائل ہو جاویں تو تمام مومنین باعتبار صفات و اغراض ایک ہی جاویں
 اور کوئی فرق باہمی نہ ہو آگے فرماتے ہیں کہ۔

فرق و اشکالات آید زیر مقال لیک ہو مثل این باشند مثال
 یعنی اس کثرت سے بہت سے فرق اور اشکالات واقع ہوتے ہیں لیکن مثال نہیں ہے
 یہ مثال ہے مطلب یہ کہ ہم نے جو کمالات کے اتحاد عرفی اور تعدد شخصی کو آفتاب کے
 اتحاد اور تعدد سے مثال دی ہے اس سے لوگوں کو شبہ ہوگا کہ جس طرح آفتاب میں اتحاد
 حقیقی ہے اسی طرح کمالات میں بھی اتحاد حقیقی ہے اور جس طرح آفتاب کے یہ سب اجزاء
 تحلیلہ ہیں اسی طرح انسان کے یہی یہ سب اجزاء تحلیلہ ہوں تو فرماتے ہیں کہ یہ نہیں ہے اسلئے

کہ کمال تو کوئی مرکب نہیں ہے جس سے اجزاء تحلیل شدہ نکل سکیں بلکہ یہ تو ہم نے مثال کے طور پر کہہ دیا ہے جس میں مشبہ اور مشبہ بہ کا من کل الوجوہ متحد ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر کسی ایک صفت میں بھی اتحاد ہے تو اس سے تشبیہ دے سکتے ہیں ہاں مثال میں یہ بات ہے کہ جب یہ کہا جاوے کہ فلاں شے فلاں کے مثل (مکسہ المہیم) ہے اس وقت اس کا من کل الوجوہ مثل ہونا ضروری ہے تو یہ مثال ہے مثل نہیں ہے خوب سمجھ لو۔ اس مقام کی تقریر بھی حضرت قبلہ عظیم الائمہ دام ظلہم نے خود تحریر فرما کر عنایت فرمائی ہے جسکو ذیل میں ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ دھو ہڈا۔

قولہ فرق و اشتکالات الہ۔ اشکال یہ ہے کہ نور خورشید تو واحد بال شخص ہے۔ اور اسکے یہ قطعات اسکے اجزاء تحلیل شدہ ہیں بخلاف کمال مقبولین کے کہ وہ واحد بال شخص ہیں اور یہ اسکے افراد اسکے اجزاء تحلیل شدہ ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ مثال ہے محال نہیں و تشبیہ مطلق عدم مخالف ہے کو ایک جگہ اسکا تحقق و وحدۃ شخصیت کے ضمن میں ہوا اور دوسری جگہ اتحاد اعراض میں انتہی بلفظہ۔ آگے ایک اور مثال سے اس امر کو بتاتے ہیں کہ دیکھو مثال میں من کل الوجوہ مشابہت ضروری نہیں فرماتے ہیں کہ۔

فرق ما بجد بود از شخص شیر تا بہ شخص آدمی زاد دلیر

یعنی شیر کے جسم میں اور آدمی زاد دلیر کے جسم میں بجد فرق ہوتے ہیں۔

لیک در وقت مثال و خوش نظر اتحاد از روئے جان بازی نگر

یعنی لیکن اسے خوش نظر مثال کے وقت اتحاد جان بازی کی حیثیت سے دیکھو۔

کان دلیر آخر مثال شیر بود نیست مثل شیر در جلد جدو

یعنی کہ وہ دلیر آخر شیر کی مثال تھا نہ کہ تمام حدود میں اسکے مثل تھا۔ مطلب یہ ہے دیکھو

ہوتے ہیں کہ فلاں شخص تو بالکل شیر ہے۔ حالانکہ کہاں شیر اور کہاں آدمی زمین و

آسمان کا فرق مگر بولتے ہیں تو مراد صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ دلیری میں شیر کی طرح ہے

باقی صفات مثل درندگی وغیرہ میں یا صورت میں اسکے مثل نہیں ہے تو اسی طرح

ہیاں بھی مثال ہے کہ آپس کے مخالف اور تضاد کو مثال دینا منظور ہے۔ اگرچہ

تمام صفات میں تشابہ نہیں ہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

متحد نقشے ندارد این سرا تاکہ مشعلے و انما یمن من ترا

یعنی یہ عالم کوئی نقش متحد نہیں رکھتا تاکہ میں تمکو کوئی مثل دکھلا دوں۔ مطلب یہ کہ اس جہان میں کوئی ایسی شے نہیں ہے کہ جو بالکل اسی کی طرح اور اسکی مثل ہو اور میں تمکو اسکو کہ دوں کہ اُن قلوب کا علین میں کمالات کی وجہ سے ایسا اتحاد ہے جیسا کہ فلاں شے میں ہے لہذا اُسکا اتحاد مثالوں ہی سے بیان کیا جاوے گا لیکن۔

ہم مثال ناقصہ دستم تاز حیرانی خرد را و احزم

یعنی ایک ناقص مثال ہی لاتا ہوں تاکہ عقل کو حیرانی سے چھڑاؤں۔ مطلب یہ کہ اُس اتحاد کی کوئی شے مماثل تو ہے نہیں اسلئے ایک مثال ہے جو کہ اُسکے سامنے بالکل ناقص ہے بیان کرتا ہوں۔ کہ اُس سے تمھاری عقل کی حیرانی کچھ تو کم ہو۔ اور تم کچھ سمجھو تو آگے روح حیوانی کی مثال بیان کرتے ہیں کہ۔

شب بہر خانہ چراغی نمی نند تابنور آن ز ظلمت و ابرہند

یعنی رات کو ہر گھر میں ایک چراغ رکھتے ہیں تاکہ اُسکے نور کی وجہ سے اندھیرے سے چھوٹیں۔

آن چراغ این تنج و نور شمع جہاں ہست محتاج فقیل این و آن

یعنی وہ چراغ تو یہ بدن ہے اور اُسکا نور جہان کی طرح ہے اور وہ اسلئے اور اُس کے فقیلہ کا محتاج ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو رات گھر گھر میں چراغ جلاتے ہیں تاکہ روشنی ہو لیکن وہ چراغ اسکا محتاج ہوتا ہے کہ آئیں بتی ہو تیل ہو۔ تب وہ جلتا ہے اور نور دیتا ہے۔ ورنہ گل ہو جاتا ہے۔ تو اسی طرح روح حیوانی جو کہ حقیقت میں ایک بجا لطیف ہے جب تک اسکو کھانا پینا ملتا رہے اسوقت تک توڑ پھٹی ہے اور جہاں یہ بند ہوا اور وہ فنا ہوئی۔

واں فقیلہ پنج دارد از حواس جملگی بر خواب و خوردار داس

یعنی وہ حواس کی پانچ بتیاں رکھتی ہے جو کہ سب کے سب خواب و خور پر بنیاد رکھتی ہیں۔

مطلب یہ کہ جسطرح کہ چرغ ہوتے ہیں کہ ہر ایک خود غرض ہوتا ہے اسکو دوسرے کی خواہ
نہیں ہوتی۔ اسی طرح روح حیوانی کی اغراض علیحدہ علیحدہ ہیں ہر ایک ڈیڑھ ٹھنٹ
کی مسجد الگ بنائے ہوئے ہے۔ ایک کی غرض کچھ ہے اور دوسرے کی کچھ ہے چونکہ
اوپر چراغوں اور روح حیوانی کے دو وصف بیان کئے تھے ایک تو انکا فخلج ایسا
ہونا اور دوسرا انکا عدم بقا تو اگرچہ یہاں مقصود تو دو وصف اول ہے لیکن صفت
ثانی یعنی عدم بقا کو بھی استطراداً بیان فرماتے لگے اصل مقصود مقام تو یہاں ختم
ہو گیا آگے مضمون استطرادی ہے۔

بخور و بے خواب نزدیکیم یا خور و با خواب نزدیکیم
یعنی بے خواب و خور کے تو ایک گھڑی ہی زندہ نہیں رہ سکتی (لیکن) خواب و خور
کے ساتھ بھی (ہمیشہ کیلئے) زندہ نہیں رہ سکتی (خواب و خور سے مراد ستہ ضروریہ)
مطلب یہ کہ ان چیزوں کے نہوتے سے تو وہ فنا ہو ہی جاتی ہے لیکن باوجود ان اشیا
کے مہوتے کے بھی اسکو بقا ابدی نہیں ہے۔ بلکہ جب بھی فانی ہی ہے۔ جیسا کہ۔

بے فیتلہ و روغنش نہو بقا یا فیتلہ و روغن او ہم بیوفا
یعنی بے فیتلہ اور تیل کے اسکو بقا نہیں ہے اور بے فیتلہ اور تیل کے بھی وہ بیوفا
مطلب یہ کہ جیسا کہ چرغ کہ اگر آئیں تیل بتی ہو تب بھی وہ ایک وقت مقرر کے بجگل کر دیا
جاتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے اور اگر تیل بتی نہو تب تو اسکو بقا ہے ہی نہیں۔

زانکہ نور علتی اش مرگ جوت چوں زید کہ روز روشن مرگ است
یعنی اسلئے کہ نور ضعیف اسکا موت کا متلاشی ہے تو وہ کیونکر جئے کہ روز روشن اسکی
موت ہے مطلب یہ کہ چرغ کا نور جو کہ ایک نور ضعیف ہو وہ بھلا کس طرح زندہ رہ سکتا ہے
جبکہ روز روشن آویگا تو اسکو تو عادی موت آ ہی جاوے گی اور وہ فنا کر ہی دیا جاوے گا۔
بھلا وہ نور ضعیف اس نور روز کے آگے کب ٹھیر سکتا ہے۔

جملہ سہائی بشر ہم بے بقا است زانکہ پیش نور روز حشر لا است
یعنی تمام جو اس بشری بھی بے بقا ہیں اسلئے کہ روز حشر کے نور کے آگے سب فانی ہیں

مطلب یہ کہ روح حیوانی کو بقا ابدی نہیں ہے۔ بلکہ وہ فانی ہے کیونکہ قیامت کو روز تو جو عذاب و ثواب ہو گا وہ منہ پر ہو گا۔ اسلئے اوس روح حیوانی کی حاجت نہ رہی اور جیسے کہ چراغ کی قریب صبح حاجت نہیں رہتی اسلئے اسکو پہلے ہی گل کر دیا گیا ہے۔ بس اسی طرح روح حیوانی کو بھی حشر پیا ہونے سے پہلے ہی یعنی موت کیساتھ ہی فنا کر دیتے ہیں کیونکہ وہاں اسکا کوئی کام ہی نہیں ہے۔ پھر اسکو اسوقت کیلئے کیوں رکھا جاوے اب یہاں چونکہ روح حیوانی کے عدم بقا کو استطراداً بیان کیا تھا تو آگے اسی مناسبت سے روح انسانی کے بقا کو بھی استطراداً بیان کرتے ہیں کہ نور حسن و جان ناپایاں با نیست کلی فانی ولا چوں کیا

یعنی ہمارا نور حسن اور جان ناپاں بالکلیہ فانی اور نیست کھاس کی طرح نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ روح حیوانی موت سے فنا ہو جاتی ہے روح انسانی موت سے فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ اسکو بقا ابدی حاصل ہے جیسا کہ اکثر صوفیہ اور بعض علماء ظاہر اس طرف گئے ہیں کہ خلق الانسان للابد یعنی انسان ابدی ہے ہاں ازلی ابدی نہیں ہے۔ بلکہ صرف ابدی ہے اس میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا تو روح انسانی کو موت سے فنا نہیں۔ یہاں یہ شبہ ہو کہ اگر روح انسانی موت سے فنا نہیں ہوتی اسکے آثار دنیا میں کیوں ظاہر نہیں ہوتے۔ تو جواب اسکا یہ ہے کہ چونکہ روح انسانی خواہ وہ کافر کی ہو یا مومن کی (کیونکہ روح انسانی سب میں ہوتی ہے) موت کے بعد تجلیات جلالیہ سے (جیکہ وہ روح مومن ہو) اور تجلیات جلالیہ سے (جیکہ وہ روح کافر ہو) مغلوب ہو جاتی ہے اسلئے اسکے آثار دنیا میں سے مٹ جاتے ہیں اور آثار ظاہر نہیں ہوتے۔ آگے تین مثالوں سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

لیک مانند ستارہ و آفتاب جملہ محو انداز شعاع آفتاب

یعنی لیکن ستارہ اور آفتاب کی طرح کہ شعاع آفتاب کی وجہ سے محو ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ ستارے آفتاب کے نکلنے کے وقت منطس ہو جاتے ہیں۔ کہ ان کے آثار مثل نور وغیرہ کے کچھ باقی نہیں رہتے۔ اسی طرح روح انسانی کے آثار بھی موت کے بعد

منطس ہو جاتے ہیں اور دوسری اشیاء کا (یعنی تجلیات کا) غلبہ سہ ہو جاتا ہے تو وہ مثل فانی کو معلوم ہوتی ہے اسی کی ایک دوسری مثال دیتے ہیں کہ۔

آنچنانکہ سوز و درد و زخم کیلک محو گرد و جوں در آید مار الیک
یعنی جسطح کہ درد اور سوز و زخم کی محو ہو جاتی ہے جبکہ تمھاری طرف سانپ آئے
مطلب یہ کہ ایک شخص کے پیوٹے کاٹ لیا تھا اسکی تکلیف ہو رہی تھی اور اس میں درد اور
جلن ہو رہی تھی کہ اسی شخص کے سانپ نے کاٹ لیا۔ تو اب باوجودیکہ پیوٹے کاٹنے کی بھی
تکلیف تو ہے لیکن اس سانپ کے کاٹنے کے سامنے وہ اس قدر ہچ ہے کہ گویا نہیں ہے
اسی طرح روح انسانی بوجہ غلبہ تجلیات کے باوجود موجود ہونیکے اس قدر مغلوب ہوتی ہے
گویا کہ بالکلیہ فانی ہے آگے تیسری مثال دیتے ہیں کہ۔

آنچنانکہ عور اندر آب حست تا در آب از زخم رہ نوران بہت
یعنی جسطح کوئی ننگا پانی میں کودا یہاں تک کہ پانی میں بھرنیکے زخم سے چھوٹا مطلب
یہ کہ کوئی شخص پانی میں کود جاوے تو حالانکہ وہ موجود ہے لیکن بظاہر معدوم ہی رہتا
روح انسانی کی بعد الموت ہو جاتی ہے۔ اصل مقصود مثال تو یہاں ختم ہو گیا آگے استطراداً
تتبع مثال کیلئے دو سکر مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ کوئی کو دتا ہے تو اسلئے کو داکرتا ہے بس
وجہ سے مصرعہ ثانی میں اسکی حالت کو بیان فرمانے لگے۔

می کند ز بہر بر بالا طواف چوں بر آرد سر ندر اندش معاش
یعنی بھڑیں اوپر گھوم رہی ہیں جوں ہی وہ سر نکالے تو اسکو معاش نہ رکھیں گی مطلب
یہ کہ کسی برہمنہ کو بھڑیں پٹ گئیں تو وہ ان کے ڈر کے مارے پانی میں کود جاوے تاکہ ان کے
کاٹنے سے چھوٹے تو وہ بھڑیں اوپر ہی گھومتی رہتی ہیں اور اس نے ذرا سر ابھارا اور انھوں
ڈنک لگایا۔ اس سے مولانا کا ذہن ایک مضمون ارشادی کی طرف منتقل ہو گیا۔ آگے اسی کو
بیان فرماتے ہیں۔

آب ذکر حق و زہر نوران ماں بہت یاد ایں فلاں آن فلاں
یعنی پانی تو ذکر حق ہے اور زہر نوران اسکی اور اس کی یاد ہے مطلب یہ کہ جسطح کوئی

اس شخص کو زبوروں سے بچالیا اسی طرح اگر تو ذکر حق شروع کر دلیگا تو وہ ذکر حق تجھے دوساں
و خیالات شیطانی سے بچالے گا۔ اسی کو خود فرماتے ہیں کہ۔

دم بخور در آب ذکر و صبر کن تارہی از فکر و وسوساں کہن
یعنی آب ذکر میں غوطہ لگا اور صبر کرتا کہ تو فکر اور وسوساں کہن سے چھوٹ جائے مطلب
یہ کہ اوپر اوپر کے قصوں کو چھوڑ کر تم ذکر حق میں مشغول ہو جاؤ۔ تو پھر تم وسوساں سے بچ جاؤ۔
بعد ازاں تو طبع آل آب صفا خود بگیری جملگی سرتابیا

یعنی اسکے بعد تو اس آب صفا کی طبیعت خود سرتابا لے لو گے۔ مطلب یہ کہ پھر جب
ذکر تمھارے اندر سرایت کر جاوے گا تو تم کو پھر اس ذکر متعارف کی ضرورت بھی نہ رہے گی
بلکہ تمھارے اندر ایک ایسی بات پیدا ہو جاوے گی اور ذکر اس طرح سرایت کر جاوے گا کہ اس
ذکر متعارف کی نیکو ضرورت نہ رہے گی جیسا کہ کاملین میں مشاہد ہے کہ بعد کمال نیکو کثرت
ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ بلکہ یہ حالت ہو جاتی ہے۔

آنجناں کر آب آل زبور شرعی گریز از توہم گیر و حذر
یعنی جس طرح کہ وہ زبور شرعیانی سے بھاگتی ہے تجھے بھی پرہیز کر لگی۔ مطلب یہ ہے
کہ جب تم ذکر حق میں مشغول ہو گے اور اس میں لگ جاؤ گے تو پھر تم خود متصف بہ صفات
حق ہو جاؤ گے۔ اور تمھاری شان نبی صبیح اور نبی مبصر کی ہو جاوے گی اور جسطح کہ شیطان ذکر
حق سے بھاگتا تھا خود تمھاری ذات سے بھاگنے لگے گا جیسا کہ حدیث میں ہے
کہ ان الشیطان یفر من ظل عمر (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے)
تو اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ اُنکو وہ درجہ کمال حاصل ہو گیا تھا جسکی وجہ سے وہ متصف
بصفات حق ہو گئے تھے۔ اور شیطان خود انکی ذات سے بھاگنے لگا تھا۔ اگر فرماتے ہیں کہ

بعد ازاں ہماری تو دور از آب و آتش کہ ہسم طبع آبی خواجہ تاش
یعنی اسکے بعد اگر تو چاہے تو پانی سے دور رہ کیونکہ باطن میں تو تو ہی ہم طبع آب ہے۔ اے
خواجہ تاش مطلب یہ کہ جب یہ حالت ہو جاوے اور ذکر رگ و پے میں سرایت کر جاوے
تو اسکے بعد اگر چاہو تو ذکر متعارف کو ترک کر دو تب بھی کوئی حرج نہیں ہے خود تمھاری ذات

دہی ہو گا جو کہ ذکر سے ہوتا تھا۔ یعنی شیطان بھانگنے لگے گا آگے بھڑو ہے روح انسانی کے بقا کے مضمون کی طرف فرماتے ہیں کہ۔

بس کسانے کہ جہاں بگڑا شہ اند لا نیند و در صفات آغشته اند
یعنی بہت سے لوگ جو کہ اس جہاں سے گزر گئے ہیں معدوم نہیں ہیں (بلکہ صفات میں مل گئے ہیں۔)

در صفات حق صفات جملہ شان ہیچو اختر پیش آن خوبے نشان
یعنی صفات حق میں ان سبکی صفات ستارہ کی طرح اس خود شید کے سامنے نشان ہیں مطلب یہ کہ جو حضرات بظاہر دنیا سے گزر گئے ہیں وہ معدوم نہیں ہیں بلکہ آخر صفات حق کا غلبہ ہو گیا ہے اور وہ ہمیں مغلوب ہو گئے ہیں کہ ان کے آثار ظاہر دنیا میں نہیں رہے۔ ورنہ وہ معدوم نہیں بلکہ موجود ہیں جیسا کہ خورشید کے نور کے آگے نور آخر کا بعد ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو اس سے پہلے ہی بیان فرما چکے ہیں ہائیک تو کشف کے ذریعہ سے اس کو بیان فرمایا تھا آگے ایک نقلی دلیل اس کی لاتے ہیں کہ۔

گزر قرآن نقل خواہی ای حروں خواں جمیع ہم لدینا محضوں
یعنی اے سرکش اگر قرآن سے نقل کی ضرورت ہو تو ہم لدینا محضوں کو پڑھ لو۔
محضوں معدوم ہونے کی ہیں تابقاے زوہما دانی یقین

یعنی جو معدوم ہوتے ہیں وہ محضوں نہیں ہوتے۔ خوب دیکھ لو تاکہ ارواح کے بقا کو یقیناً جان لو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو دلیل نقلی کی ضرورت ہو تو دیکھو قرآن شریف میں ہے کہ جمیع لدینا محضوں کہ سب ہمارے پاس جمع ہونگے تو بھلا جو معدوم ہوتے ہیں وہ حاضر کیسے ہو سکتے ہیں اسلئے معلوم ہوا کہ انکی ارواح معدوم نہیں جب تو وہاں حاضر ہونگے۔ مگر چونکہ روح انسانی کفار و مسلمین سب میں ہوتی ہے اور سبکی ارواح تجلیات میں مغلوب ہیں صرف فرق اس قدر ہے کہ کفار کی ارواح پر تجلیاتِ جلالیہ ہونگی اور مومنین کی ارواح پر تجلیاتِ جمالیہ ہونگے اسلئے مولانا نے آگے روح کی قسمیں کیں اور دونوں کے احکام بیان فرماتے ہیں کہ۔

روح محبوبہ از بقا میں در حجاب روح واصل در بقا پاک از حجاب
یعنی روح محبوب (کافر) تو اپنی بقائی وجہ سے حجاب میں ہے اور روح واصل بقا میں حجاب
سے پاک ہو مطلب کہ کفار کی ارواح انسانیت ہی باقی ہیں اور مومنین کی بھی لیکن کفار
کی ارواح اُس بقا ہی کی وجہ سے عذاب بھگت رہی ہیں اور مومنین کی ارواح اُس بقا
ہی کی وجہ سے عیش میں ہیں اگر اہل مصل مقصود یعنی روح حیوانی کے عدم اتحاد کی طرف عود
ہے فرماتے ہیں کہ۔

زین چراغ حسن حیوان المراد گفتنت ہاں تا بخوئی اتحاد
یعنی اہل مصل اس حسن حیوانی کے چراغ سے میں نے تم سے کہہ دیا کہ تم اتحاد کے متلاشی مت
رہنا مطلب یہ کہ میں نے تمکو بتا دیا ہے کہ تم ہرگز ہرگز روح حیوانی میں اتحاد کے امید پر
مت رہنا انہیں ہرگز اتحاد نہ ہوگا۔ بس جب یہ بات ہے تو آگے اس پر تفریع فرماتے ہیں۔
روح خود را متصل کن بے فداں زود با ارواح قدس سالکان

یعنی اس شخص اپنی روح کو جلدی سے سالکین کی ارواح مقدسہ کیساتھ متصل کر دے
مطلب یہ کہ تم اپنی روح انسانی کو جو کہ بوجہ ابتلاء روح حیوانی کے روح حیوانی ہی کے
حکم میں موجود ہے سالکین کی روح کیساتھ متصل کر دو۔ تاکہ وہ بھی سالکین کی روح کے
اوصاف کیساتھ متصف ہو جاوے۔ آگے پھر روح حیوانی کی مثال کی تقریر فرماتے ہیں کہ

صد چراغ است از مرندار نیستند بس جدا بند و یگانہ نیستند
یعنی سو چراغ اگر مر میں اور اگر قائم ہوں تو وہ جدا ہیں اور ایک نہیں ہیں مطلب یہ کہ اگر
تمہارے سیکڑوں چراغ نہ ہوں وہ خواہ گل ہوں اور خواہ جلتے رہیں وہ سارے کو سارے
جدا ہی ہیں ایک تو نہیں ہیں بس اسی طرح سے ارواح حیوانیت خواہ وہ زندہ رہیں یا
مردہ ہوں انہیں اتحاد نہیں ہو سکتا۔

زراں ہمہ جنگند این صحابیا جنگ کس شتید اندر اینبیا
یعنی اسی لئے ہمارے لوگ لڑائی میں ہیں اور کسی نے انبیاء علیہ السلام
میں لڑائی نہیں شنی۔

زانکہ نور انبیا خورشید بود نور حسن چراغ و شمع و دود
یعنی اسلئے کہ انبیا علیہ السلام کا نور تو خورشید تھا اور ہمارا نور حسن چراغ اور شمع اور دود
تھا مطلب یہ کہ اسی عدم اتحاد کی وجہ سے غیر کاملین اور غیر مقبولین میں ہمیشہ اختلاف
رہتا ہے اور ہمیشہ لڑتے ہی رہتے ہیں لیکن انبیا میں کبھی لڑائی نہیں ہوتی کیونکہ انکی
مثال تو خورشید جیسی ہے کہ اسکا نور متحد ہے۔ اسمیں اختلاف نہیں ہے اور ہمارا نور
چراغ جیسا ہے کہ جسمیں بالکل اختلاف ہے جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ۔

ایک بمیر و ایک پماند تا بروز یک بود پڑ مردہ و دیگر با فروز
یعنی ایک مرنے والا ہے اور ایک دن تک رہتا ہے اور ایک پڑ مردہ ہوتا ہے اور دوسرا
بارونق رہتا ہے مطلب یہ کہ چراغوں کے اختلاف کی اور تزامن کی یہ حالت ہے کہ
ایک روشن ہے ایک گل ہے ایک ٹٹھار ہوا ہے ایک بالکل گل ہو گیا ہے لیکن شمس
میں یہ بات نہیں ہے بلکہ اسکا نور ہمیشہ اور ہر جگہ بکریاں ہے اگر ہے تو سب جگہ ہے
اور اگر نہیں ہے تو کہیں بھی نہیں ہے۔

جان حیوانی بود جو از غذے ہم بمیرد او بہر نیک و بی
یعنی جان حیوانی تو کھانے سے زندہ رہتی ہے اور وہ ہر ایک نیک و بد سے مر بھی
جاتی ہے مطلب یہ کہ یہ سب تو خود غرض ہیں ہر ایک کا کھانا پینا اور غذا الگ ہو جیسا
کہ چراغوں میں سبکی غذا اور تیل بتی الگ الگ ہے۔ اور یہ حالت ہے کہ۔

گر بمیرد ایں چراغ و طے شود خانہ ہمت اے مظلم کے شود
یعنی اگر یہ چراغ مر جاوے اور طے ہو جاوے تو ہمت اے کا گھر اند بہر ایک ہوتا ہے مطلب
کہ اگر ایک گل ہو گیا تو دوسرا روشن ہے انہیں بوجہ تزامن کے یہ تو ہے نہیں کہ ایک گل
ہو تو دوسرا بھی گل ہی ہو جاوے۔

نور آن خانہ چہ بے این ہم بیات پس چراغ حسن بہر خانہ جدت
یعنی اس گھر کا نور جو بے اسکے بھی موجود ہے تو چراغ حسن بہر گھر کا جدا ہے مطلب یہ کہ
جب باوجود ایک کے گل ہو جانے کے بھی دوسرا نور موجود ہے تو معلوم ہوا کہ ہر گھر کا

چراغ الگ الگ ہے۔ اور ہر ایک کے نور میں تزامن ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ایں مثال جان حیوانے بود نے مثال جان ربانے بود

یعنی یہ جان حیوانی کی مثال ہوتی ہے نہ کہ جان ربانی کی مثال ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ چراغ کی مثال جان حیوانی کی مثال ہے ورنہ جان ربانی اسی نہیں ہوتی بلکہ اس میں تواحد ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ آگے ایک اور مثال اس اتحاد کی دیتے ہیں کہ۔

بات از ہندوئے شب چون ماہ زاد بر سر ہر روز نے نوے فدا

یعنی پھر ہندوئے شب کے جو چاند پیدا ہوا تو ہر روز نیا ایک نور پڑا۔ رات کو بوجہ تاریکی کے ہندو کیبتے ہیں) مطلب یہ کہ لو پھر اور ایک بات سنو کہ جب رات کو چاند نکلا تو اس کا نور ہر جگہ پڑا۔

نور اں صد خانہ را تو یک شمر کہ مانند نور ایں بے آن دگر مطلب
یعنی اُس سو گھروں کے نور کو تم ایک ہی گنو کیونکہ اس کا نور اس کے بغیر نہیں رہتا۔ مطلب یہ کہ چاند کا نور جو سب چیزوں پر پڑا ہے اور وہ بظاہر کئی نور معلوم ہوتے ہیں تم اُن کو کئی مت جانو بلکہ وہ غایت اتحاد کی وجہ سے ایک ہی نور ہے۔ جسکی دلیل یہ ہے کہ اگر ایک جگہ کا نور جاتا رہے تو فوراً دوسری جگہ کا بھی جاتا رہتا ہے جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ یہ سب ایک ہی تھے۔ اس مثال کا بھی حاصل وہی ہے جو اوپر گذرا آگے پھر اُسی مثال خورشید کو پھر بیان فرماتے ہیں کہ۔

تا بود خورشید تاباں بر افق ہست در ہر خانہ نور اوقفت

یعنی جب تک کہ خورشید تاباں آفتاب پر ہوتا ہے اس کا نور ہر گھر میں ممان ہوتا ہے یعنی ہر جگہ اس کا نور یکساں پڑتا ہے آگے تقسیم مثال کیلئے اسکو بیان کرتے ہیں کہ ج طرح طلوع نور کے وقت اتحاد ہے اسی طرح اسکے غروب میں ہی اتحاد ہے کہ جب غروب ہوتا ہے تو اس وقت ہی بظاہر ہی سے غروب ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون محض استطراد و تہیما للمثال بیان فرماتے ہیں۔

باز چون خورشید جان آفل شود نور جمیع خانہ از آفل شود
یعنی پھر جب خورشید جان غروب ہو جاتا ہے تو تمام گہروں کا زائل ہو جاتا ہے (اس سے پہلے چونکہ جان کو خورشید سے مثال دی تھی تو اب خورشید کو جان سے مثال دیدی کہ جب تشابہ دونوں طرف سے ہے تو ظاہر ہے کہ خورشید جان کی طرح تو جان خورشید کی طرح ہوگی تو یہاں غایت تشابہ کی وجہ سے خورشید کو جان سے تشبیہ دیدی) مطلب یہ کہ وہ خورشید جو کہ جان کی طرح ہے جب غروب ہو جاتا ہے تو ایک دم سے سب گہروں میں نور جاتا رہتا ہے اب یہاں فلسفی شخص کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جب جان کو خورشید سے مثال دی اور خورشید نور بالذات ہے اور مستقل ہے تو روح بھی مستقل ہوئی اور قدیم ہوئی جیسا کہ اسکا مذہب کہہ تو اس سے اسکو مہارامل سکتا تھا آگے اسکا رد فرماتے ہیں کہ۔

اس مثال نو بآید مثال نے ' مر ترا ہادی عدد و راہزنے
یعنی یہ نور کی مثال ہے مثال نہیں ہے اور مختار سے لئے تو ہادی ہے اور عدد کیلئے ترنگ مطلب یہ کہ بیشل تو ہے نہیں صرف مثال ہے جو شخص کہ تابع وحی ہے اسکے لئے تو ہادی ہے کہ اسکو صرف مثال سمجھ کر روح کو حادث بالذات والزمان سمجھے گا اور جو دشمن دین اور غیر تابع وحی ہے وہ اسکو مثل سمجھ کر اس سے روح کو قدیم سمجھیکا اور گمراہ ہوگا۔ اس دشمن دین کی یہ حالت ہے کہ۔

بر مثال عنکیوت آں زشت خو پردہاے گندہ را بر باد او
یعنی مکرری کی طرح وہ زشت خو گندے پردے بن رہا ہے مطلب یہ کہ جس طرح کہ مکرری اپنے لعاب سے جالابنائی ہے کہ وہ مجید کمزور اور گندہ ہوتا ہے اسی طرح یہ فلسفی گندی باتیں کہہ رہا ہے۔ اور وحی کا معارضہ کر رہا ہے۔

از لعاب خویش پرہ نور کرد پردہ ادراک خود را کور کرد
یعنی اپنے اپنے لعاب سے نور کا پردہ بنایا اور اپنے ادراک کے پردہ کو اندھا کر لیا مطلب یہ کہ فلسفہ میں پڑ کر اور وحی کا معارضہ کر کے اپنی بصیرت کو مٹا لیا۔ اور بالکل اندھا ہو گیا کہ اب اسکو حقیقت نظر ہی نہیں آتی۔ اور اتباع وحی نہونے کی وجہ سے اسکی اپنی مثال ہو کر

گردن اسب از بکیر و بر خور و ویر بکیر و پاس بستاند لکد
یعنی اگر گھوڑے کی گردن پکڑے تو وہ گھوڑا کہا جاوے۔ اور اگر اسکا پاؤں پکڑے تو لات
مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص گھوڑے پر بے لگام کے سوار ہونے لگے تو اگر منہ کی طرف جاوے
تو وہ کاٹتا ہے اور اگر پاؤں کی طرف جاوے تو وہ لات مارتا ہے غرض کہ بوجہ لگام ہونیکے
اسکو کسی طرف سے امن نہیں ملتا۔ تو اسی طرح چونکہ فلسفی کے پاس شریعت کی باگ نہیں ہے
لہذا وہ جس مضمون کو بیان کرتا ہے اگر اُنکی نفی کرتا ہے تب بھی شکوک کھاتا ہے اور اگر کسی کا اثبات
کرتا ہے تب بھی راس نہیں آتا۔ غرض کہ ساری خرابی شریعت کا اتباع ہونے کی وجہ سے
ہی ہے۔ اسلئے مولانا آگے فرماتے ہیں کہ۔

کم نشیں بر اسب تو سن بے لگام عقل و دین را پیشوا کن اسلام
یعنی سرکش گھوڑے پر بے لگام کے کم بیٹھو اور عقل و دین کو پیشوا بناؤ و اسلام مطلب کہ
علم عالیہ ایک سرکش گھوڑے کی طرح ہیں اور شریعت انکے لئے لگام ہے کہ انکو محدود میں
رکھتی ہے۔ تو تم انکو بے اتباع کے بیان مت کرو۔ اور دین کو عقل کے ساتھ ملا کر پیشوا بناؤ
اسلئے کہ اگر صرف عقل ہے تب تو گمراہ ہونا ظاہر ہی ہے کہ ہدایت دین ہی سے ہے لیکن اگر
صرف دین ہے عقل نہیں ہے تب بھی گمراہی ظاہر ہے اسلئے کہ دین کو سمجھنے کیلئے آخر عقل ہی
کی ضرورت ہے۔ لہذا دونوں کی ضرورت ہے۔ والسلام۔ اب یہاں کیسیو یہ شبہ ہو سکتا تھا
کہ پھر دین تو بچہ آسان چیز ہوئی اسکا حصول کیا مشکل ہے تو اگرچہ یہ امر بالکل درست ہے
لیکن اس سے کوئی دین کو ہلکا سمجھنے لگتا۔ اسلئے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اندریں آہنگ منکرست و پست کاندیں رہ صبر شوق انفسست
یعنی اس راہ کو سست و پست مت دیکھو کہ ہمیں صبر شوق انفس ہے مطلب یہ کہ اسکو آسودہ
ہلکا ہی سمجھا جاوے کہ کچھ کیا ہی نہ جاوے بلکہ اس بہت مجاہدات و ریاضات کرنے پڑتے
ہیں اُن مجاہدات کے بعد برکات و وحی فائض ہوتے ہیں اور پھر کچھ ملتا ہے۔ راقم الحروف
عرض کرتا ہے کہ اس سُرخ میں شعر کردہ اوکر وہ شست لے حکیم۔ اُس سے اس شعر یعنی اندریں
آہنگ الہ تک کے اشعار میں جو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مضامین بیان فرمائے ہیں وہ

مضامین ہی غامض ہیں اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ مضامین میں تسبیحیں کیس کیس ربط
 ذرا مشکل ہے۔ اسلئے حضرت قبلہ حکیم الامتہ دامتہ اللہ عنہ نے اس مقام کے متعلق اپنے قلم سے
 ہی تقریر تحریر فرمائی ہے۔ لہذا ذیل میں اسکا درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ فرماتا ہے۔
 قولہ مذکورہ اوگروہ شرت اللہ قولہ مومنان اللہ مراد یہ کہ ان کے ایمان کامل کاسبکہ مقتضات
 ایک ہے لگے اسکی لم ہے کہ انکا جسم گوا ایک ہے لیکن انکی روح انسانی بحیثیت اپنے
 مطلوب کے ایک ہے یعنی ان سب ارواح کا مطلوب ایک ہے۔ اور وہ مطلوب بمقتضا ہر
 انکے ایمان کامل کاپس یہ کہنا صحیح ہوا ایک ایمان یکے۔ آگے بتلاتے ہیں کہ وہ ارواح جن
 سب کا مطلوب ایک ہے ارواح حیوانیہ نہیں ہیں جنکا مطلوب اکل و شرب و لذات یہ
 ہیں بلکہ ان ارواح حیوانیہ کے علاوہ انسان میں ایک اور روح ہے اور اس علم اتحاد و مطلوب
 کا محکوم علیہ روح ہے مگر نہ مطلقاً بلکہ جبکہ اپنے مقتضائے اصلی پر پاتی رہے روح حیوانی
 کے تابع ہو جاوے۔ اور یہ مقتضات چونکہ انبیار و اولیاء میں جو کہ کامل الایمان میں اقویٰ و اکمل
 ہے۔ آگے اسی کو فرماتے ہیں ”باز غیر عقل و جان اللہ پس یہ تعارض باعتبار ذات کے نہیں
 کیونکہ مقبولین میں روح انسانی کے علاوہ کوئی اور روح زائد نہیں ہے بلکہ تعارض باعتبار وصف
 خاص کے ہے۔ یعنی انکی ارواح میں وصف ایمانی و عرفانی مقتضی اتحاد و مطلوب عامہ سے
 بڑھا ہوا ہے۔ آگے ارواح حیوانیہ کے عدم اتحاد کا ذکر ہے کہ ان سب کا مطلوب مختلف ہے
 اسلئے انہیں تزام و تمانع ہوتا ہے آگے بطور حاصل کے مجموعہ حکمین یعنی مقبولین میں بحیثیت
 مذکورہ اتحاد اور غیر مقبولین میں عدم اتحاد کو اس شعر میں فرماتے ہیں ”جان گرگان و سرگان اللہ
 اس شبہ کو رفع فرماتے ہیں کہ جب وہ سب متحد ہیں تو انکو صیغہ جمع سے کیوں تعبیر کرتے ہو۔
 جواب یہ ہو کہ وہ اتحاد بالاعتراض ہے ورنہ بالمشخص تو انہیں تعدد ہی ہے کہ ہر جسم کے ساتھ
 حیا روح انسانی متعلق ہے اور اس اختلاف احکام جسمیہ کے وجہ سے باوجود اتحاد و غرض کے
 طرق تحصیل غرض میں انہیں بھی اختلاف ہے۔ آگے اتحاد مذکور کی مثال ہے۔ ہچو آں
 یک تو خورشید ام کہ اس مثال میں ہی من و جہر تعدد من و جہر اتحاد ہے۔ اور یہی حال
 دیواروں کے اٹھنے سے ایک ہی نو پڑ جاتا ہے اس طرح وہاں جب احکام جسمیہ تفرق ہو جائیں

خصوصیات طرق زائل ہو کر غرض میں اتحاد محض رہ جاوے گا۔ اسی لئے تو اس حکم میں مبین
 کی تخصیص فرمائی پس یہاں ہی صرف ارواح کاملین کا مستحق بالعرض ہونا مذکور ہوا ہے۔ اب
 ظاہر اس مثال سے یہ اشکال لازم آتا تھا کہ مثال میں تو سب قطعات نور یہ اجزاء ہیں
 نور واحد بالمتخصص کے اور ارواح متعدده اجزاء نہیں ہیں روح واحد بالمتخصص کے جواب اس کا
 ظاہر ہے کہ یہ مثال ہے مثال نہیں۔ اتحاد میں جو دونوں میں مشترک ہے گودھا اتحاد مختلف
 ہو و ہذا قولہ فرق و اشکالات الہ یعنی دونوں میں واقع میں فرق ہے اور وہی فرق بنابر
 اشکالات کی آگے عذر فرماتے ہیں کہ اتحاد مبعوث عنہ کیسا تھا کوئی محفل بجز قلوب مومنین
 کے متصف نہیں۔ اسلئے مثال میں کسی مثل کو پیش نہیں کر سکا۔ اور یہ حکم بہت ظاہر ہے۔
 اسلئے کہ اتحاد فی العرض المحمود موقوف ہے علم اور قصد و نزاہت پر اور بعض مخلوقات غیوہ
 میں علم نہیں بعض میں قصد نہیں بعض میں نزاہت نہیں اور ملائکہ اس عالم کے کائنات
 نہیں ان سب کا جامع اس دنیا میں صرف الہ ایمان کامل ہیں و ہذا ہو قولہ متحد نقطۃ الخ
 یعنی اس کے گرد دنیا اندر خود نقشے یعنی مخلوقے ندرد۔ کہ موصوف با اتحاد مذکور باشند
 بجز قلوب مومنین کاملین۔ آگے فرماتے ہیں کہ ایک مثال ناقص ارواح حیوانیہ کے عدم اتحاد
 کی بھی لاتا ہوں اور ناقص ہونا اس کا بھی ظاہر ہے کہ انوار سرج میں تزامن تو نہیں حسیطہ غرض
 عوام میں تزامن ہے اور ہر چند کہ عوام میں ہی ارواح انسانیہ ہیں مگر چونکہ وہ تابع ہو گئیں
 ارواح حیوانیہ کے مطلقہ سمیت لذات میں اسلئے ان عوام کے اعتبار سے یہاں احکام ارواح
 حیوانیہ کے بیان فرمائے۔ ان اشعار میں شب بہر خانہ الہ اور جملگی بخواب و خور میں اشارہ
 کر دیا انکی علت تزامن کی طرف کہ وہ طالب ہیں لذات حسیہ کی جنہیں تزامن ہوتا ہے پس اصل
 مضمون مقصود مقام یہاں تزامن ہوا اس مثال میں دو وصف تحقق ہیں ایک احتیاج الی الاسباب
 والالات دوسرے عدم بقار اور گودہ شبہ صفت اول ہے لیکن تبعاً وصف ثانی کی
 تطبیق یہی بیان فرمانے لگے اس شعر سے بے خور و بے خواب الہ اور عدم بقار روح حیوانی
 کا ظاہر ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے اور جملہ روز روشن مرگ اوست کے معنی یہ
 ہیں کہ عادیہ نکو گل کر دیا جاتا ہے۔ اور جملہ زانکہ پیش نور روز حشر لاسٹ کے معنی یہ ہیں کہ

اُس روح حیوانی کے قتل وقت الموت کی حکمت یہ ہے کہ حبس طرح دنگو چراغ بیکار ہو جاتا ہے
 اسی طرح یہ روز حشر میں بیکار ہوتی۔ اسلئے کہ جزا و سزا انسان کی اُسکے شتمہ پر ہوگی نہ کہ روح
 حیوانی پر بخلاف احکام دنیویہ کے کہ احتیاج الی المعیشۃ کے سبب اُسکی حاجت تھی پس تالم
 و تنعم میں وہ بھی شریک تھی۔ اسلئے اُسکا بقا بعد الموت بے فائدہ تھا اسلئے وہ فکار و فکری
 اور چونکہ استطراداً روح حیوانی کے عدم بقا کا ذکر کیا۔ اسلئے استطراداً ہی روح انسانی کے
 بقا کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔ اس شعر سے نور حسن و جان الہ یعنی وہ موت سے فنا نہیں ہوتی پھر
 جو اُسکے آثار دنیا میں ظاہر نہیں ہوتے اُسکی وجہ یہ ہے کہ بعد الموت بوجہ مفارقت مادہ مہیولہ
 کے جو کہ قبول تجلیات سے مانع تھا اس نے تجلیات حق کو زیادہ قبول کیا خواہ تجلیات
 جمالیہ جیسے اہل ایمان پر خواہ تجلیات جلالیہ جیسے اہل کفر پر پس اُن تجلیات سے مشغول
 ہو کر اُسکے آثار عالم دنیا سے منقطع ہو گئے۔ و ہذا قولہ لیک مانند ستارہ الہ و قولہ
 آنجناب کہ سوز الہ و قولہ آنجناب کہ عورت اندر آب حیات الہ اور وجہ شبہ صرف مصرع اول میں
 تام ہو گئی باقی مصرع ثانیہ اور شعر ثانی تحضرتیم ہے حالت شبہ بہ کی جسکو اس تشبیہ میں کچھ
 دخل نہیں۔ مگر اس تتیم سے مولانا کا ذہن متقل ہو گیا۔ ایک مضمون ارشادی کی طرف جسکو اس
 شعر سے ارشاد فرمایا ہے اب ذکر حق و زبور الہ جسکا حاصل یہ ہے کہ مانع و سادس سے ذکر حق
 ہے تو اس میں مستغرق ہو جا جب یہ خوب ساری ہو جاوے پھر اگر ذکر متعارف بھی نہ ہو تب بھی
 ضرر نہیں چنانچہ کالمین میں ظاہر اُذکر کی تعلیل کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ مضمون ارشاد خجی امام
 تاش تک ختم ہو گیا آگے پھر عود ہے مضمون سابق بقا ارواح انسانیت کی طرف بس کیلئے الہ
 یعنی گو ظاہر افانی ہیں مگر باقی ہیں اور صفات حق سے مراد عام سے جلالیہ و جمالیہ سے چنانچہ
 اسی عموم کی بنا پر آگے اسکی دو قسمیں فرمائیں۔ روح محبوب الہ پس از علیہ ہے نہ کہ صلہ محبوب کا
 آگے زین چراغ الہ میں پھر مقصود یعنی تراجم ارواح حیوانیت کی طرف عود ہے۔ آگے روح خود
 را الہ میں گویا ماقبل پر تقریب ہے کہ جب روح حیوانی کا عدم اتحاد اور روح انسانی کا اتحاد
 ثابت ہو چکا تو تو ابی روح کو کہ بوجہ ابتلاء روح حیوانی کے بحکم روح حیوانی کے ہو گئی ہے۔
 ارواح کالمین کے ساتھ متصل یعنی ان کے تابع کر دے کہ وہ بھی اُن ہی کے احوال کا وصف

کے ساتھ متصف ہو جاوے آگے صدر چراغت الخ سے اس مثال جان حیوانی الخ تک پھر
تقریر ہے مثال مذکور بالا روح حیوانی کی اسی حکم عدم اتحاد کی توضیح کیلئے یہاں تک مثالیں
ختم ہو گئیں اتحاد ارواح انسانہ کی بھی کہ وہ مثال تھی آفتاب کی اور عدم اتحاد ارواح
حیوانیہ کی بھی کہ وہ مثال تھی چرغ کی آگے بازار ہندوئے شرب الخ میں دوسری مثال
اسی اتحاد کی فرماتے ہیں پس باز بمعنی تم تراخی فی المذکور کیلئے نہیں بلکہ تراخی فی الذکر
کیلئے ہو یعنی ایک مثال تو ہیں اور دیکھا پھر اس کے بعد دوسری مثال سنو جسکا حاصل بھی وہی ہو
اور شاید نکتہ اس دوسری مثال میں یہ ہو کہ مولانا نے اتحاد کا حکم دو محل میں کیا ہے ارواح انبیاء
میں اور ارواح اولیاء میں پس محل اول کیلئے مثال خورشید کی ہو اور محل ثانی کیلئے مثال ماہتاب
آنی ماہتاب کی مثال صحیح رد علی الفسفی کیلئے ہو کہ جس طرح نور قمر حادث زمانی ہے اسی طرح وجود روح
حادث زمانی ہے۔ آگے مثال مذکور کی تہمید ہے۔ کیونکہ اوپر اتحاد میں محض طلوع کا اعتبار کیا گیا ہے
اور پورا اتحاد جب ثابت ہوتا ہے کہ غروب کی حالتیں بھی اتحاد ہواستلئے تابود خورشید اور باز
چوں خورشید میں دونوں کے مجموعہ کی تقریر فرمادی یعنی خورشید جان سے مراد یہی خورشید اور اسکی جنت
جان کی طرف باعتبار ادنی ملاہست کے ہے کہ جان اسکا مشبہ ہے۔ آگے اس مثال نور آمد انیس
رد ہے فلسفی کا کہ شاید وہ اس تشبیہ روح بالشمس سے تائید سمجھنے لگے قدم روح کی جو کہ اسکا مذہب ہے
پس اجمالاً رد فرماتے ہیں کہ اول تو یہ عقل نہیں مثال ہے اور ظاہر امور مولانا نے اسی پر اکتفا فرمایا مگر
آگے جواب کی طرف بھی اشارہ فرمایا۔ یعنی پھر مثل ہونے سے بھی خود وہ مثل ہی حادث ہے ذاتاً
وزماناً۔ جسکی دلیل اگر عقلی کسی کی نزدیک کافی نہ ہو تو وحی تو کافی ہے جسکے مقابلہ میں اس فلسفی کے
خیالات مثال تاریک کبوت کے ہیں جو اسکے لئے نور حقیقت سے حجاب ہے۔ اور اس فلسفی کی یہ
حالت ہے جیسے کوئی شخص گھوڑے پر بدون لگام کے جو کہ اسکو حد کے اندر رکھتی ہے سوار ہونے
لگے کہ اگر اسکا سر نہ پکڑتا ہے تو وہ کاٹتا ہے اور اگر پاؤں پکڑتا ہے تو لات مارتا ہے۔ اسی طری سے اسکی
حالت ہے کہ بدون قید شرع کے جو کہ عقل متوسط کو حد کے اندر رکھتی ہے اگر انبیاء کی تحقیق کرتا
اسے تب گمراہ ہوتا ہے اور اگر طبعیات کی تحقیق کرتا ہے تب بھی گمراہ ہوتا ہے آگے وصیت فرماتے
ہیں کہ بدون وحی کے مرکب علوم پر سوار است ہو جبکہ وحی کو جسکا صحیح اہراک عقل سلیم سے ہوتا ہے

کیونکہ بدن اسکے توحی میں بھی افراط تقریظ کرنے لگتا ہے) اپنا متبوع بناؤ اور آگے ان لوگوں کی اصلاح فرماتے ہیں جو ابتداء وحی کا کرتے ہیں مگر ظاہر پرستی و اقتصار علی الصور کے سبب اسکو سرسری سمجھتے ہیں پس فرماتے ہیں کہ اسپرستی اور پرستی سے نظرمٹ کر کیونکہ ہمیں مشقت کی ہی ضرورت ہے۔ عملاً ہی حالاً ہی اور وہ مشقت مجاہدہ نفس ہے۔ اس سے حقیقت وحی کی ظاہر ہوتی ہے اور برکات وحی کے فائض ہوتے ہیں۔ کتبہ اشرف علی ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ آگے مولانا پھر قصہ مسجد بگو۔

باز گرد و قصہ مسجد بگو **باسلیمان بنی نیکو**
یعنی پھر لوٹو اور مسجد کا قصہ سلیمان بنی علیہ السلام نیکو کے ساتھ بیان کرو۔ مطلب یہ کہ اور پوچھا کہ کیا تھا کہ ارشاد حق ہوا کہ اے داؤد (علیہ السلام) تم سے یہ مسجد نہ بنے گی تمہارا بیٹا اسکو پورا کرے گا تو اب فرماتے ہیں کہ انکی ساتھ اس مسجد کا کیا قصہ ہوا ذرا بیان تو کرو۔ آگے قصہ

مسجد قضی کی تعمیر کے قصہ کا یقینہ و سلیمان علیہ السلام
کا اوسکو بنانا اور ان کو غیب سے امداد پہنچنا

چوں سلیمان کرد آغا زینا **پاک چوں کعبہ یوں چوں منی**
یعنی سلیمان علیہ السلام نے تعمیر شروع کی جو کہ کعبہ کی طرح پاک تھی اور منی کی طرح مبارک تھی
در بنائش دیدہ می شد کروفر **نے فرودہ چون بنا ہائے دگر**
یعنی انکی تعمیر میں (غیب سے) ایک شان و شوکت دیکھی جاتی تھی (اور وہ) دوسری تعمیرات کی طرح افسردہ نہ تھی۔

در بنا ہر سنگ کردہ می شکست **فاش سیر وانی ہمبگفت از**
یعنی تعمیر میں جو پتھر کہ پہاڑ سے لٹٹا تو ظاہر طور پر پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے لچلو۔ مطلب یہ کہ اسقدر استعداد سے کام ہو رہا تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ پتھر کہتا ہے کہ مجھے جلدی سے لچلو اور لگاؤ۔
پہچو از آب و گل آدم کردہ **نورزاں کہ بار ہا تا بیاں شدہ**

یعنی آب و گل آدم لہ کی طرح اُن پہاڑ کے ٹکڑوں سے نور چمک رہا تھا۔ (آب و گل آدم کہہ سے مراد قاب لہ سلیمان علیہ السلام کہ وہ بھی تو آب و گل ہی سے مرکب تھا) مطلب یہ کہ جیسا کہ نور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات والا صفات سے ظاہر ہوتا تھا اسی طرح اُن پتھروں میں سے نور چمک رہا تھا یعنی ایک برکت اور نورانیت ظاہر ہو رہی تھی۔ اور مستعدی کا ر کی یہ حالت تھی کہ۔

سنگ کے جمال آئندہ شدہ وال درود یوار ہا زندہ شدہ

یعنی پتھر بے جمال کے آیت والا ہو رہا تھا اور وہ درود یوار زندہ ہو رہا تھا مطلب یہ کہ مستعدی سے کام ہو رہا تھا۔ کہ یوں معلوم ہوتا تھا گویا کہ تمام چیزیں زندہ ہیں اور خود بخود اٹھ اٹھ کر چلی آ رہی ہیں۔ آگے اسکی دیوار و نگو جنبت کی دیواروں سے مثال دیتے ہیں کہ حق بھی گوید کہ دیوار بہشت نیست چون یوار ہا بیجاں شدہ

یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بہشت کی دیواریں دیگر دیواروں کی طرح بیجاں اور زشت نہیں ہیں یہ اشارہ ہے آیت ان الدار الاخرة لحي الحيات کی طرف مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنبت کی دیواریں زندہ ہیں اور وہ بیجاں نہیں ہیں جیسا کہ اس آیت ان الدار الاخرة الجنة سے معلوم ہے اب یہاں جو علماء و نظام ہیں وہ تو ہمیں مصافح و خدو ف مانتے ہیں اور حیوان کو مصدر کہتے ہیں اور تقدیر عبارت یہ نکالتے ہیں کہ ان الدار الاخرة لحي الحيات لیکن صوفیہ اہل کشف یہ فرماتے ہیں کہ نہیں تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جنبت اور مرغ ذی حیات ہیں اور انہیں روح موجود ہے تو اسکے یہی معنی ہیں کہ دار الاخرة ایک حیوان ذی روح ہے۔ اور چونکہ اسکی تکذیب کی کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور یہ حضرات اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں تو مان لیتے ہیں کوئی حجت بھی نہیں ہے۔ بلکہ بعض صوفیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ انھوں نے پوری جہنم کی سیر کشف کے ذریعہ کی تو اسکو ایک بہت بڑا اثر دیا پایا۔ کہ جسکے منہ بھی ہے دم بھی ہے۔ غرض کہ پورے اثر سے کی شکل ہے۔ (اللهم احفظنا) اور اسکے اندر یہ سب عذاب جمع کر دئے گئے ہیں۔

اور اگر ان حضرات کے اس قول کو مان لیا جاوے تو پھر بہت سی احادیث اور آیات
تاویل سے بچ جاویں گی۔ اس لئے کہ دیکھئے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے روز دونوں
کو فرشتے کھینچے ہوئے لاویں گے اور اسکی لگائی ہوئی اور وہ کھنکارتا ہوا اور جھٹکا ہوا
آویگا اب جو شخص کہ اسکی حیات کا قائل نہیں ہے وہ تو اس میں تاویل کر لےگا جیسا کہ علماء
ظاہر کرتے ہیں لیکن جو شخص کہ اسکی حیات کا قائل ہے اسکو تاویل کی ضرورت ہی نہیں
بلکہ وہ کہے گا کہ وہ ایک جاندار ہے جس میں ان امور کا پایا جانا کوئی مشکل نہیں ہے
غرض کہ جب وہ حضرات اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں اور کوئی دلیل شرعی انکار کرتی ہے
اور فائدہ یہ ہے کہ تمام نصوص اسکی وجہ سے تاویل سے بچتی ہیں تو پھر کیا حرج ہے اور
کیوں نہ اس قول کو مان لیا جاوے۔ تو مولانا فرماتے ہیں کہ بسطیح کہ بہشت کو درود یوار
میں ایک حیات ہے اسی طرح اس مسجد اقصیٰ کی درود یوار میں بھی حیات تھی۔ آگے
چند دلائل امتناعی بیان فرماتے ہیں کہ

چوں درود یوار تن با لگتی است زندہ باشد خانہ چوں شاہنشی است
یعنی جبکہ بدن کی درود یوار باخبر ہیں تو وہ گھر تو ضرور زندہ ہوگا۔ جو کہ شاہنشاہی ہے
مطلب یہ کہ جسم جو کہ مثل درود یوار ہی کے ہے جبکہ تجلی روح کی وجہ سے ہر زندہ اور
باخبر ہو گیا ہے۔ تو جس گھر پر تجلی حق ہوتی ہو وہ کیوں زندہ نہ ہوگا اس کے زندہ ہونے میں
کیا خرابی ہے خوب ہی مضمون ہے سبحان اللہ کہ اسکی حیات ہی کی تائید فرماتے ہیں کہ
ہم درخت و میوہ ہم آئین لال بابشتہ در حدیث و در مقال
یعنی درخت اور میوے اور پانی بہشتی سے رب حدیث و مقال میں ہوں گے یعنی جنت
کا میوہ اور پانی اور درخت سب کے سب جنتی سے خوب باتیں کریں گے کوئی کہے گا مجھے
کھائے کوئی نہیں کھا جائے بلکہ غرض کہ عجب نطف ہوگا اللھم ارزقنا اللھم ارزقنا اللھم
آگے ان چیزوں کے باتیں کرنے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ۔

زانکہ حیات لانہ زالت بابتہ بلکہ از اعمال و نیت بابتہ
یعنی اس لئے کہ جنت کو آلات سے نہیں بنایا بلکہ تمھارے دین کے اعمال سے بنایا ہے۔

۱۱۱۱۱۱۱۱

مطلب یہ ہے کہ ان سب اشیاء میں حیات اس لئے ہوئی کہ یہ آلات سے بنے نہیں جو کہ مردہ
 ہوئے تو ان سے جو چیزیں بنتیں وہ بھی مردہ ہی ہوتیں بلکہ یہ تو اعمال صالحہ سے تمام
 اشیاء تیار ہوئی ہیں اور اعمال صالحہ میں حیات ہے لہذا ان سب میں بھی حیات ہے
 جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کہ الجنتہ قیعان وعرا سہا العمل الصالح یعنی جنت ایک
 چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے اعمال صالحہ میں ہیں اس کے متعلق تین قول ہیں
 ایک مردود ایک غیر مقبول ایک مقبول۔ مردود تو قول معتزلہ کا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں
 کہ جنت و دوزخ موجود نہیں ہیں بلکہ قیامت کے روز جزا و سزا کے وقت پیدا کر دی
 جاویں گی۔ یہ تو آیات و احادیث کے بالکل مخالف ہے لہذا مردود دوسرا قول شیخ
 اکبر کا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جنت موجود ہے لیکن مع ساز و سامان کے اس وقت موجود
 نہیں ہے بلکہ ویسے ہی ایک میدان ہے جوں جوں آدمی عمل کرتا ہے ویسے ہی جیسے
 انہیں چیزیں اور ساز و سامان بنتے چلے جاتے ہیں یہ قول حدیث بالا کے تو بالکل مطابق
 ہے لیکن دیگر نصوص میں سکی وجہ سے تاویل کرنی پڑے گی لہذا صفت ایک میں تاویل
 کر لینا اہم ہے اس قدر احادیث و آیات میں تاویل کرنے سے دو سکر یہ کہ یہ قول قریب
 قریب معتزلہ کے قول کے ہے کہ ایک قسم کی فنی جنت کی لازم آتی ہے۔ لہذا یہ بھی غیر
 مقبول ہوا۔ تیسرا قول جہور اہل سنت و الجماعت کا ہے وہ یہ ہے کہ جنت مع ساز و
 سامان کے اس وقت موجود ہے اور انسان جوں جوں عمل کرتا ہے وہ ساز و سامان اس کے
 مقرر ہوتے جاتے ہیں کہ مثلاً یہ نہر اس کے فلاں عمل کی وجہ سے ہے۔ اور یہ درخت اس کے
 فلاں عمل کی بدولت ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ غرض کہ تعیین تو بعد میں ہوتی ہے اور
 موجود پہلے سے ہوا اس لئے کہ حق تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فلاں فلاں شخص فلاں فلاں کام
 کرے گا اس لئے اس کے مناسب حق تعالیٰ نے وہاں اشیاء پیدا کر دیں اور ان اعمال کی
 صورت مثالیہ جو کہ علم حق میں پہلے سے تھی ظاہر فرمادی آئیں نہ کوئی استحالہ ہے اور
 یہ کسی حدیث وغیرہ میں تاویل کی ضرورت ہوتی ہے رہا اعراض کا تبدیل تجوہر جو بجا
 اس کی تحقیق دفتر دوم میں بادشاہ کے دو غلاموں کے امتحان لینے کے قصہ میں خوب

ہو چکی ہے اور اسکے متعلق خود حضرت قبیلہ حکیم الامتہ مدظلہم نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ارضی الا قوال فی عرض الاعمال ہے جو کہ مکتوبات میں طبع ہو گیا ہے قابل ملاحظہ ہے۔ غرض کہ ہمیں تو کوئی استحالہ ہے نہیں بس اب رستے بہتری قول ہوا اور اس پر مولانا کے ارشاد کا یہ مطلب ہوا کہ چونکہ وہ رستہ شیادیتھارے اعمال کی وجہ سے بنائی گئی ہیں اور وہ ان ہی اعمال کی صورتِ مثالیہ میں اسلئے انکے اندر حیات ہے اور سچ یہ ہے کہ اس حیات کے منکریں کی گردن ایجاد گراموفون نے توڑ دی ہے کہ بجان شے اور اس طرح بولتی ہے۔ بھلا کون جبر ہے جو باتیں کرتی ہے حیرت ہی حیرت ہے جب انسان نے بعض پرزدنکی ایک خاص ترکیب کے ذریعہ سے باذن حق ایسی شے ایجاد کر لی ہے جو کہ باتیں کرتی ہے اگرچہ اسکو شعور نہیں ہے تو کیا حق تعالیٰ کو اس قدر قدرت نہیں ہے کہ وہ ایسی چیزوں میں ایسی قوت پیدا کر دے کہ وہ باتیں بھی کریں اور انہیں شعور ہو تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ایں بنا از آب و گل مردہ بدست واں بنا از طاعت نڈہ شد است
یعنی یہ تعمیر (دنیاوی) تو آب گل مردہ سے ہوئی ہے اور وہ تعمیر طاعت زندہ سے ہوئی ہے۔ (لہذا)

ایں ہل خویش ماند خلیل واں ہل خود کہ علم است عمل
یعنی یہ اپنی ہل پر خلیل کے مشابہ ہے۔ اور وہ اپنی ہل کے جو کہ علم و عمل ہے مطلب کہ یہ تعمیر دنیا تو اپنی ہل کی طرح مردہ ہے یعنی گارے مٹی کی طرح جو کہ اسکی ہل ہے یہی مردہ ہے اور وہ تعمیر جنت اپنی ہل یعنی اعمال کی طرح زندہ اور ذی حیات ہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہم سریر و قصر و ہم تاج و شایاب بابتی در سوال و در جواب
یعنی تخت بھی اور محل بھی اور تاج اور کپڑے بہشتی سے سوال و جواب میں ہونگے۔ (اور یہ حالت ہوگی کہ)۔

فرش بے فراش پیچید شدن خانہ بے کناس رو بیدہ شدہ

یعنی بے فراش کے فرش لیٹا ہوا ہے۔ اور بے جھار و دینے والے کے گھر صاف ہوا۔
 تخت او سیار بے جمال شد حلقہ و در مطرب قوال شد
 یعنی اس صحتی کا تخت بے جمال کے چلنے والا ہو گیا اور کندھی اور دروازہ سرجوال
 ہوئے (غرض کہ جو چاہا وہ ہو گیا۔ کسی ظاہری سبب کی وہاں ضرورت نہ رہی گی جس
 دل میں آیا ہو گیا) آگے دفع استبعاد فرماتے ہیں کہ۔

خانہ دل بین زغم ژولیدہ شد بے کناس از توبہ رو بہیدہ شد
 یعنی خانہ دل کو دیکھ لو کہ غم سے پریشان ہوتا ہے اور بے صاف کر نیوالے کے توبہ
 سے صاف ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ دل میں گناہوں کی وجہ سے ایک پریشانی ہوتی ہے
 لیکن جہاں توبہ کی اور دل صاف ہوا۔ بھلا کوئی وہاں جھاڑو لیکر صاف کرتے گیا
 تھا۔ تو بس سطح یہ صاف ہو جاتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ وہاں بھی سب اشیاء کو بے
 اسباب ظاہری کے ہٹا فرما دیں تو کیا عجیب ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہست در دل زندگی دار الخلو در زیاتم چوں بنی آید چہ سود
 یعنی دل میں آخرت کی زندگی ہے (لیکن) جب بیان نہیں ہو سکتا تو پھر کیا فائدہ۔
 مطلب یہ کہ دل کی حیات مشابہ ہے حیات اخروی کے کہ دیکھو جس طرح وہاں کناس
 کے صفائی ہو جاتی ہے یہاں بھی ہو جاتی ہے لیکن جب اسکو کا حقہ بیان ہی نہیں
 کر سکتے تو پھر کیا فائدہ ہے لہذا جب رہتے ہیں آگے مسجد اقصیٰ کا قصہ بیان فرماتے
 ہیں کہ۔ چونکہ گشت آن مسجد اقصیٰ تمام زاہتمامات سلیمان السلام
 یعنی جبکہ مسجد اقصیٰ سلیمان علیہ السلام کے اہتمام سے پوری ہو گئی اور اسلام۔

چوں سلیمان در شے ہر یاداد مسجد اندر بہر ارشاد عباد
 یعنی جب سلیمان علیہ السلام ہر صبح کو مسجد میں بندوں کی ہدایت کیسے تشریف لیجاتے۔
 پسند دادی کہ بگفت و سخن ساز کہ بفعلا ہنی رکوع بانماز
 یعنی کبھی توباتوں اور محسن و ساز سے نصیحت فرماتے اور کبھی فعل سے یعنی رکوع سے
 مع نماز کے مطلب یہ کہ کبھی قولاً نصیحت فرماتے اور کبھی فعلاً کہ نیک کام کر کے دکھلاتے۔

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

پند فعلی خلق را جذاب تر کہ رسد در جان ہر باگوش و کر
یعنی نصیحت فعلی تو مخلوق کو بہت کھینچتی ہے اسلئے کہ ہر سنتے والے اور پہنچے کے
کان میں پہنچتی ہے مطلب یہ ہے کہ پند قولی سے پند فعلی کو مولانا ترجیح دیتے ہیں اس لئے
کہ پند قولی میں کوئی سننا ہے کوئی نہیں سنتا اور فعلی میں تو ہر شخص دیکھ سکتا ہے پھر
یہ ہے کہ جب یہ دیکھیں گے کہ ہمارا مرشد اور شیخ یہ کام کرتا ہے تو پھر تو ضرور کریں گے
بخلاف قول کے کہ اُس میں بعض اوقات بعض جگہ اس قدر اثر نہیں ہوتا اور دوسری حکمت
اور مصلحت پند فعلی میں یہ ہے کہ۔

اندر اں ورم امیری کم بود در شہم تاثیر آن محکم بود
یعنی اُس میں حکومت کا وہ کم ہوتا ہے اور لوگوں میں اس کی تاثیر مضبوط ہوتی ہے مطلب
یہ کہ پند قولی میں تو ایک قسم کی حکومت ہی ہوتی ہے کہ یہ بیٹھے ہوئے کہہ رہے ہیں اور سب
سن رہے ہیں ایک قسم کی حکومت ظاہر ہے۔ اور پند فعلی میں یہ بات نہیں ہے بلکہ اُس میں تو
یہ ہے کہ ایک کام کر رہے ہیں نہ کوئی حکومت ہے اور نہ کچھ ہے اور اس کا اثر اس قولی سے
موثر زیادہ ہوتا ہے لہذا اسی کو ترجیح ہونی خوب سمجھ لو۔ آگے اپنے اس قول کی تائید
میں کہ پند قولی سے پند فعلی زیادہ نافع ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ انھوں
نے جب وہ خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تھے اور خطبہ نہ پڑھ سکتے تھے تو یہ فرمایا تھا کہ اے لوگو
تکو امام قوال کی ضرورت نہیں ہے بلکہ امام فعال کی ضرورت ہے تو دیکھو انھوں نے نسبت
قول کے فعل کو زیادہ موثر فرمایا اب قصہ سنو۔

شرح حبیبی

چوں خلافت یافت بشتا بقیت	قصہ عثمان کہ بر ممبر رفت
رفت بوبکر و دوم پایست	ممبر ہتر کہ پایہ پیدست

بروم پایہ عمر در دور خویش
 در عثمان آمد و بالا تخت
 پس سوانش کرد شخصے بوالفضل
 پس چون جستی ازیشاں برتری
 گفت اگر پایہ سوم را بیم
 در دوم پایہ شوم من جائے جو
 ہشت این بالا مقام مصطفیٰ
 بعد از ان بجائے خطبہ آن و دود
 زہرہ نے کس را کہ گوید بین خواں
 ہیبتہ بنشستہ بد بر خاص و عام
 ہر کہ بینا ناظر نورش بدے
 بس ز گرمی فہم کردے چشم کور
 لیک این گرمی کشاید دیدہ را
 گرمیش را ضمیر تے و حالتے
 کو چوں شد گرم از نور قدم
 سخت خوش مستے دے ایو لہ حسن
 این نصیب کو باشد ز آفتاب
 و انکہ او آن نور را بیستابد

از برائے حرمت اسلام کش
 بر شد و بنشست آن محمودت
 کان و نہ نشستند بر جا رسول
 چوں بریت تو ازیشاں کتری
 وہم آید کہ مشال عمروم
 گوئیم مشال ابو بکر است او
 وہم مثلی نیست یا آن شہرا
 تا بقرب عصر لب خاموش بود
 یابڑوں آید مسجد آن زماں
 پر شد از نور خداں صحن و بام
 کو رزاں خورشید ہم گرم آئے
 کہ بر آمد آفتاب بے فتور
 تا بہ بیند عین ہر شنیدہ را
 زان تش دل را کشاد و فتحے
 از فرج گوید کہ من بینا شدم
 پارہ راہ است تا بینا شدن
 صد چہنیں اللہ اعلم بالصواب
 شرح او کے کار بوسیما بود

گر شود صد تو کہ باشد این زبان	کہ بجنبانہ بکف پرده عیاں
واسے بروے گر بساید پرده را	تیغ للہی کند دستش حُبرا
دست چہ بود خود سرش را بر کند	اں سکر کہ جہل شرہامی کند
ایں بقدر سخن گفتم ترا	در نہ خود دستش کجا و اں کجا
خالہ را خاہی بدے خالو شک	ایں بقدر راست یعنی گر بدے
از زبان چہم کو پاک از شک است	صد ہزاراں سال گویم اندک است
ہیں مشو نو مید نور از آسمان	حق چو خواہد میرسد در یک ماں
صد اثر در کانا از اختران	میرساند قدرتش در بر زبان
اختر گردوں ظلم را ناسخ است	اختر حق در صفا نقش را نسخ است
چرخ پانصد سالہ راہی استعین	در اثر نزدیک آمد باز میں
سہ ہزاراں سال پانصد تا زحل	و سب دم خاتیش آرد عمل
در ہمیشہ آرد چو سایہ در یاب	طول سایہ چسپت پیش آفتاب
وز نفوس پاک اختر و شمد	سوئے اختر ہاں گردوں میرسد
ظاہر اں اختران قوام ما	باطن ما گشتہ قوام سما

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ وہ مجاہد بن یوسف اور حیکمہ بنک خلات ملی جلدی سے مجاہد بن یوسف
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجاہد بن درجہ کا تھا۔ ابو بکر بن حبیب اس مجاہد بن یوسف
تو دو سکر درجہ پر بیٹھے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں دین و مذہب کی تعظیم کیلئے تیس
درجہ پر بیٹھے تھے اب زمانہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آیا تو یہ اور چڑھک بیٹھے گئے اب کسی خواہ
مخوہ نے سوال کیا کہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ بیٹھے نہ تھے پس جبکہ تم

مرتبہ میں ان سے کتر ہو تو تم نے اُن پر تفوق کیوں جایا۔ انھوں نے جواب دیا کہ اگر
 تیسرے درجہ پر بیٹھتا ہوں تو کسی کو وہم ہو سکتا ہے کہ میں عمر کی مثل ہوں اور اگر دوسرے
 درجہ پر بیٹھتا ہوں تو تم لوگوں کو شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ ابو بکر کی مثل ہے اور سب اویس
 جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کیساتھ میری مماثلت کا کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد خطبہ کی جگہ پر
 قریب عصر تک یعنی بہت دیر تک خاموش کھڑے رہے۔ اور کچھ زبان سے نہیں فرمایا۔
 مگر کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ کہے کہ پڑ ہو یا خود مسجد سے چلا جاؤ۔ خاص عام پر ایک
 ہیصبت بھیجی ہوئی تھی اور انوار خداوندی سے مسجد خیمے سے اوپر تک بھری ہوئی تھی جو
 لوگ چشم بصیرت رکھتے تھے وہ تو ان انوار کو دیکھتے ہی تھے اور جو اندھے تھے وہ بھی اس
 آفتاب سے گرم تھے۔ یعنی تھوڑا بہت اثر اس پر بھی تھا پس ان اندھوں کو اس گرمی سے
 معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب انوار حق طالع ہے۔ ہمارے اس بیاں سے گرمی انوار حق
 کی مشابہت گرمی آفتاب سے مفہوم ہوتی ہے لیکن تم انکو کیساں نہ سمجھ جانا۔ بلکہ ان
 آپس میں بہت بڑا فرق ہے۔ چنانچہ گرمی انوار حق ایک مرتبہ خاص پر ہو چکی تاکہ کھول دیتی
 ہے یہاں تک کہ سمعوں اسکو مشاہد ہونے لگتے ہیں برخلاف گرمی آفتاب کے
 کہ وہ مضر بصر ہے نیز آفتاب کی گرمی میں ایک دل تنگی اور حالت تشویش ہے۔ برخلاف
 گرمی خداوندی کے کہ اس سے دل میں فراخی اور وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اس مقام پر
 ہم مبتدین سلوک کی غلطی پر تنبیہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ وہ دھوکے سے محفوظ رہیں
 وہ حقیقت میں اندھے ہونے ہیں اور جب انکو ذرا ہی گرمی نور حق سبحانہ کی پہنچتی ہے
 تو وہ خوش ہو کر کہتے ہیں کہ ہم تو بینا ہو گئے۔ انکو واضح رہے کہ وہ بہت مست ہو گئے
 ہیں مگر یہ سستی انکی بوقت ہے۔ اسلئے کہ بینا ہونے تک مسافت کا ایک بہت بڑا حصہ
 باقی ہے جسکا قطع ہونا ضروری ہے۔ اور منہور قطع نہیں ہوا۔ آفتاب حق کی اتنی گرمی کہ
 اس سے سو گونہ زیادہ تو اندھوں کو بھی مل جاتی ہے۔ پس اس کو اپنی بنائی پر استدلال بجا کر
 یاد رکھو کہ جو لوگ اس نور کے دیکھنے والے ہیں وہ کچھ اور ہی چیز ہیں انکی حالت کی تشریح تو

ابوعلی سینا بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ اگر وہ سو گونی ترنی کر جاوے اس وقت بھی وہ کون ہو تا جو
 کہ معائنہ و مشاہدہ کے سر پر رہے کو ہاتھ سے ہلا سکے۔ یعنی انکی حالت کی تشریح تو مشاہدہ پر موقوف
 ہے اور وہ مشاہدہ کے قریب تک نہیں پھٹک سکتا۔ کیونکہ اگر وہ اس پردہ کو ہاتھ بھی لگائے
 تو اسکے لئے بہت بڑی خرابی ہے کہ تیغ خداوندی اسکا ہاتھ کاٹ ڈالے گی۔ ہاتھ تو کیا چیز ہے
 خود اسکا سر اڑا دیگی یعنی وہ سر جسکو جہالت نے مجموعہ شر در بنار کھا ہے۔ اور یہ جو میں نے
 کہا ہے کہ وہ اس پردہ کو ہاتھ لگائے تو تیغ خداوندی اسکا ہاتھ کاٹ ڈالے۔ یہ میں نے بنا پر
 فرض و تقدیر کہا ہے ورنہ کہاں وہ سر پر رہے اور کہاں اسکا ہاتھ۔ اور یہ مضمون ایسا ہے کہ کہتے
 ہیں کہ اگر خالہ کے اعضا و تناسل ہو تو ناموس ہو جاوے سو یہ محض بنا پر فرض ہے۔ نہ کہ
 بنا بر احتمال یعنی اگر بالفرض ایسا ہو تو یہ ہو۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ زبانی دعووں میں اور اس
 آنکھ کے حاصل ہونے میں جو شک سے پاک ہے اگر ہزاروں برس کی مسافت کیوں نہ ہو تو یہی
 کم ہے۔ لیکن اس سے ٹکوانا امید نہ ہوتا چاہئے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جب یہ مسافت اتنی
 بڑی ہے تو قطع کیونکر ہو سکتی ہے اسلئے کہ اگر خدا چاہیں تو منٹوں بلکہ سکنڈوں میں طے ہو سکتی ہے
 چنانچہ جب حق سبحانہ چاہتے ہیں تو ذرا سی دیر میں نور آسمان سے زمین تک پہنچ جاتا ہے
 (حالانکہ زمین و آسمان میں پانسو برس کا فاصلہ ہے) اور دیکھو قدرت خداوندی ستاروں کے
 سیکڑوں اثر و ذرا سی دیر میں معادن تک پہنچا دیتی ہے۔ اور دیکھو آسمان کے ستارے
 ظلمت محسوسہ کو مٹا دیتے ہیں تو آخر حق سبحانہ تو اپنی صفات میں پختہ ہے وہ کیوں تاریکی
 و ظلمت باطنی کو ذرا سی دیر میں نہیں مٹا سکتا۔ اور دیکھو آسمان جو زمین سے پانسو برس
 کی مسافت پر واقع ہے انہیں زمین سے قریب سے نیز زحل جو کہ زمین سے تیس ہزار پانسو برس
 کی مسافت پر واقع ہے ذرا سی دیر میں زمین میں اپنے آثار و خواص پیدا کر دیتا ہے اور جبکہ
 اسکی حکومت کا زمانہ ختم ہوتا ہے تو وہ اپنی واپسی کے وقت سایہ کی طرح ان آثار کو ویرم
 برہم کر دیتا ہے نیز آفتاب کے سامنے طول سایہ کی کوئی بھی حقیقت نہیں۔ جب وہ طلوع
 ہوتا ہے تو تمام سائے کو پیٹ کے رکھ دیتا ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوا کہ ستاروں
 کے سامنے طول مسافت کوئی چیز نہیں اور آفتاب کے سامنے درازی سایہ بے حقیقت ہے۔

وہی ہے جو
 کہتے ہیں کہ
 آفتاب کے سامنے
 سایہ نہیں ہے

ایک حالت تو ستاروں کی یہ تھی اب ذرا انکی دوسری حالت سن لو وہ یہ کہ اہل شر کے نفوس قدر سب سے جو کہ فیض ربانی میں ستاروں کے مانند ہیں خود ان ستاروں کو مدد پہنچتی ہے۔ اور گو نظر ہو ستاروں پر حاکم ہیں لیکن حقیقت میں ہم اپنے حاکم ہیں۔ اور اس قدر سانی اور حکومت کی تفصیل یہ کہ انکا وجود اور ان کے کمالات انسان کے وجود اور ان کے کمالات کے تابع ہے۔ کیونکہ مقصود تخلیق انسان ہے اور تمام عالم اسکے لئے پیدا کیا گیا ہے اور انسان میں مقصود تخلیق اہل اللہ ہیں۔ اس لئے ستاروں کا وجود اور ان کے کمالات اہل اللہ کے وجود اور کمالات کے تابع ہونگے اور یہی مراد ہے۔ ایصال فیض اور حکومت سے جیسا کہ مولانا کے کلام کے بیان سے معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ جب یہ دونوں باتیں معلوم ہو گئیں تو اب تم سمجھ سکتے ہو کہ جب طول مسافت ستاروں کے لئے احداث آتا و خواص سے اور طول سایہ آفتاب کیلئے اسکے ازالہ سے مانع نہیں تو طول مسافت اور اشداد ظلمت باطنی اہل اللہ کیلئے آفات سے کیونکر مانع ہو سکتی ہے۔ وہ تو ستاروں سے بھی زیادہ قوی ہیں پھر نا امید کی کون سی وجہ ہے۔

شرح شبیری

عثمانؓ کی خلافت کا آغاز اور ان کا خطبہ اس میں
میں کہ ناصح فعال بہتر و ناصح قوال

قصہ عثمانؓ کہ بر ممبر رقت چون خلافت یافت بیداشت
یعنی عثمانؓ کا قصہ ہے کہ وہ ممبر پر شریف لیکن جبکہ خلافت پائی تو جلدی سے دوڑے
ممبر مہتر کہ سرمایہ بدست رقت بویکرم خود دوم پائشست
یعنی ممبر سردار (دو عالم صلوات اللہ علیہ وسلم) کا تین میٹر ہی تھا تو ابوبکرؓ شریف لیکن
اور دوسری میٹری پر بیٹھے۔

برسوم پایہ عمر در دور خویش از برای حرمت اسلام و کیش
یعنی تیسری سیڑی پر عمر اپنے زمانہ میں اسلام اور مذہب کی عزت کے واسطے (بیٹھے)
دور عثمان آمد و بالائی تخت بر شد نشست آن مسعود تخت
یعنی عثمان کا زمانہ آیا تو وہ نیکبخت (یعنی عثمان رحمہ اللہ) تخت پر بیٹھ گئے۔
پس سوالش کرومے بوالفضل کان و نہ نشستند بر جائے رسول
یعنی تب ایک فضول شخص نے اُن ہی سوال کیا کہ وہ دونوں تو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
کی جگہ پر نہیں بیٹھے۔

پس چون حتی از ایشان تری چوں بہت تواز ایشان کتری
یعنی پھر آپ کیوں او پر چڑھے کیا تم اُن سے برتر ہو۔ جبکہ تم اُن سے رتبہ میں کمتر ہو مطلب
یہ کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ سیڑیوں کا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو
خود اوپر کی سیڑی پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا کرتے تھے آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ دوسری
سیڑی پر کھڑے ہو کرتے تھے اور حضرت عمرؓ تیسری سیڑی پر جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ
آیا تو آپ اوپر والی سیڑی پر چبہ کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے بیٹھ
اسپر ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ آپ اُن دونوں حضرات کے رتبہ میں تو
کم ہیں اور پھر بیٹھے ہیں اُن دونوں سے بلند مرتبہ پر یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر آپ
کھڑے ہوئے ہیں اسکی کیا وجہ ہے۔ اسکو سن کر حضرت عثمانؓ خوب ہی جواب فرمایا

گفت اگر پایہ سوم را بسیم و ہم آید کہ مشال عمر
یعنی اپنے فرمایا کہ اگر تیسری سیڑی پر میں بیٹھوں تو یہ وہم ہوگا کہ حضرت عمرؓ کی برابر ہوں۔
و در دوم پایہ شوم من جائے جو گویم مشال ابوبکر است او
یعنی اگر دوسری سیڑی کا مشالشی ہوں تو تم مجھے کہو گے کہ وہ ابوبکرؓ کی طرح ہے۔
ہست این بالا مقام مصطفیٰ و ہم مثلے نیست آن شہرا
یعنی یہ مقام بالا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تو اس شہ (کوئین صلی اللہ علیہ وسلم)
کی ساتھ میری مماثلت کا شبہ نہیں ہو۔ مطلب یہ کہ حضرت عثمانؓ نے یہ جواب دیا کہ

میاں اگر میں دوسری بیڑی پر بیٹھوں تو سب لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ حضرت ابو بکرؓ کی برابر لکھا دعویٰ کرتے ہیں اور اگر تیسری پر بیٹھتا ہوں تو حضرت عمرؓ کی برابر کی شیعہ ہوتا ہے اور میں ہوں ان دونوں سے کم تو اب میں نے ایسی جگہ لی یعنی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ لیلی ہے کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کی کسی کو بھی شیعہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا میں یہاں بیٹھا ہوں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ بعد ازاں بر جائے خطبہ آؤدود تا بقرب عصر لب خاموش بود یعنی اس (گفتگو) کے بعد بجائے خطبہ کے دھربان قریب عصر تک خاموش رہے (اور بوجہ ہیبت کے یہ حالت تھی کہ)

زیرہ نے کس را کہ گوید پر کج اں یا بروں آید مسجد آن ناں
یعنی نہ تو کسی کی اتنی مجال کہ ان سے عرض کرے کہ چہ ہے یا سوقت مسجدی باہر چلا آؤ
ہمیشہ بنشستہ بد برفا ص عام پر شد از نور خداں صحن بام
یعنی برفا ص عام پر ایک ہیبت بھیجی ہوئی تھی اور تمام صحن اور کوٹھا نور حق سے بھر گیا تھا
ہر کہ بینا ناظر نورش بے ۱ کو رزاں خورشید ہم گرم آئے
یعنی جو شخص کہ بینا تھا وہ تو ان کے نور کا دیکھنے والا تھا اور اندھا بھی اس خورشید سے
گرم ہو جاتا تھا۔ مطلب یہ کہ جو صاحب بصیرت تھے وہ تو کھلا انوار حق کا مشاہدہ اس وقت
کر رہی ہوتے لیکن جو اندھے تھے اور صاحب بصیرت نہ تھے انکو بھی کچھ اثر ہو جاتا تھا اور ایک
حرارت انکو بھی پہنچ ہی جاتی تھی۔ اور کچھ نہ کچھ اثر انکو بھی ہو ہی جاتا تھا۔ آگے اسکی
ایک مثال حیات میں دیتے ہیں کہ۔

بس ز گرمی فہم کرنے چشم کور کہ برآمد آفتاب بے فتور
یعنی صرف گرمی سے اندھے کی آنکھ سمجھ لیتی کہ ایک آفتاب بے فتور کے نکل آیا مطلب یہ کہ
اندھے کو آفتاب کا نکلنا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو حرارت محسوس ہوئی معلوم ہوا
کہ دھوپ نکلی ہوئی ہے۔ ورنہ نور آفتاب سے تو وہ محروم ہی ہے۔ اسی طرح جو لوگ ضنا
بصیرت نہیں ہیں انکو بھی جب کوئی اثر اور ایک پھریری سی آتی ہے تب وہ سمجھ لیتے ہیں

کہ ہاں کوئی وارد ہو رہا ہے ورنہ کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ ہاں ان دونوں گروہوں میں ایک فرق ہی ہے اسکو بیان فرماتے ہیں کہ۔

لیک ایں گرمی کشایدیدہ را تابہ بیند عین ہر بنیدہ را
یعنی لیکن یہ گرمی تو آنکھ کو کھول دیتی ہے کہ ہر سنی ہوئی شے کی حقیقت کو دیکھ لیتا ہے
گرمیش را صبر تے و حل تے ز ایں تیش دل را کشادے فستے
یعنی اسکی گرمی میں ایک تنگی اور ایک حالت ہے اور اس تیش میں دکھو کشادگی اور وسعت ہے مطلب یہ کہ اس آفتاب ظاہر کی گرمی اور اس گرمی آفتاب عشق الہی میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ اس آفتاب ظاہر کی گرمی سے تو آدمی کا دل کھلنے لگتا ہے اور کچھ دیر میں انسان اس سے پریشان ہو جاتا ہے اور تنگی ہونے لگتی ہے اور اس آفتاب حقیقی کی گرمی کا یہ خاصہ ہے کہ اس سے دل میں کشادگی اور وسعت ہوتی ہے اور اس سے بصیرت اور زیادہ ہوتی ہے۔ کہ آخر کار انجام یہ ہوتا ہے کہ جو سنا کرتے تھے اُن کا مشاہدہ کر لیتے ہیں آنکھیں دل کی کھل جاتی ہیں اور قلب میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور آخر میں وہ تجلیات حق کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ بصیرت تو آخر میں جا کر ہوتی ہے لیکن بعضے اوجھے لوگ جنکو کچھ حاصل ہو جاتا ہے وہ اسی کو مقصود سمجھ کر اس پر اتر آتے لگتے ہیں لہذا آگے ایسے لوگوں کی غلطی بتاتے ہیں کہ۔

کو رچوں شد گرم از نور قدیم از فرج گوید کہ من بینا شدم
یعنی اندھا جب نور قدیم سے گرم ہو جاتا ہے تو اگر طکی وجہ سے گمنا ہے کہ میں بینا ہو گیا۔
مطلب یہ کہ مبتدی کو جہاں ذرا سی گرمی دل میں ہوتی اور وہ سمجھے کہ ہم ولی ہو گئے صرف کیفیات و حالات کو مقصود سمجھ لیتے ہیں بولانا اسکا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

سخت خوش مستی لئے ای بو احسن پارہ راہ است تا بینا شدن
یعنی اے بو احسن تم خوب مست ہو لیکن بہت راستہ ہے بینا ہونے تک۔ مطلب کہ
میاں ہم نے مانا کہ تمھارے اندر بہت کچھ نورش ہے اور بہت کچھ مستی بھائی صاحب
بصیرت حاصل ہونے میں ابھی بہت دیر ہے۔ ابھی سے تم دعویٰ بصیرت کا کرتے ہو ہنوز دلی و در

اور تمہاری اندر جو ایک جوش اور گرمی پیدا ہو گئی ہو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اسلئے کہ۔
 اس نصیب کو رہا شدہ آفتاب صد جنپیں والہ اشاعلم بالصواب
 یعنی یہ تو آفتاب سے اندھے کا حصہ ہوتا ہے (بلکہ) ایسا سو والہ اشاعلم بالصواب
 مطلب یہ کہ جیسی ایک حرارت اور ایک جوش ٹھکو حاصل ہو گیا ہے ایسی حرارت تو اس
 آفتاب ظاہر سے اندھے کو بھی حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ بھی گرم ہو جاتا ہے اور اُسکو جی اہل
 معلوم ہوتی ہے۔

وانکہ او اں نور را بسینا یود شرح او کے کار بوسینا یود
 یعنی اور جو شخص کہ اس نور کا دیکھنے والا ہو اُسکی (حالت کی) شرح بو علی ابن سینا کا کام
 کہ ہے مطلب یہ کہ جو شخص صاحب بصیرت ہے اُسکی حالت کو تو بو علی ابن سینا باوجود اتنی
 بڑے حکیم ہونے کے بھی بیان نہیں کر سکتا۔

گر شود صد تو کہ باشد این زباں کہ بجنبا ند بکف پر وہ عیاں
 یعنی اگر سو گنا ہو جاوے وہ کون ہوتا ہے جو اسوقت ہاتھ سے معائنہ کے پردہ کو ہلا دے۔
 مطلب یہ کہ بو علی ابن سینا کون چیز ہے جو اس معائنہ تک اسکی رسائی ہو سکے اس معائنہ
 پر جو پردہ اور حجاب پڑا ہوا ہے اُس تک اسکے ہاتھ کی رسائی بھی نہیں ہو سکتی۔ بھلا اُس
 پردہ کو ہٹانا اور اُسکو الگ کر دینا تو درکنار یعنی حجاب کو مرقع کر کے معائنہ کر لینا تو درکنار
 اُسکے قریب جوار تک ہی رسائی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ صاحبِ قائل ہے اور یہاں تک
 رسائی صاحبِ حال کی ہو سکتی ہے۔ تو بھلا جب اُسکو حال میں ہی نہیں تو وہ کس طرح
 مشاہدہ کر سکتا ہے۔

وائے پردے گر بساید پردہ را تیغ اللہی کند و شش جدا
 یعنی اس پر افسوس ہے اگر وہ پردہ کو چھو دے تو تیغ حق اُسکے ہاتھ کو جدا کر دیگی۔ مطلب یہ کہ
 اگر وہ ان امور میں دخل دینے لگے اور اپنی رائے سے حجاب کو مرقع کرنے لگے تو اُس پر فست
 آتا ہے اسلئے کہ غیرت حق اُسکو الگ کر دیگی۔ اور وہاں تک اُسکی رسائی نہ ہو سکے گی۔
 اور اُسکی محنت رائگاں ہی رہے گی۔

دست چہ بود خود در شل بر کند
 اُس کے کہ جہل سر ہامی کند
 یعنی ہاتھ کیا ہے اُسکے سر کو اوکھاڑ دیں گے وہ سر جو کہ بہت سے سرؤں کا جہل کرتا ہے۔ مطلب
 یہ کہ بھلا اُسکے ہاتھ کو الگ کر دینا تو درکنار خود اسکی ذات ہی کو علیحدہ کر دیا جاوے گا۔ اور اُسکو
 وہاں سے ہٹا دیا جاوے گا۔ اور وہ بالکل ہی تباہ ہو جاوے گا۔ کیونکہ جب عقل سے ان معاملہ
 میں دخل دیا ہے ہمیشہ گمراہی ہی رہے گی اور بعض حکما جو منصف مزاج ہیں اس امر کے مقر
 ہو گئے ہیں کہ عقل متوسط ان امور کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ایں بتقدیر سخن گفتہ م ترا
 ورنہ خود دستش کجا و اُس کجا
 یعنی یہ جو میں نے تجھ سے کہا یا فرض ہے ورنہ خود اسکا ہاتھ کہاں اور وہ معائنہ کہاں۔
 مطلب یہ کہ میں نے جو کہا ہے کہ وہ اگر اس تاک پہونچے تو ہلاک ہوگا یہ فرض و الحال ہے
 ورنہ بھلا کہاں وہ اور کہاں معائنہ وہ تو ہرگز ہرگز بھی معائنہ نہیں کر سکتا۔ اسکی ذات
 رسائی ہو ہی نہیں سکتی۔ آگے ایک مشہور مثل کو بطور نظیر کے لاتے ہیں کہ۔

خالہ را خایہ بدے خالو شکست
 ایں بتقدیر است یعنی گریئے
 یعنی خالہ کے اگر خایہ ہوتا تو وہ مومن ہو جاتیں تو یہ بالتقدیر ہے کہ اگر موتا۔ مطلب یہ ہے کہ
 یہ سب جملے مشروط ہیں جنہیں کہ ترتیب جزا منحصر ہے وجود مشروط اگر شرط ہی نہ پائی جاوے گی
 تو جزا ہی مرتب نہوگی۔ خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

از زبان تاجشتم کو پاک از شکست
 صدر مزاراں سال گویم اندک است
 یعنی زبان سے چشم تک جو کہ شکست سے پاک ہے اگر لاکھوں برس ہی بیاں کروں تو
 کم ہے مطلب یہ کہ صرف زبان سے کہنے میں اور دیکھنے میں بقدر فرق ہے اگر اُس فرق کو
 لاکھوں برس ہی بیاں کر دوں تب بھی کم ہے اسلئے کہ قال اور حال میں تو بہت بون بعید
 ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو صرف الفاظ سے جو ایک سرسراہٹ محسوس ہو گئی اُس سے ابتداء
 اور بڑے مست بننے لگو۔ اس سے کچھ ہوتا ہوتا نہیں اب بہاؤ اسکو سنکر کوئی شاید نااہل
 ہو جانا کہ جب یہ راہ اسقدر کمٹھن ہے تو ہم بھلا کہاں وہاں تک پہونچ سکتے ہیں۔ آگے اس
 ناامیدی کو زائل فرماتے ہیں کہ۔

ہیں مٹو نہ مہ نور از آسمان حق تو ابد میرسد در یک زبان
یعنی ہاں نا امید مت ہو کیونکہ آسمان تو نور حق تعالیٰ احب چاہتے ہیں تو ایک گھڑی
میں پہنچ جاتا ہے۔

صد اثر در کائنات از آخرت ان میرساند قدرتش در ہر زبان
یعنی معدنوں میں سیکڑوں اثر ستاروں سے اسکی قدرت ہر گھڑی پہنچاتی ہے۔
آخر گردوں ظلم را ناسخ است آخر حق در صفا تشریف ناسخ است
یعنی آسمان کے ستارے ظلمتوں کیلئے ناسخ ہیں اور آخر حق اپنی صفات میں راسخ ہے۔
چیخ یا نصد سالہ راہ اگر مستقیم در اثر نزدیک آمد باز نہیں
یعنی پانسو برس کے رستہ والا آسمان اسے مستقیم اثر میں زمین سے نزدیک ہے۔

سہ ہزار سال و پانصد تاجل و سہم خاصیتش از دحل
یعنی ساڑھے تین ہزار سال (کا راستہ) زحل تک (ہے) اور دہم اسکی خاصیت عمل
کرتی ہے مطلب ان سیاحتکار کا کہ ہیں مٹو نہ مہ سے یہاں تک یہ کہ نا امید مت ہو
کیونکہ حق تعالیٰ احب چاہتے ہیں تو نور کو ایک دم میں ہزاروں برس کی راہ سے پہنچا دیتے
ہیں دیکھو آفتاب کا نور کس قدر جلدی زمین تک پہنچا دیتے ہیں اور آج کل کی تحقیق
کے مطابق یہ ضنون بہت ہی صحیح ہے اسلئے کہ آجکل جو رفتار نور کی بتائی جاتی ہے وہ
تو سجد تیرہ سے شاید ایک سو گز میں کئی ہزار میل یا کئی لاکھ میل کی رفتار ہے اور دیکھو آسمان
کا اثر جو کہ زمین سے کس قدر دور ہے زمین تک برابر پہنچتا ہے تو اگر حق تعالیٰ باوجود بعد
مسافت کے تم کو وہاں تک پہنچا دیں تو کیا عجیب ہے نا امید ہو چکی کوئی بات ہے۔

در ہر شل از دو سایہ در ایاب طول سایہ صیت پیش آفتاب
یعنی اس زحل کو سایہ کی طرح بازگشت کے وقت درہم کر دیتا ہے۔ اور آفتاب کے آگے
طول سایہ گیارہ سے مطلب یہ کہ دیکھو زحل جبکا اثر ساڑھے تین ہزار میل سے زمین
آتا ہے آفتاب کے نکلنے کے وقت سب درہم برہم ہو جاتا ہے اور اسکا کوئی اثر بھی نہیں رہتا
اور آفتاب کے آگے اسکا شمار نہ کیا مشکل بات ہے۔

اٹھا دینا اور مقصود تک پہنچا دینا کیا مشکل بات ہے پھر کہوں نا امید ہوتے ہو۔ آگے
فرماتے ہیں کہ

در نفوس پاک اختر و شمس مدد سے
سوائے اختر ہاؤ گردوں میرسد
یعنی نفوس پاک سے ستاروں کی طرح مدد ستارہائے گردوں کی طرف پہنچتی ہے۔ مطلقاً کہ
جو حضرات ایسے ہیں کہ جنکے نفوس پاک ہیں یعنی بزرگان دین انکا فیض اور اثر آسمان کے
ستاروں تک پہنچتا ہے یعنی تلکی بقا ہی ان ہی کے فیض سے ہے اسلئے کہ اصل مقصود
تو جو دنیا سے ایسے ہی حضرات کا وجود باوجود ہے تو دیکھو انکا اثر جب زمین سے آسمان کی طرف
پہنچتا ہے تو اگر ان حضرات کے فیض سے تم بھی مستفیض ہو جاؤ تو کیا عجیب ہے اگر فرماتے ہیں کہ

ظاہر آں اختران قوام ما باطن ما کشتہ قوام سما
یعنی ظاہر میں تو ستارے ہمارے قوام ہیں اور باطن ہمارا آسمان کیلئے قوام ہے۔ مطلب
یہ کہ ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں سے ہمارا وجود قائم ہے لیکن اصل میں اور
باطن میں ہماری وجہ سے ستاروں کا وجود ہے اسلئے کہ اصل مقصود تو عالم سے انسان
ہی ہے اگر یہ نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ لہذا یہ کہنا کہ باطن میں ہم ستاروں کے قوام ہیں بالکل درست
ہے آگے مولانا اسی کو بیان فرماتے ہیں کہ انسان ظاہر میں تابع ہے لیکن حقیقت میں اور
اصل میں یہ خود مقصود ہے اور سب اسکی فرعی ہیں۔

شرح حبیبی

پس بصورت عالم صغریٰ توئی	پس بمعنی عالم کبریٰ توئی
ظاہر آں شاخ اصل میوہ است	باطن آں شاخ ثمر شد شاخ بہرست
گر بنود سے میل و امید ثمر	کے نشاندے باغبان پنج شجر
پس بمعنی آں ثمر از میوہ زاد	اگر بصورت نماز شجر بودش ولاد

مصلحتی زین گفت کا دم و انبیا
 بہر ایں فرمودہ است آن فغنون
 اگر بصورت من ز آدم زاده ام
 اگر برائے من بدش سجدہ ملک
 پس ز من زائید در معنی پدر
 اول فکر آخر آس در عمل
 حاصل اند یک زماں از آسماں
 نیست بر ایں کار اں ایں رہ دراز
 دل بکعبہ می رود در ہر زماں
 ایں دراز کو کتھی جسم راست
 چون خدا جسم را تبدیل کرد
 صدامیدست ایں زماں بزرگام
 گر چہ پیلہ چشم بر ہم میرنی

خلف من باشند در زیر لوا
 رمز مخن السابقون الاولون
 من معنی جہتہ افتادہ ام
 از پے من رفت بر ہفتم فلک
 پس ز میوہ زاد در معنی شجر
 خاصہ فکرے کو بود وصف ازل
 می رود می آید اے در کارواں
 کہ صف ازہ رفت آید بامناں
 جسم طبع دل بگیرد ز استناں
 چہ دراز کو کوتہ آخبا کہ خداست
 رفتش بے فرسخ و بے میل کرد
 عاشقانہ اے فتے خل الکلام
 در سفینہ خفتہ رہ میسکنی

جیکہ تم کو معلوم ہو گیا کہ گو نطا ہر ستارہ ہمارے مری میں مگر حقیقت میں ہم ان کے
 مری میں تو اس سے تنگ کو یہ نتیجہ نکالنا چاہتے۔ کہ اگرچہ ظاہر میں تم عالم صغیر ہو۔ مگر باطن میں
 عالم اکبر ہو۔ عالم صغیر ہونے کا یہ سبب ہے کہ تمام اجزاء عالم ایک ایک اکبر یا صفات الہی کے
 مظاہر ہیں اور انسان تمام امار و صفات کا مظہر ہے اور عالم اکبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مقصود
 تخلیق ہونے کے سبب تمام عالم سے مرتبہ میں فائق اور رتبہ میں سب سے مقدم ہے۔ اب مولانا

”ظاہر اُن اخراں خدام“ باطن ماکثہ قوام سما، کو موجد کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ ہم نے جو کہا ہے کہ بظاہر ستارے ہمارے مقوم ہیں لیکن حقیقت میں ہمارا باطن آسمان کا مقوم ہے۔ کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ اس کے نظائر موجود ہیں۔ دیکھو بظاہر شاخ میوہ کی اصل ہے۔ مگر حقیقت میں میوہ اس کی اصل ہے کیونکہ وہ میوہ ہی کے لئے کم عدم سے منصوبہ وجود پر جلوہ گر ہوتی ہے چنانچہ اگر باغبان کو میوہ کی رغبت اور اس کی امید ہوتی تو کہیں وہ درخت لگاتا۔ ہرگز نہیں پس ثابت ہوا کہ حقیقت میں درخت میوہ سے پیدا ہوا اگرچہ ظاہر میں میوہ درخت سے پیدا ہوا ہے اور ظاہر میں گو درخت مقوم میوہ ہے مگر باطن میں میوہ مقوم شجر ہے اس نظیر سے وہ استبعاد منقطع ہو گیا۔ جو نظر مطح کیلئے ہمارے کلام میں تھا۔ اب قائدہ زائد کے طور پر سنو کہ اس تفصیل سے تم کو معلوم ہو گیا کہ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدم اور حبلہ بنیاقیامت میں جھنڈے کو پتے میسرے پیچھے ہونگے۔ اس لئے کہ جس طرح تمام عالم کے مقابلہ میں مقصود بالخلق انسان ہے اور تمام عالم اس کے تابع اور انسانوں میں مقصود بالخلق اہل بشر ہیں اور تمام انسان ان کے تابع یوں ہی اہل بشر میں مقصود بالخلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یقیناً اہل بشر ان کے تابع پس نشاۃ آخری جو محل ظهور حقائق ہے اس میں حقیقت لباس صورت پہنے گی اور یہ مقصودیت و تقدم اس شکل میں ظاہر ہو گا۔ اور اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ نحن الاخرون (فی النشأۃ الاولی) والسابقون (فی النشأۃ الاخری) اور اس لئے گویا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ گویا بظاہر آدم علیہ السلام کا بیٹا ہوں لیکن حقیقت میں اُن کے دادا کا دادا ہوں۔ کیونکہ جس طرح دادا کا دادا پوتے کے پوتے کی خلقت کا سبب ہوتا ہے یونہی میں بھی تخلیق آدم کا سبب ہوں اور جس طرح جدِ جَد کا زمانہ پوتے کے پوتے سے بہت مقدم ہوتا ہے یوں ہی رقبہ اور مقصودیت میں میں آدم علیہ السلام سے کہیں مقدم ہوں کیونکہ اُن کو فرشتوں کا سمجھ میری ہی وجہ سے تھا۔ اور میرے ہی لئے وہ ساتویں آسمان پر جنت میں گئے تھے۔ اس لئے کہ ان کا وجود میرے سبب سے تھا پس وہ کمالات جو تابع وجود ہیں وہ تو بالاولیٰ میرے سبب سے ہونگے لہذا یہ ثابت ہو گیا کہ حقیقت میں میرے جد امجد مجھ سے پیدا ہو

اور حقیقت میں درخت سیوہ سے پیدا ہوا اور کیوں نہ ہو قاعدہ کلیہ ہے کہ اول فکر کی ہوئی چیز فعل میں پہنچے آیا کرتی ہے بالخصوص وہ فکر کی ہوئی چیز یعنی محل فکر و تصور و معلوم کہ وصف ازلی ہو وہ تو بالاولیٰ مقدم ہوگی (حضرت مجدد الملتہ والدین نے اس مضمون کی تشریح کو قلب بند فرما کر دیا تھا اسکو مجنبہ نقل کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا و خصوص اسلئے کہا کہ ایک تو اسکا غایت مقصودہ ہونا مقتضی ہے۔ اسکے تقدم کو پھر اسکا وصف ازلی ہونا جسکے لئے تقدم علی غیر لازمی لازم ہے۔ یہ دوسرا مقتضی ہے اسکے تقدم کو جسے جناب رسول اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کہ بحیثیت اپنے منشاء تعین کے جسکو حقیقت محمدیہ کہتے ہیں وصف ازلی ہے باری تعالیٰ کا۔ جسکا حاصل (اس بنا پر کہ اگر کسی شے پر کوئی حکم کسی حیثیت خاصہ سے کیا جاوے۔ تو حقیقت محکوم علیہ اس حکم کا وہ حیثیت ہوتی ہے) یہ ہے کہ وہ حقیقت محمدیہ وصف ہے باری تعالیٰ کا۔ کیونکہ یہ اصطلاح میں تقبیح صفات باری تعالیٰ کے درجہ اجمال کا۔ اور یہ ایسا ازلی ہے کہ غیر ازلی پر تو مقدم ہی ہو دو سکران لیاات پر ہی جو مناشی تعینات میں دو سکران ان سے ایک گونہ مقدم ہے اور یہ مناشی صفات کا درجہ تفصیلی ہے جسکا اعیان ثابہ کہتے ہیں اور حقیقت آدمیہ ہی اسکا تقبیح ہے۔ اور یہ تقدم بالزمان نہیں بلکہ بالذات وبالطبع ہے۔ پس حقیقت محمدیہ کا حقیقت آدمیہ سے مقدم ہونا بھی ذات محمدیہ کا تقدم ہے۔ ذات آدمیہ وغیرہ پر بحیثیت مذکورہ اور آپ کے لئے حقیقت محمدیہ کا منشاء تعین ہونا خود یہ علامت ہے آپ کی مقصودیت کی پس وہی حاصل نکلا کہ آپ کی مقصودیت سبب تقدم کا اور اس مقصودیت کی چونکہ ایک خاص توجیہ تھی اسلئے اسکو خاصہ فکر کے المنہ کے عنوان سے تعبیر کیا احقر کہتا ہے کہ اس تقریر کے بعد جی چاہتا تھا کہ کوئی سہل توجیہ ہوتی تو خوب تھا عشار کی نمازیں ذہن میں ایک دوسری تقریر آئی وہ یہ کہ آپ کے تقدم کی ایک وجہ تو وہی مقصودیت بنا براس قاعدہ کے کہ اول فکر آخر آمد در عمل ہے اور دوسری خاص وجہ یہ ہے کہ آپ ایسے متعلق فکر یعنی معلوم ہیں کہ آپ صاحب وصف ازلی ہیں مبالغتہ آپ پر وصف ازلی کو محمول کر دیا۔ جیسا زید عدل میں اور ازلی سے مراد عرفی خاص نہیں بلکہ مراد معنی عرفی عام ہیں جو اکثر

شعرا کے استعمال میں آئے ہیں یعنی مطلق اولیت متفاوتہ کما قال النظامی ۵ محمد کا زل
تا ابد ہر جہت۔ باریش نام اول نقش بست۔ اور حسب نمون حدیث اول ماخلق
اللہ فرمای آپ معلول اول وجود خارجی میں ہی ہیں پس معنی یہ ہوئے کہ مقصود وجود
ذہنی میں تو مقدم ہوتا ہے ہی اور آپ تو وجود خارجی میں ہی سب سے مقدم ہیں۔ گو مرتبہ روح
میں سب سے پہلے وہی دھندلا سہل واللہ اعلم انتھی تقریر الشریعی) یہاں تک اس
ضمنی مضمون کو ختم کر کے پھر مضمون سابق کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلاصہ یہ
کہ آسمان سے انوار و خواص کے قافلہ و مبدم زمین پر پہنچتے رہتے ہیں اور باوجودیکہ دونوں
بہت فاصلہ ہے مگر میر قافلہ کے حق میں یہ راستہ کچھ بھی دراز نہیں علیٰ ہذا مقصود و مقاب
میں وسعت میدان کوئی چیز نہیں ہوتی۔ پھر درازی مسافت سلوک پر نظر کر کے تم کیوں مایوس
ہوتے ہو اور سنو دیکھو دل ہر وقت کعبہ میں پہنچ سکتا ہے۔ پس حق سبحانہ تمہارا جہیم
میں ہی اپنی عنایت سے قلب کی صفت پیدا کر دینگے اور تم کو ذرا سی دیر میں وصول الی اللہ
حاصل ہو جاوے گا یوں طول مسافت و قصر مسافت تو جسمانیات کیلئے ہے۔ اور جہاں خدائی ہاں
طول و قصر مسافت کو کیا تعلق وہ تو میر معنوی ہے پس جب حق سبحانہ تمہارے جسم پر حاکمیت
کو غالب کر دیں گے تو انوقت تمہاری میر الی اللہ روحانی ہوگی۔ اور اس میں فرسخ اور میلوں کو
کچھ بھی دخل نہ ہوگا۔ لہذا ابھی تمہارے لہر سیکڑوں امیدیں ہیں۔ تم عاشقانہ قدم بڑھاؤ اور
قیل وقال کو چھوڑو اس صورت میں اگرچہ تم آنکھ بند کئے ہوئے سو رہے ہو یا میں معنی کہ تمہاری
ذاتی سعی ہنزلہ سونے کے ہو۔ لیکن تم کشتی میں سو رہے ہو۔ اور رستہ طے کر رہے ہو تفصیل
اسکی حسب ذیل ہے۔

تفسیر حدیث مثل امتی کثل سفینۃ نوح من تمسک بہا نجا ومن
تخلّف عنہا غرق

پہچو کشتی ام بطوفان زمین

ہر اس فرمود پیغمبر کہ من

ما و اصحابیم چوں کشتی نوح
 چونکہ باشیخے تو دور از زشتے
 در پناہ جان جان بخشی قوی
 مگسل از پیسایام خویش
 گرچه شیریں چوں روی رہ بود لیل
 ہیں پہر الا کہ با پرہائے شیخ
 یک زمانے موج لطفش بال تست
 قہر او راض لطفش کم شہر
 یک زمان چوں خاک سبزت می کند
 جسم عارف را دہد وصف جاد
 لیک او بیند نہ بیند غیر او
 مغنہ را خالی کن از انکار یار
 تا بیابی بوسے خلد از یار من
 در صف معراجیاں گریستے
 نے جو معراج زینے تا قہر
 نے جو معراج بختائے تا سما
 خوش برائے گشت خنکستی
 اکوہ و دور یا ہا تمش مس می کند

ہر کہ دست اندازند یا بد فتوح
 روز و شب سیارے و در کشتے
 کشتی اندر خفتہ رہ میروی
 تکیہ کم کن برفن ویر گام خویش
 پچھو رو بہ در صلالی و ذلیل
 تا بہ بیسنی عون لشکر ہائے شیخ
 آتش قہرے و لے جمال تست
 اتحاد ہر دو ہیں اندر اثر
 یک زمان پیر ماد و گنرت می کند
 تا برو روید گل و نہرین شاد
 جز بمغز پاک ندہد خلد بو
 تاکہ ریحیاں یابی از گلزار یار
 چوں محمّد بوسے رحمن از زمین
 چوں براق پر کشاید نیستے
 بلکہ چوں معراج کلکے تا شکر
 بلکہ معراج جنبینے تا نہر
 سوئے ہستی آردت گریستی
 تا جہاں حس را پس می کند

پا بکش در کشتی و میر و ورواں دست نے وپائے نے روتا قدم بر دریدے در سخن پرده قیاس اے فلک برگفت او گوہر بہار گر بیاری گوہر شش تا شود پس نہائے کردہ باشی بہر خود ہیچو آں ہمدیہ کہ بلفقیں از سبا	چوں سوعے معشوق جان جان وواں ہیچناں کہ تافت جانہا از عدم گر بنودے سماع سماع رائعاس از جہاں او جہاں تا شرم دار جامدت گویندہ وینا شود چونکہ ہر سرمایہ تو صد شود بر سیماں می فرستادے کیا
---------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

اسی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں زمانہ کے طوفان میں
مثل ایک کشتی کے ہوں اور میری اور میرے متعلقین کی ایسی مثال ہے جیسی کشتی فوج کہ
جو اسکو تمام لیگا دولت سے کامیابی حال ہو جاوے گی۔ جب پیام معلوم ہو چکا تو اب ہجو کہ
متعلقین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شیخ کا بل بھی ہے پس جبکہ تم شیخ کیساتھ
اور اسکا دامن پکڑے ہوئے ہو اور اسکا اتباغ کئے ہوئے ہو تو تم برائی سے دور ہو۔ اور بات
دن قطع منازل الی اللہ کر رہے ہو اور کشتی میں سوار ہو اور ایک جان جہاں کی پناہ میں ہو
جو کہ جان بخش ہے۔ اور اس کشتی میں سوئے ہوئے رستہ قطع کر رہے ہو دیکھو شیخ وقت
گویا کہ اپنے وقت کا پیغمبر ہے پس تم اس سے قطع تعلق نہ کرنا۔ اور اپنے علم و عمل پر بھروسہ
نہ کرنا۔ دیکھو اگرچہ تم شیر ہو مگر جب بے رہنما کے رستہ طے کرو گے تو بوٹری کی طرح گمراہ اور
ذلیل ہو گے۔ دیکھو ہم پھر کہتے ہیں کہ شیخ ہی کے پروں سے اڑنا اور اسی کی اعانت سے
رستہ طے کرنا۔ تاکہ تمکو شیخ کی فوج سے مدد ملے۔ اور وہ اپنی دعا اور توجہ اور تجربات سے
تمہاری اعانت کرے جب تم شیخ کا دامن پکڑ لو گے اسوقت کہ بھی تو اسکی مہربانی کی
سوخ تمہارا مسوا ہوگی اور کبھی اسکے آتش فہرنگولا ذکر منزل مقصود کی طرف لیجا سکی۔
یعنی کبھی وہ نرمی سے کام لیا کبھی گرمی سے اور یہ دونوں باتیں تمہاری لئے ذریعہ قطع

منازل میں پس تمکو سختی سے گھیرا نہ چاہئے۔ اور اسکے قہر کو اسکے لطف کی صندہ سمجھنا چاہئے۔ بلکہ نتیجہ میں دونوں کو متحد اور یکساں سمجھنا چاہئے۔ وہ کبھی تمکو اپنی تربیت خاص سے مثل خاک مگر سربز کر لگا۔ اور کبھی تمکو بنیارات وغیرہ سے بچلا دیگا۔ اور موٹے کرے گا۔ جسم سالک کو مٹی کر دیتا ہے تاکہ اس میں گل و شہرں حالات باطنیہ پیدا ہوں مگر ان کو وہ ہی دیکھ لگا۔ دوسرے دیکھ لگا۔ اسلئے کہ ہر چیز کے احساس کیلئے ایک خاص قابلیت کی ضرورت ہے چنانچہ بہشت کی خوشبو پاک ہی دماغوں کو آسکتی ہے نہ کہ گندہ دماغوں کو اس سے اس امر کی ضرورت بھی ثابت ہوئی کہ تم اپنے دماغوں کو انکار شیخ سے پاک کرو تاکہ تم اسکے فکر و کمالات سے رجاں فیوض حاصل کر سکو۔ اور تاکہ تمکو ہمیں سے جنت کی خوشبو یوں ہی آسکے جسطرح کہ جانبین سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق سبحانہ کی خوشبو آتی تھی۔ جیسا کہ اپنے فرمایا ہے انی لاجد نفس الوجل من قبل الیون دیکھو اگر تم ارباب معراج روحانی یعنی اہل اللہ کی صف میں کھڑے ہو گے۔ اور اپنے کوشا دو گے تو یہ فنائے خودی براق کی طرح تمہارے پر کھول دے گی اور تم نہایت سرعت کیساتھ عروج روحانی کر دو گے۔ یہ معراج ایسے ہونگی جیسے خاک کیوں کی معراج چاند تک بلکہ یہ معراج معنوی اور وصفی ہونگی جیسے گنے کی معراج شکر تک۔ اور یہ معراج ایسی ہونگی جیسے بخارات کی معراج آسمان تک بلکہ ایسی معراج ہونگی جیسے بے عقل بچے کی عقل تک۔ دیکھو اس پر فناء نہایت اعلیٰ درجہ کا براق ہے کیونکہ اگر تم نیست ہو تو یہ تمکو جانب وجود لے آتا ہے اور تمکو اس قابل کر دیتا ہے کہ تمکو موجود کہا جاسکے اسکا سم پہاڑوں اور دریاؤں سے مس کرتا ہے اور یہاں تک تیز رفتار ہوتا ہے کہ جہاں محسوس کو پہنچے چھوڑ دیتا ہے اور عالم غیب تک پہنچا دیتا ہے پس تمکو چاہئے کہ گشتی میں سوار ہو کر چلے چلو جسطرح معشوق جان کی طرف جاتی ہے۔ اور بے دست و پا عالم حدوث سے ملک قدم تک پہنچو۔ جسطرح کہ بے دست و پا جانیں عہد سے وجود میں آئی تھیں شیخ کی تویہ حالت ہے کہ اگر سننے والے کا کان اونگتا نہ تھا یعنی وہ سننے کے قابل نہ ہوتا۔ تو وہ اپنی گفتگو سے عقل کا پردہ چاک کر دیتا مگر کیا کہیے کہ کوئی کہ کوئی سننے والا ہی نہیں پس اسے فلک اس خوش گفتار کی گفتگو پر موتی برسا۔

اور اسے جہان جسی اُسکے جہاں قلبیہ شہم کہ تیری وسعت اور تیرے عجائبات اسی وسعت
 اور اُسکے عجائبات کو نہیں پہنچ سکتے۔ دیکھ اگر تو موتی برسانے لگا تو اس سے تیری موتی چھوٹنے
 ہو جائیں گے۔ اور تیرے حمادات بولنے والے اور دیکھنے والے ہو جائیں گے۔ اسلئے تیری
 بکیر خود اپنے فائدہ کیلئے ہوگی نہ کہ شہنشاہ کیلئے کیونکہ اس سے میرے موتی سو گئے نہ ہوئیگی
 جس طرح کہ بلقیس نے ملک سبا سے سلیمان علیہ السلام کے پاس ہدیہ بھیجا تھا جس سے خود
 اُسی کو فائدہ ہوا تھا تفصیل اُسکی حسبِ ذیل ہے۔

بلقیس کا شہر سبا سے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ہدیہ بھیجنا۔

ہدیہ بلقیس چل شہر بدست	بار آہنا جملہ خشت زر بدست
چوں بصراحوں سلیمانی رسید	فرش آرا جملہ زر بخت رسید
بر سر در تاجہل منزل براند	تا کہ زیر او نظر آئے نہ ماند
بارہا گفتند زراوا بریم	سوئے محزون مایہ بر کار اندریم
عرصہ رکش خاک زردہ دہی است	زہد بدیدین آنجا ابلہی است
اے بیدہ عقل ہدیہ تا آکہ	عقل آنجا کمتر است از خاک راہ
چوں کساد ہدیہ آنجا شد پدید	شہر مساری شان بھی و ایش پدید
باز گفتند از کساد و از روا	چسیت بر ما بند فرمانیم ما
اگر زرد و گر خاک یا ابر دنی است	اگر فرماندہ بجا آوردنی است
اگر بفرمایند کیس واپس برید	ہم بفرمایند تحفہ را باز آورید

امر و فرمان را می باید شنید
 خوش و اگشتند باید و ایں
 خنده آمد چون سلیمان آں بدید
 من منی گویم مرا بدید و بدید
 که مرا از غیب تا در بدید هاست
 می پرستید اخترے کو زر کند
 می پرستید آفتاب چرخ را
 آفتاب از امر حق مطلع هاست
 آفتاب گر بگید و چوں کنی
 نے بدرگاہ خدا آری صداع
 اگر گشتند نیم شب رخ رشید کو
 حادثات اغلب شب واقع شود
 سونے حق گر استانه خم شوی
 چوں شوی محرم کشایم با تو لب
 جز رواں پاک ورا شرق نے
 روز آں باشد کہ او شارق شود
 چوں نماید ذرہ پیش آفتاب
 آفتابے را کہ رخشاں می شود

تا بد آنجا بدید را باید کشید
 تا بہ تخت آن سلیمان جان
 کہ شہامن کے طلب کردم مزید
 بلکہ گفتسم لائق بدید شود
 کہ بشر آفرانیا رذنیہ خواست
 رو با و آرید کو خستہ کند
 خوار کردہ جان عالی نرخ را
 اہلبی باشد کہ گویم او خداست
 آں سیلے ز تو چوں بیرون کنی
 کیس سیاہی را بدو ادہ شعاع
 تابناے یا اماں خواہی ازو
 و اں زماں معبود تو غائب بود
 و اہری از اختران محرم شوی
 تا بہ بینی آفتابے نیم شب
 در طلوعش روز و شب با فرق نے
 شب تا نہ شب چو او بارق شود
 خوجہاں باشد در اں انوار دتا
 دیدہ پیش کش کند و حیراں می شود

پیش نور بچید موفور عرش	بچو ذرہ بنیش در نور عرش
دیدہ راقوت شدہ از کردگار	خوار و سکنین مبنی اورا بقرار
یرد خان فتاد گوشت آں اختہ	کیمیائے کہ از ویک ماثرے
بز طلائے زرد بگوش آفتاب	تا در اکسیر کہ از وے نیم تاب
بست چندین خاصیت با زحل	بو اعجب مینا گری کر یک عمل
ہم برین مقیاس لے طالبیہاں	باقی اختر با و گوہر ہائے جاں
دیدہ رہ تائے جوی بیاب	دیدہ حستہ زبون آفتاب
شعشعات آفتاب با شرر	تا زبوں گرد بہ پیش آں نظر
تا پیش نور پس تائے بود	کاں نظر نورے ایں تائے بود

بلیقیس کا ہدیہ چالیس دن تک تھے۔ اور ان پر سونے کی اینٹیں لدی ہوئی تھیں۔ جہاں قاصد
 سلیمان علیہ السلام کے جنگل میں پہنچے ہیں تو انھوں نے دیکھا کہ اس جنگل میں پختہ سونے کا فر
 لگا ہوا ہے الغرض وہ چالیس منزل تک سونے کے فرش پر چلے یہاں تک کہ اپنے سونیکے انکی
 نظر میں کوئی وقعت نہ رہی۔ بہت دفعہ انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ ہم کیا نغوا و فضول کرتے
 کر رہے ہیں ہمارا چاہئے کہ ہم سونیکو اسکے خزانہ میں واپس لیجائیں۔ کیونکہ وہ میدان جسکی خاک
 زرخاں ہے وہاں ہونا ہدیہ میں لیجانا سراسر حماقت ہے۔ اب بولانا فرماتے ہیں کہ اس سے
 تمکو سمجھنا چاہئے کہ جو لوگ عقل کو خدا کے پاس ہدیہ لیجاتے ہیں انکی سراسر غلطی ہے۔ کیونکہ
 عقل کی وہاں اتنی بھی وقعت نہیں جتنی کہ رستہ کی گرد کی عقل کو ہدیہ لیجانے سے مراد ہے
 کہ آدمی اپنی عقل کو پیشوا بنا کر اسکے ذریعہ سے اتباع خداوندی کرے۔ اور رسول کو نہ مانے
 جیسے کفار کرتے ہیں۔ یا رسول کو تو مانے مگر عملاً اسکا اتباع نہ کرے بلکہ اپنی عقل کا اتباع کرے
 جیسا کہ سلمان اہل دنیا کا شیوہ ہے یہ مضمون استطرادی تھا آگے پھر قصہ کی طرف عود ہے

اور فرماتے ہیں کہ جب وہاں اس ہدیہ کا ناقص ہونا ظاہر ہو گیا تو شرمندگی اُنکو بھیجے ٹوٹاتی
تھی۔ مگر وہ پھر کہتے تھے کہ جی کھڑے کھوٹے کا ہم پر کیا الزام ہے ہم تو مطیع حکم میں خواہ ہیں
سونا یا چونا پترے خواہ ٹی۔ یہ تو حکم حاکم ہے۔ اسکو تو ماننا ہی پڑیگا۔ ہاں اگر خود سلیمان علیہ
السلام کا حکم ہو کہ اس تحفہ کو واپس لیجاؤ تو اس حکم کے ذریعہ سے ضرور واپس لے آؤ غرض کہ
حکم کو مستنا چاہئے۔ اور ہدیہ کو وہاں تک لیجانا چاہئے غرض کہ وہ اپنے دل میں یہ امر طے
کر کے خوش خوش ہدیہ کو سلیمان علیہ السلام کے تحت تک لیگئے جب سلیمان علیہ السلام نے
ہدیہ کا ملاحظہ فرمایا تو ہنسے اور فرمایا کہ صاحبو میں نے آپ لوگوں سے دولت کب مانگی تھی
میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے ہدیہ دو بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تم اپنے کو مسیکرہ دیا یا تحفہ عنویہ
کے قابل بناؤ۔ اسنے کہ مجھے غیبی عجیب غریب ہدیے ملتے ہیں جنکو آدمی بوجہ اپنی ناقص
کے خدا سے مانگ ہی نہیں سکتا۔ اور میں چاہتا ہوں کہ انہیں سے کچھ تمھیں بھی دوں۔
مگر اسکے لئے اسلام شرط ہے اسنے تم سے اسلام کی درخواست کرتا ہوں۔ دیکھو تم اس
ستارے یعنی آفتاب کو پوچھتے ہو جو سونا بناتا ہے لیکن یہ تمھاری سخت نادانی ہے تمکو
اسکی طرف متوجہ ہونا چاہئے جو اس ستارے کو بناتا ہے اور تم آفتاب آسمان کو پوچھتے ہو
اسی سے تم نے اپنی بیش بہا جانو نمکوزیل کر رکھا ہے کیونکہ یہ آفتاب تو حکم خداوندی کا
باورچی ہے کہ ہمارے لئے سامان معیشت تیار کرتا ہے ایسی حالتیں ہمارے حاکمیت کے کہ ہم
کہیں کہ وہ خدا ہے ذرا غور تو کرو اگر تمھارا آفتاب کہیں میں آجائے تو تم کیا کرو۔ اور آسانی
اس سے کیونکر الگ کرو۔ کیا یہی نہوگا کہ تم حق سبحانہ کی درگاہ میں اپنی تکلیف ظاہر کرو گے
کہو گے کہ اے اللہ کہ اس سیاہی کو کھودے اور ہمیں روشنی دے نیز اگر تمھیں کوئی آدمی
رات کے وقت مارنا چاہے تو بتاؤ کہ اسوقت آفتاب کہاں ہے تاکہ تم اسکے سامنے روویا
اس سے امان چاہو اکثر حادثات رات ہی کو واقع ہوتے ہیں اور اسوقت تمھارا معبود غائب
ہوتا ہے۔ پس ایسے معبود کو چھوڑنا چاہئے اور تدبیر اسکے یہ ہے کہ خلوص کے ساتھ حق سبحانہ
کی طرف جھک جاؤ۔ اگر تم صدق دل سے خدا کی طرف جھکو گے تو ستارہ کی غلامی سے چھوکر
حرم راز خداوندی ہو جاؤ گے۔ اور جب تم خدا کے حرم ہو جاؤ گے اسوقت میں تم سے امرار کی

باتیں کہوں گا تاکہ تم آدمی رات کو بھی آفتاب دیکھ سکو وہ آفتاب اس آفتاب حسی کی طرح نہیں ہے کیونکہ اسکی مشرق روح پاک ہے اور اسکی مشرق عالم اجسام میں اس کے طلوع میں رات دن کا فرق نہیں۔ برخلاف اس آفتاب کے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ حقیقی دن یہی ہے کہ مشرق جان سے اس کا طلوع ہو۔ اور جبکہ وہ روشن ہوتا ہے اسوقت اس رات کا اثر فنا ہو جاتا ہے اور یہ البصائر سے فی الجملہ مانع نہیں رہتی (جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے) اس لئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسکی روشنی کے وقت رات رات نہیں رہتی۔ اور اسکی یہ شان ہے کہ اس آفتاب کے سامنے جو حالت ذرہ کی ہوتی ہے وہی حالت اس آفتاب کی اس کے انوار اور اسکی روشنی میں ہوتی ہے۔ جو آفتاب حسی کہ چمکتا ہے اور اس کے سامنے آنکھ معطل اور متحیر ہو جاتی ہے نور عرش اور اس کے مجید و نہایت نور کے سامنے اسکو تم ذرہ کی مانند دیکھو گے اور اسکو تم ذلیل و عاجز اور ناپائیدار دیکھو گے۔ اور تمھاری آنکھوں کیلئے خدا کی طرف سے ایک عجیب قوت حاصل ہو جائیگی کہ یہ آفتاب آنکھ معطل نہ کر سکے گا وہ کہیسا ہے کہ اسکا ایک معمولی اثر دہوئیں پر پڑا تو وہ ستارہ بن گیا۔ اور وہ تو وہ عجیب کسیر ہے کہ اسکی معمولی سی چمک اندھیرے پر پڑی تو وہ آفتاب بن گیا اور وہ تو ایک عجیب مینا گر ہے کہ ایک حکم کن سے زحل کے اندر بہت سی خاصیتیں پیدا کر دیں۔ اور بانی ستاروں اور جہاں کی مانند مورتوں کو بھی اسی پر قیاس کرو۔ کہ سب کو چمک سی کی ذرا سی چمک سے حاصل ہوتی ہے۔ دیکھو جیسی آنکھ کام کی نہیں اس لئے کہ یہ تو آفتاب سے مغلوب ہو جاتی ہے۔ اس لئے دیدہ ربانی یعنی چشم بصیرت دھونڈھو۔ اور حاصل کرو۔ تاکہ اسکی نظر کے سامنے اس شعل آفتاب کی چمک مک مغلوب ہو جاوے کیونکہ وہ نظر تو نوری ہے اور آفتاب ناری اور آگ نور کے سامنے نہایت تاریک ہے ہم نے اوپر کہا تھا شب مانند شب چو اوارق شود۔ اب اسکی تائید میں ایک حکایت سنو۔

شرح شبیری

بیان میں اس کے کہ حکما کہتے ہیں کہ آدمی عالم صغیر ہے

اور صوفیہ کہتے ہیں کہ آدمی عالم کبیر ہے اس لیے کہ حکماء
کا علم تو صرف صورت انسان پر ہے اور صوفیہ کا علم
حقیقت انسان پر ہے

حکماء تو انسان کو عالم اصغر اسلئے کہتے ہیں کہ انسان میں تمام عالم کی اشیاء کے نمونے ہیں
لہذا عالم دنیا تو عالم کبیر ہے اور انسان اس کے مقابلہ میں بوجہ نمونہ ہونے کے عالم اصغر ہے اور
صوفیہ اس کی حقیقت کو سمجھتے ہیں اسلئے انسان ہی کو عالم کبیر کہتے ہیں اس کی دو تقریریں ہیں ایک
تو یہی جو کہ مولانا نے کی ہے کہ چونکہ مقصود وجود انسان ہی ہے اس معنی کہ یہ عالم کبیر ہے کہ یہی
مقصود ہے اور ایک دوسری تقریر اس کی یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ دنیا کی تمام اشیاء کا مظاہرہ اس میں
حق جل شانہ کی اور انسان ان میں مظہر اتم ہے اسلئے یہ کبیر ہوا اور سب اس کے آگے صغیر ہوئے۔
یہ تو اصل تھاسرخ کا ایسا شعار کا حل لیجئے۔ فرماتے ہیں کہ۔

پس بصورت عالم اصغر توئی پس معنی عالم کبیر توئی
یعنی پس (اے انسان) صورت میں تو تو عالم اصغر ہے اور حقیقت میں تو عالم کبیر ہے
(آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ)

ظاہر اُن شاخ اصل میوہ است باطناً بہر شمشاد شاخ بہست
یعنی ظاہر میں تو شاخ میوہ کی اصل ہے (لیکن) حقیقت میں پھل ہی کیلئے شاخ موجود ہوتی ہے
گر نبودے سیل و امید شمر کے نشاندہ باغبان بیخ شجر
یعنی اگر رغبت اور امید پھل کی نہوتی تو باغبان درخت کی جڑ کب بٹھاتا یعنی وہ درخت ہی لگاتا۔
پس معنی اُن شجر از میوہ زاد گر بصورت از شجر بودش و لاو
یعنی پس حقیقت میں وہ درخت میوہ سے پیدا ہوا ہے اگرچہ صورت میں اس کی ولادت درخت
ہے مطلب یہ کہ اگرچہ ظاہر میں درخت بیخ وجود پھل کا لیکن حقیقت کے اعتبار سے اگر دیکھا
جائے تو پھل ہی وجود درخت کا سبب ہے۔ کیونکہ مقصود پھل ہی ہے۔ تو درجہ مقصودیت میں

پہل ہی اصل ہوا۔ اسی طرح درجہ مقصودیت میں تمام عالم کی اصل انسان ہوا۔ آگے ایک اور ذیل اسکی مقصودیت کی لاتے ہیں کہ۔

مصطفیٰ زین کفیت کا دم و انبیا خلف من یاستند وزریر لوا
یعنی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے فرمایا ہے کہ آدم اور دیگر انبیا علیہم السلام جہنم کے نیچے میسے بھیجے ہوئے۔

بہا رس فرمودہ است آن ذوقنی روم نحن الاخرون السابقون
یعنی اسلئے اس ذوقنوں صلی اللہ علیہ وسلم نے نحن الاخرون السابقون کا اشارہ ارشاد فرمایا ہے مطلب یہ کہ چونکہ شے مقصود ہی اصل شے ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں مقصودیت میں جڑے ہوئے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدایش ہوتی تو پھر نہ حضرت انسان ہوتے اور نہ اور کچھ ہوتا۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ تمام انبیا قیامت کے روز میرے جہنم کے نیچے ہوں گے کیونکہ مقصود تو وجود عالم سے آپ ہی ہیں تو آپ سبکی اصل اور سبک سردار ہوئے اور اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ ہم اے تو آخر میں لیکن بوجہ مقصودیت کے سب سے اول ہیں اور فرمایا کہ۔

گر بصورت من بن آدم زادہ ام من معنی جد جبرافتادہ ام
یعنی اگرچہ میں صورت میں آدم علیہ السلام سے پیدا ہوا ہوں لیکن حقیقت میں اصل اللہ ہوں یعنی مقصود کے اعتبار سے میں خود آدم علیہ السلام کی ہی اصل ہوں۔ اگرچہ بظاہر انکی اولاد میں ہوں۔ لیکن مقصود وجود آدم علیہ السلام سے میں ہی ہوں۔

کز برائے من بدش سجدہ ملک وز پے من رفت برہم فلک
یعنی کہ میری ہی وجہ سے انکو فرشتوں کا سجدہ ہوا ہے اور میری ہی بدولت وہ ساتویں آسمان پر تشریف لیگے۔ مطلب یہ کہ چونکہ انہیں میرا نور تھا اسلئے فرشتوں نے انکو سجدہ کیا اور میری ہی برکت سے وہ جنت میں داخل ہوئے۔ جو کہ ساتویں آسمان پر ہے غرض کہ تمام کمالات میری ہی بدولت حاصل ہوئے۔ اور یہ روایت بالمعنی ہے باقی صوفیہ اسکے قائل ہیں ہی کہ تمام انبیا کے کمالات فرع ہیں کمالات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی اسکی دلیل وہ پنجہ نقل

میں موجود ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس زمین زائید در معنی پدر پس زمیہ زاد در معنی شجر

یعنی پس حقیقت میں باپ فحج سے پیدا ہوئے اور حقیقت میں میوہ ہی سے درخت پیدا ہوا ہے مطلب یہ کہ بوجہ مقصودیت کے میں آدم علیہ السلام کا بھی اصل ہوں اور میوہ درخت کی اصل ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ آگے ارشاد ہے کہ۔

اول فکر آخر آمد در عمل خاصہ فکرے کو بود و صف ازل

یعنی اول فکر عمل میں آخر آتا ہے خاصہ فکر وہ فکر جو کہ وصف ازل ہو۔ مطلب یہ کہ دیکھو تم کسی شے کو اول سوچتے ہو کہ مثلاً ہم تخت بنا دیں گے تو سب سے پہلے اس سوچ مقصود ہے یعنی جلوں کو سوچتے ہو کہ ہم اسپر بیٹھا کریں گے تو یہاں درجہ فکر میں تو وہ فکر نفع (کاف) سب سے اول ہے لیکن وجود میں سب سے آخر میں ہے اس لئے کہ جب پورا تخت بن جاوے گا اور تیار ہو جائے گا تو یہ غایت مقصود یعنی جلوں سب کے بعد وجود میں آوے گی اور اس میں فرماتے ہیں کہ خاکروہ شے جو کہ ازلی ہو وہ تو بہ نسبت دیگر اشیاء کے زیادہ مقدم ہے تو اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ وجود میں سب سے آخر میں آئے لیکن اس درجہ فکر میں سب سے مقدم ہیں اس کی توضیح کیلئے اول ایک مقدمہ سمجھو کہ یہ تو سب بانتے ہیں کہ وجود کے دومرتبے ہیں ایک واجب دوسرا ممکن آگے صوفیاء ہمیں بھی مراتب بانتے ہیں انہیں سے وجود واجب کے تین مرتبہ کہتے ہیں جن کا لقب انکی اصطلاح میں احدیت اور وحدۃ اور القاب ہی تعبیر کرتے ہیں یہ درجہ تو ذات بحث کو کہتے ہیں جس کو غیب یا غیب اور باطن مجھض وغیرہ کے اقباب بھی تعبیر کرتے ہیں یہ درجہ تو ذات کا ہے دوسرا درجہ ہے وحدۃ یہ درجہ ہے صفا اجمالیہ کا اس کو انکی اصطلاح میں حقیقت محمدیہ ہی کہتے ہیں تیسرا درجہ ہے واحدیت۔ یہ درجہ سے صفات تفصیلیہ کا جس کو اعیان ثانیہ اور حقیقت آدمی کہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ یقینوں درجہ ازلی ابدی ہیں اور انہیں آپس میں ایک دوسرے پر تقدم تاخیر بھی ہے اور چونکہ انسان صفات حق کا منظر ہے اور حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے منظریت بیل اکل و اتم ہیں کہ تمام صفات کمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔

اسی لئے اُس درجہ صفات اجمالی کو حقیقت محمدیہ کے لقب سے تعبیر کیا جاتا ہے لہذا اُس درجہ میں یعنی درجہ صفت اجمالی میں حضور مقدم ہوئے دیگر موجودات سے اسلئے کہ باقی موجودات تو درجہ واحدیت میں ہیں جبکہ وہ درجہ صفات تفصیلی اور ایمان ثابتہ اور حقیقت آدم بھی کہا جاتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اگر کسی شے پر کوئی حکم کسی حیثیت کے اعتبار سے کیا جاتا ہے تو اصل میں محکوم علیہ وہ حیثیت ہوتی ہے اُس شے کی ذات محکوم علیہ نہیں ہوتی۔ تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدم کا حکم حیثیت آپ کے درجہ صفات اجمالی میں ہونے کے کیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اصل میں محکوم علیہ وہ درجہ صفات اجمالی حق تعالیٰ کا ہوا جسکو اصطلاح میں حقیقت محمدیہ بھی کہتے ہیں اور یہاں تقدم کو مجازاً خود ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔ ورنہ اصل میں یہ ہے کہ وہ درجہ صفات اجمالی درجہ صفات تفصیلی سے مقدم ہے اور یہ سب صوفیہ کے نزدیک مسلم ہے اور نہ انہیں اس کا کہہ اسلئے کہ وہ دونوں درجے صفات حق ہی کے ہیں انکو اگر وصف ازل سے تعبیر کر دیا تو کیا عجب ہے خوب سمجھ لو۔ آگے وہ تقریر نقل کی جاتی ہے جسکو خود حکیم الامتہ امام عظیم نے اپنے قلم مبارک سے اس مقام کے حل میں تحریر فرمایا ہے۔ وہ ہوتا۔

مقصود کے تقدم کو بیان فرماتے ہیں کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اول فکر کی ہوئی چیز عمل یعنی کام میں سمجھی آئی کہتی ہے اور اس کلیہ میں سے بالخصوص وہ فکر کی ہوئی چیز یعنی محل فکر و تصور و معلوم جو وصف ازلی ہو خصوص اسلئے کہا کہ ایک تو اس کا غایت مقصود ہونا مقتضی ہے اس کے تقدم کو پھر اس کا وصف ازلی ہونا جس کے لئے تقدم علی غیر لازمی لازم ہے یہ دوسرا مقتضی ہے اس کے تقدم کو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کہ بحیثیت اپنے منشاء تعین کے جسکو حقیقت محمدیہ کہتے ہیں وصف ازلی ہے باری تعالیٰ کا جس کا حاصل (اس بنا پر کہ اگر کسی شے پر کوئی حکم کسی حیثیت خاصہ سے کیا جاوے تو درحقیقت محکوم علیہ اس حکم کا وہ حیثیت ہوتی ہے) یہ ہے کہ وہ حقیقت محمدیہ وصف ہے باری تعالیٰ کا۔ کیونکہ یہ اصطلاح میں لقب ہے صفات باری تعالیٰ کے درجہ اجمال کا اور یہ ایسا ازلی ہے کہ غیر ازلی پر تو مقدم چوبی دو سر ازلیات پر بھی چوبی

تعیینات ہیں دوسرے کو ان کے ایک گونہ مقدم ہے۔ اور یہ مناشی صفات کا درجہ فیصلی ہے جس کو ایمان ثابتہ کہتے ہیں اور حقیقت آدمیہ ہی اس کا لقب ہے۔ اور یہ تقدم بالزمان نہیں مگر بالذات وبالطبع ہے پس حقیقت محمدیہ کا حقیقت آدمیہ سے مقدم ہونا محضاً ذات محمدیہ کا تقدم ہے ذات آدمیہ وغیرہ یہ بحیثیت مذکورہ اور آپ کے لئے حقیقت محمدیہ کا منشا تعین ہونا خود یہ علامت ہے آپ کی مقصودیت کی پس وہی حاصل نکلا کہ آپ کی مقصودیت سبب تقدم کا اور اس مقصودیت کی چونکہ ایک خاص توجیہ بھی اس لئے خاصہ فکر ہے ان کے عنوان سے تعبیر کیا۔ احقر کہتا ہے کہ اس تقریر کے بعد بھی جی چاہتا تھا کہ کوئی سہل توجیہ ہوتی تو خوب تھا عشار کی نماز میں ذہن ایک دوسری تقریر آئی وہ یہ کہ آپ کے تقدم کی ایک وجہ تو وہی مقصودیت بنا براس قاعدہ کے کہ اول فکر آخر آمد در عمل اور دوسری خاص وجہ یہ بھی کہ آپ ایسے متعلق فکر یعنی معلوم ہیں کہ آپ صاحب صفت ازل ہیں سبباً آپ پر لفظ وصف کو محمول کر دیا جیسا زید عمل میں اور ازل سے مراد معنی عرفی خاص نہیں بلکہ معنی عرفی عام ہیں جو اکثر شعرا کے استعمال میں آتا ہے یعنی مطلق اولیت متقدمہ کا قال النظامی **محمد کا زل تا ابد ہر چہ بہت + بارائش نام او نقش بہت + اور سبب مضمون حدیث اول ماخلق اللہ تو ہے** آپ معلول اول وجود خارجی میں بھی ہیں۔ پس معنی یہ ہوئے کہ مقصود وجود ذاتی میں تو تقدم ہوتا ہی ہے اور آپ تو وجود خارجی میں ہی سبب مقدم ہیں گو مرتبہ روح میں سہی جسم میں نہ سہی۔ **دهذا اسهل والله اعلم۔**

آگے گولانا پھر اوپر کے مضمون کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ اوپر جو کہا تھا کہ اگر حق تعالیٰ چاہیں تو ایک دم میں باوجود بعد مسافت کے فیض تم تک پہنچا دیں درمیان میں بتعنا اس قدر بیان ہو گیا تھا آگے پھر اسی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

حاصل اندر یک زمان از آسمان می رود می آید ایدر کاراں
یعنی حاصل یہ ہے کہ ایک گھڑی میں آسمان سے قافلہ اب جا رہا ہے اور بار بار ہے بطلان کہ اس وقت ہی سیکڑوں لاکھوں فیوض برکات حق جل شانہ کی طرف نازل ہو رہے ہیں۔
نیست بر این کاراں اس درواز کے مضارہ زفت آید یا مضار

یعنی اس قافلہ پر یہ راہ دراز نہیں اور میدان مقصود کے آگے سب بڑا معلوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ برابر لوگ فیوض نے رہ گئے ہیں اور فیوض اودھر سے آ رہے ہیں اس قافلہ پر یہ راہ دراز نہیں ہے۔ مسئلہ کہ جب مقصود عظیم ہوتا ہے اسی قدر اس کے درمیان جو مسافت اور بعد ہوتا ہے وہ کم معلوم ہوتا ہے تو چونکہ مقصود ایک عظیم الشان مقصود ہے اس لئے اس کے درمیان جو راہ حال ہو وہ کچھ ہی ہے۔ آگے تقریباً ہم کیلئے فرماتے ہیں کہ

دل بکعبہ میر و در میر زمان جسم طبع دل بگیر در زستان

یعنی دل کعبہ میں ہر گزری جاتا ہے تو جسم دل کی طبیعت احسان حق کی وجہ سے لیتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو جب چاہو دل کعبہ میں پہنچ جاتا ہے یعنی کعبہ کا تصور دل میں آ جاتا ہے تو اسی طرح اگر حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے جسم میں خاصیت روح کی پیدا ہو جاوے تو کیا عجب ہے کہ۔

ایں دراز و کوتی جسم راست چہ دراز و کوتہ آنجا کہ خداست

یعنی یہ دراز و کوتی جسم کیلئے بجا اور کیا دراز اور کیا کوتہ اُنجا کہ جہاں کہ خدا ہے مطلب یہ کہ تمہارے جسم کے آگے معلوم ہوتا ہے کہ مسافت بعید ہے پہنچنا مشکل ہے لیکن حق تعالیٰ کو پہنچا دینا تو کچھ مشکل نہیں۔ پھر بعد مسافت سے کیوں گھبراتے ہو۔

چوں خدا مر جسم را تبدیل کرد رفتش بے فرسخ و بزمیل کرد

یعنی جب خدا نے جسم کو تبدیل فرمایا تو اُس کا چلنا بے فرسخ اور بے زمیل کے کر دیا۔ مطلب یہ کہ جب حق تعالیٰ چاہتے ہیں تو عروج روحانی ہونے لگتا ہے جس میں کہ قطع مسافت ظاہری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ ویسے ہی کس سے کمیں پہنچ جاتے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے کہ عروج روحانی میں مسافت جسمی کے قطع کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ آگے فرماتے ہیں کہ

صد امید است این ماں بزرگام عاشقانہ لے فتنے خل نکلام

یعنی اس وقت اسے جو ان سیکڑوں امیدیں ہیں قدم عاشقوں کی طرح اٹھاؤ اور کلام نک کر دو۔ مطلب یہ کہ اس وقت فیوض و برکات نازل ہو رہے ہیں اس وقت قدم بڑاؤ اور چالوس باتیں چھوڑو جیسا کہ فرماتے ہیں کہ **قدم باید اندر طریقت نہ دم** + کہ اگلے نذر و دم بے قدم + آگے فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ پہلے چشم برہم میزنی در سفینہ خفتہ رہ مکتبی
یعنی اگرچہ تم نے آنکھ کی پلک بند کر رکھی ہے (مگر کشتی میں سوئے ہوئے راستہ چل رہے ہیں)
مطلب یہ کہ دیکھو اگر تم کشتی میں سوار ہو تو اگر تم میں تم سو بھی جاؤ تب بھی سو رہے ہو اور
چل رہے ہو۔ اسی طرح مرشد اور شیخ جو کہ کشتی کی طرح ہے اگر تم اُسکے سایہ میں آ جاؤ اور
اُسکی تربیت میں ہو تو تم بلا محنت شاقہ کے آرام اور راحت کیساتھ مقصود تک پہنچ
جاؤ گے زیادہ مشکل نہ کرنی پڑیگی۔ ہاں کچھ نہ کچھ کام تو ضروری کرنا پڑیگا جیسا کہ کشتی میں
بھی کم از کم بیٹھنا تو پڑتا ہی ہے۔ اسی طرح کچھ نہ کچھ تو ضرور کام کرنا پڑے ہی گا ہاں اُسکی
تربیت میں اگر محنت شاقہ سے بچ جاؤ گے یہاں جو کشتی کی مثال دی ہے آگے اس سے
مراد مرشد ہونا بتلائے ہیں۔

تفسیر حدیث ثلث بنی مثل سفینۃ نوح من تسک بہا نجا ومن تخلفت عنہا غرق

بہا میں فرمود پیغمبر کہ من
یعنی کہ جس نے مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے فرمایا ہے کہ میں طوفان زمانہ میں
کشتی کی طرح ہوں مطلب یہ کہ چونکہ مرشد کی مثال کشتی کی سی ہے اسی لئے حضور
مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ہی اپنی مثال کشتی جیسی فرمائی ہے۔ فرمایا ہے کہ جو دنیا
زمانہ کے طوفان میں میری مثال کشتی جیسی ہے۔ کہ میں سب سے بچا کر صحیح و سالم نکال لیجا
ہوں۔ ماوا صحابہم چون کشتی نوح
یعنی (فرمایا ہے کہ) ہم اور ہمارے صحابہ کشتی نوح کی طرح ہیں جو شخص اتباع کرے وہ فلاح
پاوے۔ آگے بولا نا فرماتے ہیں کہ

چونکہ با شیخے تو دور از رشتے روز و شب سیاری در کشتے

یعنی جبکہ تو شیخ کیساتھ ہے تو دور رشتی سے دور ہے اور تو رات دن چل رہا ہے اور

کشتی میں ہے۔

در پناہ جان جان بخشی شوی کشتی اندر خفته رہ میروی

یعنی تو جان بخشنے والے کی جان کی پناہ میں ہوگا۔ اور کشتی میں سوئے ہوئے راستہ چلو گے مطلب یہ ہے کہ اگر تم شیخ کے متبع ہوئے اور وہ تمھارا راہبر ہوگا تو پھر تم کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ اور تم شیطان کے تمام شرارتوں سے محفوظ رہو گے اور تمھاری ایسی مثال ہوگی کہ گویا کشتی کے اندر سو رہے ہو۔ کہ ساکن اور حرکت ایک ہی زمانہ میں ہو بظاہر تو ایک لمحہ بیٹھے ہو اور ایک ہی حالت میں ہو مگر شیخ کے اتباع اور معیت کی وجہ سے عروج باطنی اور سیر حقیقی تم کو حاصل ہوگی جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ہمراہ اتباع کے وہ فلاح پاوے جب رسول اور نائبان رسول کے اتباع سے فلاح حاصل ہوتا ہے تو اب فرماتے ہیں کہ۔

مکملی از پیغمبر ایام خویش تکیہ کم برفن ہر گام خویش

یعنی تم اپنے زمانہ کے پیغمبر سے قطع تعلق مت کرو اور اپنے علم و عمل پر پکیروسہ کم کرو مطلب یہ کہ جب فلاح اور ترقی وغیرہ سب اتباع رسول یا اتباع نائبان رسول ہی پر موقوف ہے تو تم اپنے زمانہ کے پیغمبر سے قطع تعلق مت کرو اور وہ تمھارے زمانہ کے پیغمبر ہی تمھارے زمانہ کے اولیاء اللہ اور مشائخ متبع سنت ہی ہیں لہذا تم کو چاہئے کہ انکا اتباع کرو۔ اور آج کے علم و عمل پر غور و رت ہو کہ جب تک کوئی راہبر نہ ہو ایسا علم ابتداء میں کچھ کام نہیں دیتا بلکہ پھر تم جب راہ پر لگ جاو گے اسوقت پھر تم خود مقتدا ہو گے اور دوسرے لوگ تمھارا اتباع کریں گے اور تمھارے راہ پر لگنے سے پہلے تو تم خواہ کتنے ہی بڑے عالم ہو اس راہ میں تم مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگرچہ وہ خود فی نفسہ ہی مقصود ہے مگر اس راہ کا مقصود بے راہبر کے ہرگز بدست نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ظاہر ہے آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ شیریں چوں وی رہے بکریل ہچو رو بہ در ضلالتی و گمراہی

یعنی اگرچہ تم شیر ہو مگر جبکہ بے راہبر کے رستہ چلو گے تو لوٹری کی طرح گمراہی میں رہو گے اور ذلیل ہو گے مطلب یہ کہ تم علم و عمل میں خواہ کتنے ہی کامل ہو لیکن اگر تمھارا کوئی راہبر

نہیں ہے تو یاد رکھو کہ وہ ساری قوت بیکار ہے۔ تم بالکل کمزور اور سہوا ہو گے وہ علم و عمل اس راہ میں کوئی زیادہ کار آمد نہ ہوگا۔ جب یہ بات ہے تو آگے پھر اسی کی تائید فرماتے ہیں کہ۔

ہیں میرا لاکہ با پرہائے شیخ تا بہینی عون شکر ہائے شیخ
یعنی ہاں بے شیخ کے پروں کے مرست آڑ و تانکہ تم شیخ کے لشکروں کی مدد دیکھو بطلت کہ
تم بے بصیرت شیخ کے طریق طے مست کرو بلکہ اسکی مدد سے طریق طے کرو گے تو اسوقت تکو
اسکی برکت اور فوائد معلوم ہونگے یہاں تک صحبت شیخ اور بصیرت شیخ کی ترغیب دیکر اگر اس
طریق کا معاملہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

ایک زمانے میں لطفش بالنت آتش قہرش سے محال تست

یعنی ایک زمانہ تو اسکی موج لطف تمہارے لٹو بال ہو۔ اور ایک دم میں اسکا قہر تھا احوال ہے
قہر اور اضد لطفش کم شمر اتحاد ہو وہیں اندر اثر
یعنی اسکے قہر کو اسکے لطف کی ضد کم گنوا اور اثر میں دونوں کا اتحاد دیکھو مطلب یہ کہ شیخ کا
معاملہ کبھی تو تمہارے ساتھ درشتی کا ہوتا ہے اور کبھی نرمی کا مگر اثر میں اور فائدہ پہونچانے
میں دونوں کیساں ہیں بلکہ اگر درشتی ہی زیادہ نافع دیکھی گئی ہے۔ لہذا اسکی سختی سے کد
ہونا اور اس سے ناگواری ہونا بہت ہی نامناسب ہے۔ اور طریق سے محروم رکھنے والی شے ہے
اسکے سامنے تو وہ حالت ہو کہ زندہ کی عطا ہے تو درشتی سے بدل شدہ کیلئے تو ہر چیز کی غنا تو
ہر حالت میں وہ تمہاری تربیت کر رہا ہے۔ اور اس سے اسکا کوئی نفع نہیں ہو وہ یہ سب درشتی اور
نرمی وغیرہ تمہارے ہی فائدہ کیلئے کرتا ہے۔ بلکہ اس درشتی میں اکثر اوقات خود اسکو بھی کو
ہوتی ہے مگر صرف تمہارے نفع کیلئے وہ اس کو فائدہ برداشت کرتا ہے۔ اسوقت سے تمہارے
حال پر کہ وہ تو تمہارے واسطے اشتقت برداشت کرے۔ اور تمہیں نفع پہونچانا چاہے اور
آہیں خود اسکا کوئی نفع نہ ہو مگر یا وجودیکہ تمہارا نفع ہی نفع ہے تم اسکو ناگوار سمجھو اور رنجیدہ ہو
اسکی درشتی اور نرمی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

یک زمان چوں خاک سبز تر می کند یک زمان پر باد و گیرت می کند

یعنی ایک وقت میں تو وہ تجھے خاک سبز کرتا ہے اور ایک وقت میں پر باد اور بڑا تجھے کرتا ہے

مطلب یہ کہ کبھی تو نرمی کر کے تجھے سبزہ کی طرح خوش و خرم کر دیتا ہے۔ اور کبھی درشتی کر کے تجھے مراتب عالیہ پر پہنچا دیتا ہے۔ اور اُنکی یہ شان ہے کہ۔

جسم عارف را در بدو صفت جامد تا بر ور وید گل و نسیم شاد
یعنی جسم عارف کو وہ جمادات کی صفت دیتا ہے جیسا شک کہ اُس پر پھول اور نسیم خوش آوگتے ہیں مطلب یہ کہ وہ شیخ سالک کے جسم کو جمادات کی سی خاصیت دیدیتا ہے کہ اُن پر بھی بارش ہوتی ہے جو کہ نرمی کے مشابہ ہے اور کبھی تیز دھوپ پڑتی ہے جو درشتی کے مشابہ ہے ان دونوں سے ملکر اُس پر کیسے کیسے پھول آوگتے ہیں اسی طرح شیخ کی نرمی اور سختی دونوں سے ملکر ہر کام بنتا ہے۔ اور علوم و معارف جب ہی وارد ہوتے ہیں جبکہ دونوں حالتوں کو برداشت کیا جائے ورنہ کورے کے کورے ہی رہ جاؤ گے اب یہاں شبہ ہوا کہ ہم نے تو کسی جسم عارف میں کوئی پھول وغیرہ لگے ہوئے نہیں دیکھے وہ تو بیچارے یونی ٹونی پوئی حالت میں ہوتے ہیں پھر یہ کہتا کہ اُسکو وصف جماد دیتا ہے اور اُن میں پھول لگتے ہیں کہاں صحیح ہوا۔ آگے مولانا اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

لیک او بلینہ بنینہ غیر او جزو مغز پاک نہ ہر خلدو
یعنی لیکن وہی دیکھتا ہے اُسکے سوا اور کوئی نہیں دیکھتا۔ اور سوائے مغز پاک کے (اور کسی کو) خلد بونہیں دیتی مطلب یہ کہ جسم عارف کے گل و نسیم اُس شیخ ہی کو نظر آتے ہیں اُسکے علاوہ اور کسی کو نظر نہیں آتے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ تمام پھول حتیٰ تو معنے نہیں معنوی ہوتے ہیں لہذا اُسکو وہی دیکھ سکتا ہے جسکی آنکھ حقیقت شناس ہو جیسے کہ بہشت کی خوشبو مٹی کو آدگی جکا داغ پہلے سے اچھا ہو گا۔ اور سب ٹھوئے داغ دانے کو یعنی کفار کو جنت کی مٹا ہمی نہ لگے گی۔ لہذا ہر شخص کو وہ گل و نسیم دکھائی نہیں دے سکتے۔ آگے اُنکے دیکھ سکتے کی تدبیر بتاتے ہیں کہ

مغز را خالی کن از انکار یار تا کہ ریحاں یابے از گلزار یار
یعنی مغز کو یار کے انکار سے خالی کر لے تا کہ یار کے گلزار سے خوشبو پاوے مطلب کہ تمہارے دماغ میں جو اولیاء اللہ کی طرف سے انکار بھرا ہوا ہے اس انکار کو نکال دو

خواہ اعتقاد بھی نہ ہو امتحان ہی مقصود ہو مگر انکار اور بغض نہ ہو۔ اس وقت تک واسطی حقیقی کی خوشبو آویگی اور ان گل و سنبل کو تم بھی دیکھ سکو گے۔ آگے ہی فرماتے ہیں کہ تابیایا بے بوئے خلد از یارین چوں محمد بوئے حسن از زمین یعنی تاکہ تم میرے یار سے بوئے خلد کو پاؤ جیسے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن کی بو میں سو پائے۔ مطلب یہ کہ تم اس انکار اور عناد کو نکال ڈالو اس وقت تک واسطی گل و سنبل حقیقی کی خوشبو معلوم ہوگی اور اس وقت تک خوشبو کی برکات کا مشاہدہ ہوگا جیسے کہ حصو مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الایمان بیان الہ کہ ایمان یمن میں ہوگا۔ اور یمن کے لوگ زیادہ ایماندار ہونگے۔ تو جسطرح حصو مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو آدم سے آثار ایمان معلوم ہوئے تھے اسی طرح اگر تم انکار سے دماغ کو خالی کر لو گے تو تم کو بھی برکات کا مشاہدہ ہونے لگے گا۔

در صف معراجیاں گزشتی چوں براق پر کشایدستی

یعنی معراجیوں کی صف میں اگر تو کھڑا ہو تو جب تیرا براق پر کھولے تو توفیق ہو مطلب یہ کہ اگر تم ان حضرات کی خدمت میں رہو تو انکی صحبت کا یہ اثر ہوگا کہ ایک دن تم کو بھی عروج و رجحان حاصل ہوگا۔ اور تم کو درمیان حاصل ہو جاوے گا۔

نہ جو معراج زینہ تافتر بلکہ چوں معراج کلکے تا شکر

یعنی نہ مثل معراج یک زمین کے قمر تک بلکہ مثل معراج ایک کلک کے شکر تک مطلب یہ کہ تم کو جو عروج ہوگا اور تمھارے جو مراتب عالی ہونگے تو وہ کوئی حسی شے نہیں ہے کہ یہاں سے اٹھ کر وہاں چلے گئے یا اڑتے لگے کہ اڑے اور آسمان پر پہنچ گئے۔ بلکہ وہ عروج روحانی ہوگا کہ جسکی کیفیت کچھ اس مثال سے معلوم ہوگی کہ دیکھو شکر کی نئے اولاً ایک لکڑی ہوتی ہے اس کے بعد اسکو ترقی ہوتی ہے اور وہ شکر ہو جاتی ہے تو وہ رہی تو اپنی جگہ مگر اسکو ترقی ہو گئی یعنی وہ ترقی کیسا ہوگی کہ ایک حالت سے دوسری حالت بدل جاوے گی۔ ورنہ کوئی شکر لگا کر آسمان کو تھوڑا ہی چڑھتا ہے۔ آگے ہی ہمیں صمنوں سے فرماتے ہیں کہ۔

سے جو معراج دخانی تا سما بل جو معراج جنبینے تا نہا

یعنی نہ مثل معراج ایک دہویں کے آسمان تک بلکہ مثل معراج ایک جنین کے عقل تک مطلب یہ کہ وہ معراج ایسی ہونگی جیسے کہ دہواں آسمان کو چڑھا کر تپا ہے بلکہ اسکی مثال ایسی سمجھو جیسے کہ ایک بچہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا ہی میں رہ کر عاقل و کامل ہو جاتا ہے تو اسکو حنا کو کیسے عرق نہیں ہو مگر ظاہر ہے کہ اسکو اپنی اس پہلی حالت سے عروج ہوا ہے اور ترقی کر کے آج وہ اس درجہ کو پہنچ گیا ہے۔ اسی طرح اگر تم مرشد کے ساتھ رہو گے اور اس کے کلمات سے مجاہدات و ریاضات کرتے رہو گے تو ایک دن تم بھی کامل ہو جاؤ گے۔

خوش برائے گشت خنکشتی سوئے ہستی آردت گرنیستی

یعنی نیستی کا گھوڑا ایک چھابراق ہے کہ تجھے ہستی کی طرف لا دینگا۔ اگر تو نیست ہو گا مطلب یہ کہ فنا ایک ایسی شے ہے کہ اسکو حاصل کرنے کے بعد انسان کو بہت جلد عروج روحانی ہوتا ہے اور اسکے ذریعہ سے بہت جلد مقصود تک و مول ہو جاتا ہے لہذا چاہئے کہ شیخ کی رائے میں اپنی رائے کو بالکل فنا کر دو۔

کوہ و دریا با سمش مسرینکند تا جہاں حس را پسینکند

یعنی اس گھوڑے کو سم پہاڑ اور دریا کو مس کرتے ہیں تاکہ جہاں حس کو پیچھے کر دے مطلب یہ کہ فنا حاصل ہونیکے بعد یہ ہوتا ہے کہ تمام مراتب عالیہ حاصل ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہ جہاں بے قدر رہ جاتا ہے پھر اسکی طرف التفات نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ اسکی تعلیم کی ہستی کہ شیخ کی تعلیم سے اعمال و مجاہدات و ریاضات کرو اور درجہ فنا حاصل کر لو اور اسکے غصہ وغیرہ کو برداشت کرو تو تم کو مقصود بہت جلد حاصل ہو جاوے گا۔ آگے و مول کا دوسرا طریق بتا دیں گے۔

یا بکش درشتی و می رورواں چوں سوئے معشوق جان جانان

یعنی یا کشتی میں بیٹھ لو اور روانہ ہو جاوے جہاں کہ جان معشوق جان کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر مجاہدات و ریاضات نہیں کر سکتے تو غیر شیخ کی صحبت کو اختیار کر دو۔ اسکو تو مست چھوڑو کہ انشاء اللہ ایک دن اس سے بھی کام بن جاوے گا۔ پس جتنا بے الحاحی تو ہر حال میں ضروری ہے پھر اگر اور ذکر و شغل متعارف نہ ہی کرے تب بھی اکثر وصول ہو جاتا ہے تیری یہ حالت ہو جاوے گی کہ۔

دست فرمایا کرتے روتا قدم
 یعنی نہ ہاتھ ہیں اور نہ پاؤں ہیں اور قدم تک چلے جاؤ جب طرح کہ جائیں عدم سے آئی ہیں
 مطلب یہ کہ جب طرح کہ عدم سے جائیں وجود میں آگئی ہیں اور انکو کوئی حرکت جستی نہیں ہوتی
 اسی طرح نگوہی کوئی حرکت حشائے کہنی پر سے آگئی اور تم وصل الی الخ ہو جاؤ گے یہاں اگر مولانا
 کو خیال آیا کہ سامعین کی توجہ ان مضامین کی طرف پوری نہیں ہے اسلئے مولانا کو آمد
 مضامین بند ہو گئی آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

بر دریدے در سخن پرہیز
 گریہ نوے سمع سامع رانعاس
 یعنی بیان میں پردہ قیاس کو بھیاڑو یا اگر سامع کی سمع کو اونگھ نہوتی مطلب یہ کہ اگر بیان
 اکتانہ جاتے اور ان مضامین کے سننے کا انکو شوق ہوتا تو میں ان مضامین کو بچی قیاس
 بیان کرتا مگر اب چونکہ سامعین اکتانہ گئے ہیں اسلئے اب آگے بیان نہیں کرتا۔ آگے شیخ
 کیلئے دعا فرماتے ہیں کہ۔

اے فلک برگشتہ اوگو بہار
 از جہان او جہاننا شرم دار
 یعنی اے آسمان سلی گفتگو پر ہوتی برسا اور اے جہاں اسکے جہان سے شرم کر مطلب
 یہ کہ اے آسمان شیخ کے کلام پر خوب گوہر باری کر اسلئے کہ وہ مضامین اسی قابل ہیں اور
 اے جہاں اسکے جہاں باطن سے شرم کر کہ اسکا وہ جہاں باطن تجھے بڑا ہوا ہے۔
 گویا باری کو ہر شش ناشود جامدت گوئندہ و بدینا شود

یعنی اگر تو گوہر ہر ساوے تو وہ چھ گئے ہو جاویں اور تیرا جامد گوئندہ اور بدینا ہو جائے
 پس نشائے کردہ باشی بہر خود چونکہ ہر سرمایہ تو صد شود
 یعنی پس تو اپنے ہی لئے تیار کر لیا۔ جبکہ تیرا سرمایہ سو گنا ہو جاوے گا۔ مطلب یہ کہ ہم نے
 جو اوپر کہا ہے کہ اے فلک ان کی باتوں پر گویا باری کر تو اس میں کچھ کمی نہ آوے گی بلکہ
 ان کے فیض سے وہ گوہر بڑھ جاویں گے اسی طرح اگر تم اپنے کو فنا کر دو گے اور شیخ کے
 بالکل تابع اور مطیع ہو جاؤ گے۔ تو ہمیں شیخ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ کچھ تمہارا ہی فائدہ
 ہوگا۔ کہ اسکی بکرت سے تمہاری ہر حالت قوی اور استعداد زیادہ ہو جاوے گی تو اس

قنایں ہی بھاری فائدہ سے۔ اسکا کوئی نقص نہیں ہے۔ آگے اسکو اس بدیہ بلیقیس سے مثال دیتے ہیں اور یہاں سے انتقال ہے قصہ بلیقیس کی طرف فرماتے ہیں کہ۔

پہچو آں بدیہ کہ بلیقیس از سبا بر سلیمان می فرستادے کیا

یعنی اسے زیرک جس طرح کہ بلیقیس بدیہ سبا سے سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجتی تھی۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ بلیقیس نے سلیمان علیہ السلام کو جو بدیہ بھیجا تھا تو انھیں اسی کا فائدہ تھا اسی طرح اگر تم مجاہدات و ریاضات و اطاعت شیخ کرو گے تو اس سے تمھارا ہی فائدہ ہر شیخ کا کوئی نقص نہیں ہے۔ آگے بلیقیس کا سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ملنے سے روانہ کرنے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

بلیقیس کا شہر سبا سے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں بدیہ بھیجتا۔

بدیہ بلیقیس حل اشتربدست بار آہنا جملہ خشت زربست

یعنی بلیقیس کا بدیہ چالیس و تھتھے کہ ان سب پر سونے کی اینٹیں لدی ہوئی تھیں مطلب یہ کہ حضرت بلیقیس نے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں چالیس اونٹ موٹی اینٹیوں کے بھر کر روانہ کئے تھے۔

چوں بصرائے سلیمانی سید فرش آہنا جملہ زربخت نہ دید

یعنی وہ (بدیہ) سلیمانی جنگل میں پہونچا تو اسکا سارا فرش خالص سونے کا دیکھا۔

بر سر زرتا چہل منزل براند تاکہ زرد را در نظر آئے نہ اند

یعنی سونے پر چالیس منزل تک چلے یہاں تک کہ سونے کی نظر میں کوئی قدر نہ رہی مطلب یہ کہ جو سفیر وغیرہ کہ بدیہ لیکر آئے تھے جبکہ سلیمان علیہ السلام کے جنگل میں پہونچے تو انھوں نے دیکھا کہ وہاں کا تمام فرش سونے کا ہے اور جنگل بھر میں سونے ہی کی طرح لگا ہوا ہے حتیٰ کہ چالیس منزل تک وہ لوگ اس سونے ہی کے فرش پر چلتے رہے موصوفین نے لکھا ہے کہ جب قاصد بلیقیس کی خبر حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوئی ہے اور معلوم ہوا کہ وہ خشت زربد میں لا رہے ہیں تو انھوں نے حکم دیا کہ تمام جنگل میں

سوئے کافر شنگا دیا جاوے تاکہ انکو اپنے ہدیہ کی قدر معلوم ہو جاوے۔ اور ان کے قلب میں عظمت بیٹھ جاوے۔ لہذا ایسا ہی ہوا اور اب جو ان لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو انکی نگاہ میں سونا ایک بے قدر چیز ہو گئی۔ اور اب انکو وہ خشت زہر ہدیہ میں لے جاتے ہوئے شرم آنے لگی۔ اور آپس میں یوں گفتگو ہونے لگی۔

یار ہا گفتند زہر را و ابریم سوئی مخزن ما چه بکار اندریم
یعنی یار ہا یوں کہا کہ سونے کو ہم خزانہ میں واپس لیجاویں کہ ہم کیسے بیکار کام کریں ہیں
عرصہ غش خاک زہرہ دی است زہر ہدیہ برون آنجا ابلہی است

یعنی جس میدان کی کہ خاک خالص سونا ہو سونا وہاں ہدیہ میں لیجانا بیوقوفی ہے۔ مطلب یہ کہ جب انھوں نے یہ حالت دیکھی تو آپس میں کہنے لگے کہ میاں بن سوئی کی نیکو جو ہم ہدیہ میں لے جا رہے ہو واپس لیجا کر اپنے خزانہ ہی میں رکھ لو۔ اسلئے کہ جہاں کج عمل کی خاک سونے کی ہو وہاں یہ اینٹیں ہدیہ میں لیجانا سراسر حماقت ہے۔ لہذا بیکار کام کرنے سے کیا فائدہ چلو واپس لیچلیں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اے پروردہ عقل ہدیہ تا کہ عقل آنجا کمتر است از خاک راہ
یعنی اے وہ شخص کہ حق تعالیٰ کے آگے اپنی عقل کو ہدیہ میں لے گیا ہے عقل اسی جگہ خاک راہ سے بھی کم ہے مطلب یہ کہ تم جو اپنی عقل کو اور ان اعمال وغیرہ کو حق تعالیٰ کو سامنے پیش کرنے کو لے چلے ہو تو یہ سمجھ لو کہ تمھاری یہ عقل وہاں خاک راہ سے بھی کم ہے اور بالکل بے قدر ہے تو جو سطح ان لوگوں کو اپنے ہدیہ سے ندامت ہوئی تھی اسی طرح تم کو بھی وہاں سے بجا کر ندامت ہی اٹھانا پڑے گی یہ ایک جملہ معترضہ کے طور پر بیان فرما کر آگے پھر ان قاصدوں کی گفتگو بیان فرماتے ہیں۔

چوں کسا دہد یکجا شد پدید شمساری شان ہم می کشید
یعنی جب ہدیہ کا کھوٹ آنجا جگہ ظاہر ہو گیا تو انکو شمساری واپس ہٹاتی تھی مطلب یہ کہ جیسا انکو معلوم ہو گیا کہ سونا تو یہاں بالکل بے قدر شے ہے اور اسکی تو یہاں کچھ بوجھ ہی نہیں ہے تو یہ حالت تھی شرمندگی کو ماری انکا قدم آگے نہ اٹھاتا اور نہ چاہتے تھے کہ واپس لیکر چلے جاویں مگر

باز گفتند از کساد و از روا چسیت بر ما بنده فرمائیم ما
یعنی پھر کہتے کہ ہمیں کھوٹے کھرے سے کیا مطلب ہم تو حکم کے بندے ہیں۔
گھر زور و خفاک مارا بردنی است اور فرماندہ بجا آوردنی است
یعنی خواہ سونا ہو خواہ مٹی ہو ہمیں تو لیجانا ہے اور حاکم کا حکم بجا لانا ہے۔

گر بفرمائید کہ واپس برید ہم بفرمان تحفہ را باز آوری
یعنی اگر فرمادیں گے کہ واپس لیجاؤ تو حکم ہی کی وجہ سے تحفہ کو واپس لے آؤ۔
اور فرمان را ہی بایست شنید تا بدانجا بدیدہ را بایست شنید

یعنی امر و فرمان کو سنتا چاہئے۔ اور وہاں تک ہدیہ کو لیجانا چاہئے مطلب یہ کہ اول تو اس
سوئے کے فرش والے جنگل کو دیکھ کر انکو بھی شرمندگی ہوئی۔ اور چاہا کہ سب ہدیہ وغیرہ لیکر
واپس چلو بھلا یہاں یہ ہدیہ پیش کرنا کونسی عقل کی بات ہے۔ مگر یہ خیال ہوا کہ میان ہم تو حکم کے
بندے ہیں ہمیں کیا حاکم کا حکم ہے کہ اسکو وہاں تک پہنچا دو پس ان کے حکم کی وجہ سے ہم
وہاں لئے جاتے ہیں پھر اگر وہاں بقید ہو گیا اور وہ قبول نہ فرمادیں گے اور حکم واپسی کا دینے
تو ان کے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے واپس لے آؤں گے غرض ہر حالت میں
ہمیں تو حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ یہاں تک کہ بلیقیس کے حکم کی تعمیل ہے کہ اس ہدیہ کو لیجا کر
پیش کر دیں پھر اگر وہ واپس کریں تو واپس لے آنا ان کے حکم کی تعمیل ہوگی پس یہ سوچ کر ہدیہ
لیکر روانہ ہو گئے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

پس رواں گشتند ہدیہ اوراں تا بہ تخت آں سلیمان جہاں
یعنی پس ہدیہ لانے والے تخت سلیمان جہاں کی طرف روانہ ہوئے مطلب یہ کہ یہ سوچ کر
کہ ہم تو بندہ فرمان ہیں وہ ہدیہ لیکر روانہ ہو گئے۔

خندہ اسل آمد چون سلیمان آن بدید کہ شماسن کے طلب کر دم مرید
یعنی جب سلیمان علیہ السلام نے اس ہدیہ کو دیکھا تو آپ کو ہنسی آئی (اور فرمایا) کہ میں نے
تم سے زیادہ دینی کو کب طلب کیا تھا (اور فرمایا کہ)

من نمی گویم مرا ہدیہ دید بلکہ گفتنم لائق ہدیہ شہنوی

یعنی میں نے یہ تو نہ کہا تھا کہ مجھے ہدیہ دو۔ بلکہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ تم ہدیہ (دینے) کے لائق ہو جاؤ۔

کہ مر از غیب نادرد ہدیہ پاست کہ بشر آنرا نیاز و نیز خواست
یعنی کہ میرے پاس غیب سے عجیب عجیب ہدیے ہیں کہ بشر انکو مانگ ہی نہیں سکتا۔ مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب اس ہدیہ کو دیکھا تو آپ ہنسے اور فرمایا کہ میں نے تم سے یہ کب کہا تھا کہ تم مجھے مال و دولت اور ہدیے دو بلکہ میرا مقصود تو یہ تھا کہ تم مجھے فیضیاب ہو کر اس قابل ہو جاؤ کہ ہدیہ دے سکو اسلئے کہ تم ابی تک تو نجاست شرک کے سب سے اس قابل ہی نہیں ہو کہ ہدیہ بھی دے سکو لہذا اول تم اس قابل ہو جاؤ پھر دیکھا جاوے گا مجھے ابی ہدیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ میرے پاس تو عالم غیب کے ایسے ایسے علوم و معارف موجود ہیں کہ اور کسی کے پاس ہونا تو درکنار ان کی کوئی درخواست ہی نہیں سکتا کیونکہ ان تک تو کسی کا وہم ہی نہیں ہو سکتا لہذا ان ہدیوں کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میں خود تمہیں کو فیضیاب کر دوں۔

می پرستید اختر کے کو زر کند رو با و آرید کو اختر کند

یعنی تم ایک ستارہ کو پوجتے ہو جو سونا بناتا ہے اسے اور ہر توجہ کرو جو ستارہ کو بناتا ہے مطلب یہ کہ تم جو خمس پرستی کرتے ہو تو صرف اسلئے ظاہر افعال کو دیکھ کر کہ تمکو انہیں قدرت کا شبہ ہو گیا اسلئے اسکی پرستش کرنے لگے ہو۔ لیکن تمکو چاہئے کہ ان بات کی طرف متوجہ ہو جو خود اس ستارہ کو پیدا کرتا ہے یعنی حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرو اور ان ستاروں کی عبادت کو ترک کرو۔

می پرستید آفتاب چرخ را خوار کردہ جان عالی نرخ را

یعنی تم آفتاب چرخ کو اپنی جان عالی نرخ کو ذلیل و خوار کر کے پوجتے ہو۔ مطلب یہ کہ تمہاری روح جو کہ بہت عالی مرتبہ اور گراں قیمت ہے اسکو اس آفتاب چرخ کی عبادت میں لگا کر تم نے ذلیل و خوار کر رکھا ہے۔ اور اسکی بھی قدر کوور کی ہے کیونکہ آفتاب کی توفیق اتنی قدر اور اسقدر مرتبہ ہے کہ۔

آفتاب از امر حق طبلخ مات ابلی باشد کہ گویم او خداست
یعنی آفتاب امر حق کی وجہ سے ہمارا طبلخ ہے تو (سراسر) ہو قونی ہے کہ ہم اسکو خدا
کیسں مطلب یہ کہ آفتاب تو مثل ایک ملازم کے ہے جو حکم حق کی وجہ سے ہلکوا کر دی ہوتا
رہا ہے ورنہ فی حد فائے اسکو مستند کوئی قدرت نہیں پھر جو چیز کہ ایک نوکر کی حیثیت کہتی
ہو اسکو خدا کہتا سراسر حماقت نہیں تو کیا ہے۔

آفتاب گر بگیرد چوں کنی آں سیاہی ز تو چوں بزی کنی
یعنی اگر حق تعالیٰ تیرے آفتاب کو لے لیں تو تو کیا کرے۔ اور اس سیاہی کو اُس سے
کس طرح الگ کرے۔

نئے بدرگاہ خدا آری صداع کیں سیاہی را بر وادہ شعاع
یعنی کیا درگاہ حق میں زاری کو نہ بلاوے کہ اس سیاہی کو دور کرے اور شعاع غایت فنا
مطلب یہ کہ دیکھو اگر حق تعالیٰ اس سورج کو منکسف فرما دیں اور اسکی روشنی کو سد فانیس
تو اسوقت تم ہی بتاؤ کہ کس طرح اُسکے اندر روشنی ہو نچا و بس اسوقت تو تم ہی اللہ تعالیٰ
ہی سے کہو کہ اے اللہ اسکو روشن کر دے جیسا کہ مشاہد ہے کہ جب کوئی مصیبت آتی ہے
تو اسوقت ہر شخص کو خواہ وہ مشرک ہو یا موحّد خدا ہی یاد آتا ہے تو پھر جب مصیبت میں
یاد کرتے ہو تو پھر حالت میں اُسی کو کیوں یاد نہیں رکھتے۔ آگے اور اُنکا بجز نبیان فائے ہیں کہ
گمشدّت نیم شب خورشید کو تابناکی یا اماں خواہی از رو
یعنی اگر تجھے آدھی رات کو قتل کرنے لگیں تو بتا کہ خورشید کہاں ہے تاکہ تو اُسکے آگے
روئے یا اُس سے امن چاہے۔

حوادث اکثر شبہ واقع شود و آن زمان معبود تو غائب بود
یعنی حادثے اکثر شبہ ہی کو واقع ہوتے ہیں اور اسوقت تیرا معبود غائب ہوتا ہے مطلب
یہ کہ دیکھو اگر رات کو کوئی حادثہ پیش آجائے۔ اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ حادثات
رات ہی کو پیش آتے ہیں تو اسوقت آپ کے معبود عاصی غائب ہوتے ہیں پھر بتاؤ کس
مدد چاہو گے اور معبود کو مدد کیلئے کہاں سے بلاؤ گے تو پھر ایسے کو معبود ہی کیوں بنایا

جاوے۔ جو غائب ہو۔ اُس کو کیوں عبود نہ بنایا جاوے جو ہر وقت حاضر و ناظر ہو۔ اور ہر گہری
مردگار ہو۔

سوائے حق گر راستانہ خم شوی واری از اختران محرم شوی
یعنی حق تعالیٰ کی طرف اگر راستوں کی طرح تو خم ہو تو ستاروں سے چھوٹ جائے اور محرم ہو
چوں شوی محرم کشایم با تو لب تا پیمانی آفتاب نیم شب
یعنی جب تم محرم ہو جاؤ گے تو کس تم سے لب کو لونگا۔ یہاں تک کہ تم اُدھی رات کے
آفتاب کو دیکھ لو گے مطلب یہ کہ تم متوجہ حق ہو تو تم ان سب چیزوں سے چھوٹ کر محرم
اسرار حق ہو جاؤ اس وقت میں تم سے علوم و معارف واسرار کو ظاہر کروں تو تم کو مشاہد
جمال باری ہو جو کہ رات دن رخشان ہے۔ مگر۔

جز رواں پاک اور اشراق تے در طلوعش روز و شب با فرق تے
یعنی موائے جان پاک کے اُسکا شرق نہیں ہے اور اسکے طلوع میں روز و شب کا فرق نہیں ہے
مطلب یہ کہ اُسکی تجلی ارواح مقدسہ اور جاہائے پاک انبیاء و اولیاء ہی پر ہوتی ہے۔ اور
اُسکے لئے یہ لازمی نہیں ہے کہ دن ہو تو اُسکی تجلی ہو ورنہ نہ ہو بلکہ وہ تو ہر وقت جلوہ افکن ہے
مگر اُسکی تجلی کو صرف انبیاء و اولیاء اشرفی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ لہذا اگر تم ہی ایسے ہو جاؤ
تو تم پر ہی وہ تجلی ہو جاوے گی اُسکی تو یہ شان ہے کہ۔

روزاں با شد کہ او شارق شود شب ماند شب چای و بارق شود
یعنی دن وہی ہے کہ وہ نکلا ہوا ہو اور رات نہ رہے جب وہ چمکے مطلب یہ دن
تو اصل میں وہی ہے جبکہ اُسکی تجلی ہو ورنہ بے اُسکی تجلی کے دن دن نہیں ہے اور اگر
اُسکی تجلی رات میں ہو تو رات مظلم نہ رہے بلکہ وہ بھی منور ہو جاوے۔ ب
چوں نازدیر پیش آفتاب خور چنانچہ شد زراں انوار و تاب
یعنی جس طرح کہ آفتاب سامنے ذرہ (سفید) ہوتا ہے آفتاب اُن انوار اور چمک کے لگے
ایسا ہی ہوتا ہے۔

آفتابے را لہ رخشان می شود ویدہ پیش کشد و حیران می شود

یعنی جو آفتاب کہ چلتا ہے اسکی نگاہ اسکے آگے گزرا اور حیران ہوتی ہے۔

ہیچو ذرہ بیغیش در نور عرش پیش نور سجد موفور عرش
یعنی نور عرش میں اور عرش کے نور بے نہایت کے آگے اسکو ذرہ کی طرح دیکھو گے۔
خوار و مسکین مثنیٰ اور امیرارہ دیدہ راقوت شدہ از کردگار
یعنی اسکو خوار اور مسکین اور بقرار دیکھو گے (جبکہ) آنکہ کو حق تعالیٰ کی طرف سے قوت
ہو جاوے گی مطلب یہ ہے کہ اُس نور کے آگے اس آفتاب ظاہر کی جسکی کہ اسے اہل سیاتم
عبادت کرتے ہو اسی مثال ہے جیسی کہ اسکے سامنے ایک ذرہ ہو کہ اُس ذرہ کی چمک اس
آفتاب ظاہر کی چمک کے آگے بالکل بمقدور ہے اسی طرح جب تم کو حق تعالیٰ بصیرت عطا
فرمادیں گے اسوقت تم کو اس آفتاب ظاہر کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی۔ آگے اس قوت
حق کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ

کیمیائے کما زو یک ماشری بر د خاں انما دو گشت آن ختری

یعنی ایک ایسی کیمیا ہے کہ اسکا ایک اثر دہویں پر پڑا تو وہ ایک ستارہ ہو گیا۔

تا در اکسیرے کہ از فے نیم تاب بر ظلا فز و یکدوش آفتاب
یعنی ایک عجیب اکسیر ہے کہ اسکی آدھی چمک ظلمت پر پڑی تو اسکو آفتاب کر دیا۔
بوالعجب بتا گری کہ ز یک عمل بست چند بخل صیثا بر زحل

یعنی عجیب کاری گری ہے کہ ایک عمل سے زحل پر اسقدر خاصیتیں باندھ دی ہیں۔

باقی اختر ہا و گوہر ہا و جاں ہم بریں مقیاس لای طالب دباں

یعنی ای طالب باقی ستاروں اور گوہر ہائے جاں کو اسی قیاس پر سمجھ لو۔ یعنی جس طرح

ہم نے بتایا ہے کہ اسکی تجلی سے آفتاب میں نور آیا زحل میں کیا کیا خاصیتیں پیدا ہوئیں
تو اسی طرح تم اور چیز و نمونہ دیکھو کہ کس کس پر کیا اثر ہوا ہے۔ تو جسکی یہ قدرت اور حیران
ہے وہ اگر تمھاری روح پر تجلی کرے گا تو اسکو کس قدر کامل کر دے گا ظاہر ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

دیدہ حستی ز لبون آفتاب دیدہ ربانی جو و و بیاب

یعنی دیدہ حستی تو آفتاب سے عاجز ہے تو تو دیدہ ربانی کو تلاش کرو اور پالے مطلب یہ کہ

تیری یہ ظاہری آنکھ اس آفتاب ظاہر کے آگے عاجز اور بیکار ہو جاتی ہے مگر جبکہ تم حقیقت حق
میں حاصل کر لو گے تو اسوقت تمھاری نگاہ اس سے عاجز نہو گی۔ اور پھر نکو آن اور و
تجلیات کا مشاہدہ ہو گا جبکہ آگے یہ آفتاب بالکل پہنچ ہے اور اسکا نور کچھ بھی نہیں ہے
اور جب تم دیدہ ربانی حاصل کر لو گے تو یہ ہو گا کہ۔

تازہ بول گرد یہ پیش آن نظر شعشات آفتاب باشر
یعنی تاکہ اُس نظر کے آگے آفتاب باشر کی شعاعیں پہنچ ہو جاویں۔

کان نظر نور سے و این نار سے بود نار پیش نور میں تار سے بود
یعنی کیونکہ وہ نظر ایک نور ہے اور یہ ایک نار ہے تو نار نور کے آگے تو بالکل تاریک ہوتی ہے
مطلب یہ کہ جب تم دیدہ ربانی حاصل کر لو گے تو پھر اس آفتاب ظاہر کی شعاعیں بالکل جیسے
ہو جاویں گی اور اس آنکھ کے نور کے آگے انکا نور کچھ ہی نہ رہے گا کیونکہ اُس آنکھ میں تو نور
حق ہو گا۔ اور یہ آفتاب ایک آگ ہے تو ظاہر ہے کہ آگ نور کے آگے تو بالکل نظم ہی ہو گی
لہذا آنکو چاہئے کہ نور بصیرت حاصل کر دے۔ آگے ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ ایک
بزرگ تھے انکی یہ کرامت تھی کہ آنکورات میں بھی دیکھی طرح دکھائی دیتا تھا۔ تو یہ کرامت
اُن میں اُس نور ہی کی بدولت پیدا ہوئی تھی کہ جسوقت یہ آفتاب جو کہ ناری و غروب
ہو جاتا تھا اسوقت بھی اُنکا نور درخشاں و تاباں رہتا تھا جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ
اس نور سے وہ نور بدیدہ جفا افضل ہے۔

شرح حسیبی

شیخ عبد اللہ مغربی قدس سرہ کی کرامت اور نور کا قصہ

شصت سال از شنبہ دیم من شنبی
نے بروز دے شنبہ از اعتدال

گفت عبد اللہ شیخ مغربی
من ندیدم ظلمت در شصت سال

صوفیان گفتند صدق قال او
 در بیابانہائے پُر از خار گو
 روئے پس تا کردہ می گفتہ بشب
 باز گفتے بعد یکدم سوائے راست
 روز گشتے پائے بوش گشتہ ما
 روز گشتے پائے راماپائے بوس
 تے ز خاک و نئے ز گل بروے اثر
 مغربی را مشرقی کردہ خدائے
 نور این شمس شمس فارس است
 چون نباشد فارس آن نور مجید
 تو بنور او می رود در اماں
 پیش پیشیت می رود آن نور پاک
 یوم لا یختری البنی را راست ماں
 گر چه گردد در قیامت آن فزون
 کو بہ بخشد ہم بہ میغ و ہم بہ ماغ

شب ہی رستم درد نبال او
 اور چو ماہ بدر مارا پیش رو
 ہیں گو آمد میل کن در سوائے چپ
 میل کن زیرا کہ خارے پیش پا است
 زانکہ بودش پاک از گل ہر دو پا
 گشتہ پاپایش چہ پاپائے عروس
 نر خراش خار و آسب حجر
 کردہ مغرب را چو مشرق نور زائے
 روز خاص عام را او حارس است
 کہ ہزاراں آفتاب آرد پدید
 در میاں اژدہا و کژدماں
 می کنند ہر نہر تے را چاک چاک
 نور سیغہ بین ایدہ ہم بخواں
 از خدا نیجا بخواہد از نموں
 نور جاں و اللہ اعلم بالبلداغ

ایک مرتبہ شیخ عبد اللہ مغربی قدس سرہ نے بیان فرمایا کہ میں نے ساٹھ برس سے رات
 کے اندر رات کی صفت نہیں دیکھی۔ اور بوجہ رات دن کے یکساں ہونیکے اس ساٹھ برس

عصر میں نہ کبھی دن کو تاریکی دیکھی نہ رات کو دیگر صوفیوں نے ان کے اس بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہم رات کو اٹکے بیچے بیچے گزرتوں اور کانٹوں والے میدانوں میں کو جایا کرتے تھے اور وہ چودہویں رات کے چاند کی طرح ہمارے آگے آگے ہوتے تھے اور رات کے وقت یوں منہ موڑے کہ تیرتے تھے کہ دیکھو تمہاری سامنے گڑا اگیاس ہے ذرا بائیں جانب کو ہو جاؤ پھر کہتے کہ دیکھو تمہارے پاؤں کے سامنے کاٹنا ہے۔ ذرا دائیں کو ہو جاؤ دن ہوتا تو ہم قدیم سی حاصل کرتے کیونکہ انکے دونوں پاؤں مٹی سے پاک تھے یعنی عالم سفلی سے وہ بے تعلق ہو چکے تھے اور ان کی پالوسی کیساتھ دن ہوتا یعنی دن ہو جو ہو کر آپکے قدم چومنا سزا (ہمیں اشارہ ہے ان کے کمال عظمت اور انکے پاؤں کی کمال صفائی کی طرف) تو ان کے پاؤں دو لہنوں کے پاؤں کی طرح صاف ہوتے تھے۔ نہ تو ان پیر مٹی کا اثر ہوتا تھا نہ گارے کا۔ نہ آئین کلنے کی خراش ہوتی تھی اور نہ پتھر کا صدمہ۔ حق سبحانہ کی قدرت دیکھو کہ اُسے مغربی کو مشرقی کر دیا تھا۔ یعنی ایک مغرب کے رہنے والے کو مطلع انوار بنا دیا تھا۔ اور ملک مغرب کو مشرق کی طرح نور زابنا دیا تھا۔ (یہ استعراب بتا کر ظاہر عنوان ہو رہے حقیقت میں استعراب کی کوئی وجہ نہیں) اسی شہسوار میدان عرفان اور شمس شمس کا نور ہے۔ کہ خاص عام کے دن کا محافظ ہے۔ (یہ بات اس کے معنی میں کہ روز متعارف کے نور کا محافظ ہے یا یہ کہ انیس جو لوگ محفوظ ہوتے ہیں وہ اسی نور کی حفاظت کا اثر ہے) اور وہ نور بزرگ کیونکہ محافظ ہو وہ تو خدا کا وہ نور ہے جو کہ ہزاروں آفتابے جو جو کرتا ہے پھر اسکا روز خاص عام کا محافظ ہونا کوئی بڑی بات ہے۔ پس جبکہ یہ نور محافظ ہے تو تم شیخ مذکور کے اس نور کو مقتدا بناؤ اور آئیں اڑو ہے اور بچو وں کے درمیان مامون چلے جاؤ (ف نور شیخ مذکور سے مراد نور ہر کامل ہے۔ کیونکہ وہ نور بالذات حق سبحانہ کا نور ہے جو ہر ایک کامل کو نصیب ہوتا ہے اسلئے جو نور شیخ عبد اللہ کے پاس ہے وہی نور اور اہل اللہ کے پاس بھی ہے۔ پس کسی کامل کی روشنی میں چلنا شیخ مذکور ہی کی روشنی میں چلنا ہے) یہ نور تمہارے آگے آگے چلے گا۔ اور ہر رہزن کو پیارہ پیارہ کر دیگا۔ تم لوگ بخیر فی اللہ البینہ والذین آمنوا معنی نور ہر شیخ بین ایدہ بھیجے کو صحیح سمجھو اور پوچھو تاکہ تمہیں ہمارے

بیان کی تصدیق ہو گو یہ نور قیامت میں تو بہت ہی زیادہ ہو گا مگر تم دنیا میں ہی اس سے اسکا نمونہ مانگو۔ اس لئے کہ وہ بہت دینے والا ہے کہ ابراہیمؑ کو اور کئی تک کو نور جان عطا فرماتا ہے۔ پس اگر تم اس سے باقاعدہ طلب کرو گے تو تم کو دینے میں دریغ نہ کرے گا۔ واللہ اعلم بحقیقتہ ما ببلغنا۔

شرح شبیری

شیخ عبد اللہ مغربی قدس سرہ کی کرامت اور نور کا قصہ

گفت عبد اللہ شیخ مغربی شخصیت الازہر شہید مہربانی

یعنی حضرت عبد اللہ مغربی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ساٹھ برس میں تیرے رات سے رات ہوتا نہیں دیکھا۔ مطلب یہ کہ رات میں جو ایک صفت ہو رات ہونا جسکا مقتضا ہے تاریکی میں نے ساٹھ سال سے اسکو نہیں دیکھا یعنی ساٹھ سال سے رات کو اندھیرا معلوم ہی نہیں ہوا۔ بلکہ رات کو ہی روشنی اور نورانیت ہی معلوم ہوتی ہے۔

من ندیم ظلمتہ در حضرت سال نے بروزوئے بشاک اعتدال

یعنی میں نے ساٹھ برس میں کوئی ظلمت دیکھی ہی نہیں نہ دنکو نہ رات کو اعتدال کیوجہ سے۔ یعنی چونکہ میرے اندر اعتدال پیدا ہو گیا ہے اسوجہ سے مجھے ظلمت نظر ہی نہیں آتی۔ نہ دنکو نہ رات کو بلکہ مجھے ہمیشہ نور ہی نور معلوم ہوتا ہے۔

صوفیان گفتند صدق قالو شب ہی رفتیم در دنبال او

یعنی صوفیوں نے ان کے قول کی تصدیق فرمائی۔ کہ رات کو ہم اون کے پیچھے چلے یعنی دیگر صوفیہ نے یہی جو ان کے زمانہ میں تھے ان کے اس قول کی تصدیق کی اور انکی تصدیق میں ایک مرتبہ کا قصہ بیان کیا کہ ایک دفعہ رات کو ہم ان کے پیچھے پیچھے چلے۔

در بیابانہائے میراز خار و گو او چو ماہ بدر مارا پیش رو

یعنی کانٹوں اور گرشوں سے بھرے ہوئے بیابانوں میں وہ چودہویں رات کے چاند طرح

ہمارے رہتا تھے۔

یہ نئے پس ناگرہ میگفتا و شیب ہیں گواند میل کن در جوت

یعنی یہ منہ پھیرے ہوئے وہ رات کو کدیتے تھے کہ اسے گرہا آگیا یا میں کو کچھ مطلب یہ کہ سید ہے چلے جا رہے تھے اور جہاں کوئی گرہا وغیرہ آتا تو بے تکلف بتا دیتے کہ ادھر کو پوچھو۔ انکو دیکھنے میں اہتمام کی ضرورت نہوتی تھی۔

باز گفتے بعد یکدم سوئے رست میل کن بر آگے خارے پیش پا ست

یعنی پھر ایک دم کے بعد فرماتے کہ داہنے کو پوچھ اسلئے کہ ایک کانٹا پاؤں کے سامنے ہے روز گشتے پائے بوسش گشتہ ما ترا کہ بووٹن پاک از گل بہر دویا
یعنی دن ہوا تو ہم ان کے پائے بوس ہوتے اسلئے کہ ان کے دونوں پاؤں ٹٹی (وغیرہ) سے صاف ہوتے تھے۔

روز گشتے پاش پامائے بوس گشتہ پامائش جہا پامائے عروس

یعنی دن ہوا تو انکی قدمبوسی کرتے ساورائے پاؤں دولہن کو کیا ونکی طرح ہوتے تھے (کیونکہ) نے رخاک نے زگل برے ساثر نمرخراش خارو آسب جمر
یعنی نہ خاک کا اور ٹٹی کا رے کا آئینہ کوئی اثر نہوتا ساور نہ کوئی کانٹے کا خراش ہوتا اور نہ پتھر کی رگڑ ہوتی۔

مغربی را مشرقی کردہ خدا کردہ مغرب را چو مشرق نورزا

یعنی مغربی کو حق تعالیٰ نے مشرقی کر دیا تھا اور مغرب کو مشرق کی طرح نور کا بڑھا ہوا لاکر دیا تھا مطلب یہ کہ حضرت مغربی نے جو باوجود نور عطا فرمادینے کے ایسا کر دیا تھا گویا کہ آئینہ مشرقی ہیں کیونکہ مشرق ہی سے نور پیدا ہوتا ہے اور مغرب میں تو اور غروب ہو جاتا ہے لیکن باوجود مغربی ہونیکے نورانی تھے اور انکا جو شہر تھا مغرب بوجہ ان کے نور کے وہ گویا کہ مشرق ہو رہا تھا۔

نور این شمس شمس قارس است روز خاص عام او عارس است

یعنی اس شمس شمس قارس کا نور جو کہ قارس ہے خاص عام کے دن کیلئے نگہبان ہے۔ مطلب یہ کہ

یہی نور حق جو کہ بزرگوں میں ہوتا ہے اس نور ظاہر کا بھی نگہبان ہے۔ ورنہ اگر وہ نور نہ ہو تو نور ظاہر ہی نہیں رہ سکتا۔

چوں نباشد چارساں آن مجید
کہ ہزاران آفتاب آرویدید
یعنی اگر وہ نور بزرگ نگہبان نہ ہو تو ہزاروں آفتابوں کو کون ظاہر کرے مطلب یہ کہ اگر وہ نور حق نہ ہو تو ان حضرت آفتاب ہی میں کہاں سے نور پیدا ہو سکتا ہو آگے فرماتے ہیں کہ
تو نور او بھی رو دراماں در میان اژدہاؤ کژدہاں

یعنی تم ان کے نور سے اس میں ہو کر اژدہوں اور چیموؤں میں چلو (اژدہاؤں اور چیموؤں سے مراد شیاطین ہیں) مطلب یہ کہ نور حق کو حاصل کر کے تم شیاطین کی شر سے بیکھر ہو کر راستہ قطع کرو۔ اور بیکھر رہو۔ اس نور کے حصول کے بعد تم کو بیکھر شیطان نہ ستاوے گا۔ جیسا کہ خود ارشاد حق ہے انا لیس لہ سلطان علی الذین امنوا
وعلیٰ رھمہم بیت کلون کہ اسکا قابو مومنین کا ملین پر نہیں چلتا۔ بلکہ یہ حالت ہو جاوے گی۔

پیشینیشیت میرود آن نور پاک
میکند ہر نہرے را چاک چاک
یعنی وہ نور پاک تھا جس کے آگے چلتا ہے۔ اور ہر نہر کا قلع قمع کر دیتا ہے آگے
اس قول پر قرآن شریف سے استشہاد لاتے ہیں اور پھر اس پر جو ایک اعتراض پڑتا تھا
اسکو دفع فرما دیں گے۔ فرماتے ہیں کہ۔

یوم النحر می البنی را رستخان نور سیغی بین ایدیم بخواں

یعنی (آیت) یوم النحر می البنی را رستخان کو بیچ جانو اور نور ہلہ سیغی بین ایدیم
کو پڑھو۔ مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف میں یوم النحر می البنی را رستخان
معنی نور ہلہ سیغی بین ایدیم و یا ما نھم جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قیامت
میں مومنین اور انبیاء کا نور ان کے آگے آگے چلیگا۔ جیسا کہ ہم نے ہی کہا ہے اس پر یہ شبہ
ہوتا ہے کہ اچھا اگر یہ بیان ہی لیا جائے تو پھر یہ بات تو قیامت میں حاصل ہوگی دنیا
میں تو یہ بات نہ ہوئی۔ آگے اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

گرچہ گرد و در قیامت آن فرس از خدا اینجا بخواں ہدایہ آمون

یعنی اگرچہ قیامت میں وہ زیادہ ہو جاوے گا (لیکن) حق تعالیٰ سے تم سب کی غوثہ طلب کرو۔ مطلب یہ کہ قیامت میں جو نور ہو گا وہ ہمیں کا نور ہو گا صرف اتنا ہو گا کہ وہاں یہ نور زیادہ ہو جاوے گا اور بڑھ جاوے گا۔ لیکن نمونہ کے طور پر وہ نور ہو گا دنیا ہی میں۔ تو جیسا بعد از مادی کے وہ آگے آگے چلیگا۔ یہاں مقور سے ہونے کی حالت میں ہی اگرچہ تو کیا عجیبہ کو بہ بخش ہم یہ بیخ و ہم باغ نور جان و انشا علم بالبلایع یعنی کہ حق تعالیٰ ابر کو اور دہویں کو نور جان بخشے ہیں و انشا علم بالبلایع مطلب یہ کہ حق تعالیٰ سے تم نور جان کی درخواست کرو کہ وہ تم کو عطا فرماوے کیونکہ وہ تو ابر کو اور دہویں تک کو اس کے مناسب جو نور ہے عطا فرمائے ہیں تو پھر تم کو تو کیوں عطا نہ ہو گا آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام اور قاصدان بلقیس رضی اللہ عنہا کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے قاصد و نکوح اس میں یہ واپس مایا دنیا اور ان کو دعوت ایمان دینا اور شمس پرستی کو ترک کی ہدایت کرنا

باز گردید اے رسولان نخل	زیر شمار اول بآرید دل
ایں زمین ہر سر آں زہنید	کورئے تن فرج استر ادرہید
فرج استر لائق حلقہ زراست	روے عاشق روے زرد و صفر است
کہ نظر گاہ خداوند دست آن	کہ نظر انداز خورشید دست کان
کو نظر گاہ شعلہ آفتاب	کو نظر گاہ خداوند لباب

از گرفت من زجاں اسپر کنید	گرچہ اکتوں ہم گرفتار منید
مرغ فتنہ دانه بر بام است او	بر کشادہ بستہ دام است او
چوں بدانہ دارد او دل را بجای	ناگرفتہ مرد را بگرفتہ داں
آں نظر کہ سوئے دانه می کند	آں گرہ داں کو سپا پر میزند
دانه گوید گر توئے دزدی نظر	من ہی دزدوم ز تو صبر و مقر
چوں کشاید اں نظراں سو ترا	پس مدام از خوشی تن غافل مرا
چوں کشیدت آں نظر اندر پیہم	پس بدانی کہ تو من غافل نیم

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے شرماے ہوئے قاصد و تم واپس ہو جاؤ۔
 سونا تمہیں کو نصیب ہو ہمیں اسکی ضرورت نہیں ہمارے پاس تو دل لاؤ اور ہمارا زخماں
 اس زرد قلب پر رکھو۔ اور اس سبب کو ری تن کو خجری کی خج کو دو۔ کیونکہ خجری کی فرج ہی
 حلقہ زرد کے قابل ہو۔ عاشق کی دولت اور اسکا سونا تو روئے زرد ہے (ف فرج اسٹر لائن
 حلقہ زرد کی تفصیل یہ ہے کہ خجری کو اگر محل رہ جاتا ہے تو بچہ ہونے کے وقت وہ اکثر لڑکا
 ہو جاتی ہے۔ اسلئے جفتی سے روکنے کیلئے اسکے مقام مخصوص میں سونیکا حلقہ ڈال دیتے ہیں پس
 مولانا نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے) زرد روئے زرد اور زرد کانی میں یہ فرق نہ
 خست اسلئے ہے کہ زرد روئے زرد محل نظر رحمت خداوندی ہے۔ اور زرد کانی محل نظر خورشید
 ستعارت۔ پھر بھلا کجا محل نظر شعاع آفتاب اور کجا محل نظر حق سبحانہ دونوں میں تفاوت
 عظیم ہے اچھا اب تم جاؤ اور کہد کہ میری گرفت کیلئے جان کو سپر بناؤ۔ اگرچہ تم اب بھی میر
 پنجہ میں ہو مگر تمہیں ابھی تانکا احساس نہیں۔ اسلئے اب میں وہ پیکر بکڑو لگا جسکو تم ہی سمجھو
 یہ جو میں نے کہا ہے کہ تم اب بھی میرے گرفتار ہو یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک پرند کو ٹھے پر ہو مگر
 دانہ اے دام کو لچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہو۔ یہ جانور کو کہ ٹھے پر ہے مگر پروں کے
 کھٹے ہو نیکی جالیں ہی وہ جال میں پھنسا ہوا ہے کیونکہ جیسا اس نے دانہ اے دام میں

پھنسا لیا تو اسکو عدم امیری کی حالتیں ہی پھنسا ہوا سمجھنا چاہئے۔ اور حیب وہ دانہ پر
نظر ڈالتا ہے تو اسکو سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنے پاؤں میں ایک گرہ دیتا ہے۔ اور دانہ اس
کتاب ہے کہ اگر تو مجھے زردیدہ نظر سے دیکھتا ہے تو کیا مضائقہ ہے میں بھی تیرا صبر و قرار چرا
رہا ہوں۔ اور جبکہ تیری نظرتے مجھے اس طرف کھینچا ہے تو مجھے بھی تو اپنے سے غافل نہ سمجھ
اور جبکہ اس نظرتے مجھے میری طرف کھینچا ہے تو مجھے سمجھنا چاہئے کہ میں تجھ سے غافل نہیں
ہوں خلاصہ یہ کہ تم ان مبادی میں گرفتار ہو چکی بنا پر بشرط عدم ترک میری گرفت ضرور تیر
واقع ہوگی اسلئے یہ کہہ دینا کچھ بعید نہیں کہ تم ہنوز میرے گرفتار ہو۔ اب ہم مضمون بالا کے
مناسب ایک حکایت سناتے ہیں سنو۔

شرح شبیری

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے قاصدوں کو مع اس بیچ کے
واپس فرما دینا اور ان کو دعوت ایمان دینا اور شمس پرستی کے
ترک کی ہدایت کرنا

باز گردید اے ہول لاں خجل زر شمارا دل با آرید دل

یعنی (حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ) اے قاصدان شرمندہ ہونا تمہارے
ہی لئے ہے ہمارے پاس تو دل لاؤ دل مطلب یہ کہ اپنے فرمایا کہ اے قاصد جو کہ سونا
لا کر بھی شرمندہ ہوئے ہو اس ہونے کو تم واپس لے جایاؤ اور میرے پاس تو تم دل لاؤ صاف سہ
خالص ہونے کی طرح۔ اسکی میرے یہاں قدر ہے اور اس خوشی تو یہاں کچھ بھی قدر نہیں ہے
جیسا کہ تم نے خود مشاہدہ کر لیا۔

ایں زر من بر سر آن ز زہید کوری تن فرج استر او ہید

یعنی میرا یہ ہونا اس ہونے پر رکھو اور یہ کوری تن فرج استر کو دو۔ (یہاں زر من سے مراد)

معرفت الہی ہے اور آں زر سے مراد اونکا دل ہی مطلب یہ کہ میرے پاس جو معرفت حق ہے اور محبت الہی ہو۔ اسکو لہجہ کر اپنے قلوب میں رکھو۔ تو اس سے تمہارا دل ہی خالص اور پاک ہو جاوے گا۔ اور یہ سونا جو کہ بدن کی ظلمت کا سبب ہے تم خجری فرج میں لگا دو یہ ایک قصہ طلب بات ہے وہ یہ کہ یہ تو معلوم ہے کہ خچر گدھے اور گھوڑی جتنی جفتی سے ہوتا ہے لیکن خجروں آپس تو والد تناسل باوجود زرمادہ دونوں ہونے کے نہیں ہوتا اسکی وجہ یہ لکھی ہے کہ اگر خجری کو حمل رہے تو وہ ہلاک ہو جاتی ہے اسلئے جفتی نہیں کرتے لیکن چونکہ خچر کو شہوت ہوتی ہے اور وہ ممکن ہے کہ کوئی ناشایستہ حرکت کر بیٹھے اسلئے فرج خجری میں ایک حلقہ لپٹا ہے گا ڈال دیتے ہیں کہ پھر حضرت خچر کچھ کارروائی کر ہی نہ سکیں۔ لیکن جو رئیس ہوتے ہیں وہ بجائے لپٹے کے حلقہ کے سونے کا حلقہ ڈالتے ہیں اسلئے کہ وہ رئیس صاحب کی خجری تو اسلئے وہاں ہی حلقہ زرہی ہونا چاہئے اسلئے حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سونیکو لہجہ کر خجری کی فلاں جگہ دیدو۔ باقی میرے پاس تو دل کو خالص اور درست کر کے لاؤ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے اگے فرماتے ہیں کہ۔

فرج استہ لائق حلقہ زرد است زرد عاشق لائق زرد و اصغراست

یعنی (اس) سونیکو لائق تو خچر کا فرج ہے اور عاشق کا سونا تو زرد و زرد ہوتا ہے مطلب یہ کہ عاشق حق کے نزدیک تو سونا یہ ہے کہ وہ عشق حق میں سوکھ کر زرد ہو گیا ہو۔ اور وہ زرد چہرہ ہی اسلئے سونا ہے۔ باقی ظاہری سونا تو بس اسی میں دینے کے قابل ہے۔ اور پر اس ظاہری سونے کا بیکار ہونا اور دل کا کارآمد ہونا بیان فرمایا ہے تو آگے ان دونوں باتوں کی وضاحت فرماتے ہیں کہ۔

کہ نظر گاہ خداوند است آن کہ نظر انداز خورشید است کان

یعنی (دل تو اسلئے کارآمد ہے) کہ وہ حق تعالیٰ کی نظر گاہ ہے (اور یہ زرد ظاہر اسلئے بیگانہ) کہ معدن تو خورشید کی نظر گاہ ہے (لہذا)

کو نظر گاہ شمع آفتاب کو نظر گاہ خداوند لباب

یعنی کہاں تو شمع آفتاب کا نظر گاہ اور کہاں خداوند لباب کی نظر گاہ مطلب یہ کہ دل بچ

تجلی حق ہوتی ہے اور اس سونے ظاہر تجلی آفتاب ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ معادن میں شعل آفتاب ہی سے سونا وغیرہ بنتا ہے تو بھلا کہاں تو شعل آفتاب کا فیض اور کہاں حق جل و علا شانہ کا فیض ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ تو جوشے اسکی نظر گاہ ہوگی وہ یقیناً کارآمد ہوگی۔ اور جو اس آفتاب ظاہر کی نظر گاہ ہوگی وہ اسکے آگے بالکل بیکار محض ہوگی خوب سمجھ لو۔ آگے حضرت سلیمان علیہ السلام ان قاصدوں سے فرماتے ہیں کہ۔

اگر گرفت من زجاں اسپر کنید گر چہ اکنوں ہم گرفتار معنید
یعنی میری پکڑ سے جان کو سپر کرو۔ اگر چہ اب بھی تم میرے گرفتار ہو۔ مطلب یہ کہ تم اس کفر و شرک سے باز آ جاؤ اور اپنی جان کو بچا لو ورنہ پھر میں تمکو گرفتار کرونگا۔ اور اگر چہ اسوقت بھی میرے نزدیک تو حقیقت میں تم گرفتار ہی ہو۔ اسلئے کہ تم حرص ہوا میں گرفتار ہو۔ تو اگر چہ بظاہر چھوٹے پھر رہے ہو لیکن دراصل تم قید ہی ہو۔ آگے اس قید ہونکی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

مرغ فتنہ دانہ بر بام است پر کشادہ بستہ دام است او
یعنی جو مرغ مفتوں دانہ کاپے (اگر چہ) وہ پر کھوئے ہوئے کوٹھے پر ہے۔ (لیکن) وہ بستہ دام ہے مطلب یہ کہ جو جانور کہ کوٹھے پر بیٹھا ہوا ہے اور اسکو دانہ کی لالچ آ رہی ہے کہ میں اسکو کھاؤں تو اگر چہ وہ اسوقت پر کھوئے ہوئے بیٹھا ہوا ہے لیکن جو حضرات کہ صاحب بصیرت ہیں ان کے نزدیک اسوقت بھی وہ قید ہی ہے۔ اسلئے کہ آخر کار اسکی یہ حرص اسکو قید کر کے چھوڑے گی۔

چوں بدانہ داد او دل باجاں نا گرفت مرور اب گرفتہ داں
یعنی جیسا میں نے شوق سے دل دانہ کو دیدیا تو بے پکڑ بنے ہوئے اسکو پکڑا ہوا جانو۔
آں نظر کہ سوئے دانہ می کند آں گرہ داں کو پیار می زند
یعنی وہ جو نظر کہ دانہ پر کرتا ہے اسکو گرہ جانو کہ وہ پاؤں میں لگا رہا ہے مطلب یہ کہ وہ جو حرص دہوا کی وجہ سے دانہ کی طرف دیکھ رہا ہے تو وہ گویا کہ ہر نظر کرنے میں پاؤں پر جال کی ایک گرہ لگا لیتا ہے اسلئے کہ یہی نظر انجام میں اسکے لئے گرہ لگنے کا سبب ہو جاوے گی۔

دانہ گوید کہ تو می دزدی نظر من نمی دزدم ز تو صبر و مقرر
یعنی دانہ کہتا ہے کہ اگر تو دزدیدہ لگا ہی کرتا ہے تو میں ہی تجھے صبر و قرار قرار رہا ہوں
یعنی دانہ بزبان حال کہہ رہا ہے کہ تو مجھے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہے اور دزدیدہ لگا ہی
کر رہا ہے تو میں ہی ایک شے تیرے اندر سے چوری کر رہا ہوں یعنی تیرے صبر و قرار کو میں
چپکے چپکے چُرا رہا ہوں کہ وہ تیرے اندر سے کم ہو رہا ہے۔

چوں کشائید آن نظر اس سو ترا پس ملاں از خوشن غافل مرا
یعنی جب اُس نظر نے تجھے اس طرف کھینچا تو مجھے بھی اپنے سے غافل مرنے جانو مطلب
یہ کہ جب اُس نظر نے تجھے مجھ تک پہنچا دیا ہے تو میں ہی تجھ سے غافل نہیں ہوں بلکہ اور تجھے
کھینچ رہا ہوں۔ کہ تجھے اپنے اندر پکڑ لوں۔

چوں کشیدت آن نظر اندریم پس بدانی کہ تو من غافل نیم
یعنی جب وہ نظر تجھے میرے پیچھے کھینچ لگی تو تو جان لگا کہ میں تجھے غافل نہیں بلکہ مطلب
یہ کہ اس وقت تو تو آزاد معلوم ہو رہا ہے لیکن جب یہ نظر تجھے مجھ تک کھینچ لاو گی اور تو مجھ تک
تجھے خبر ہو گی کہ میں ہی تیری تاک میں تھا۔ اور تجھے غافل نہیں تھا۔ اور تو اس نظر سے
کچھ بنا ہی نقصان کر رہا تھا میرا کوئی حرج اس سے نہیں تھا آگے اس پر ایک حکایت لاتی ہیں
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کو مٹی کھانہ کی عادت تھی وہ دوکاندار کے پاس شکر خریدنے
گیا اس دوکاندار کے ہاٹ ملتان مٹی کے تھے اس گلخوار نے اُن ہاٹوں میں سے تو توڑ کر
کھانا شروع کر دیا۔ اور یہ چاہا کہ یہ دوکاندار نہ دیکھے تاکہ میں خوب کھا لوں اور دل میں سمجھا
کہ میں سکی اتنی مٹی کھا گیا تو اس کا نقصان ہوا۔ اور دوکاندار نے جب یہ کیا تو وہ اور بھی غل
ہو گیا اور شکر لانے میں اُس نے اور بھی دیکھی اس نے سوچا کہ یہ تو میرا حرج سمجھ رہا ہے حالانکہ
اس میں خود اسی کا حرج ہے کہ جتنا ہاٹ یہ کھا جاوے گا اسی قدر شکر اس کو کم ملیگا تو اسی طرح وہ جانور
تو سمجھتا ہے کہ میں اس دانہ کو کھا جاؤں گا اور اس کو نیست و نابود کر دوں گا لیکن وہ دانہ بزبان
حال کہہ رہا ہے کہ تو میرا کیا حرج کرے گا میں ہی تجھے قسیدہ بلا میں پھنسا دوں گا خوب سمجھ لو
آگے حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ایک عطار کا کہ اسکے ترازو کے باٹ سر دھونے کی مٹی (ملتان) کے تھو اور ایک خریدار کا جسکو مٹی کھانسی عادت تھی اُس مٹی میں سے تولنے کو وقت چوری کرنے کا قصہ

تاخر دایلوچ وقت خاص و زفت
موضع سنگ ترازو بود گل
ہست نیکو بے تکلف بے سخن
اگر ترا سیل شکر خرید نیست
سنگ میزان ہر چہ خواہی باش کو
سنگ چہ بود گل ز شکر بہتر است
نوعرو سے یافتہ بس خوب فر
کان ستیزہ دختر حلوا اگر ست
دختر او چرب و شیریں تر بود
ایں بہ وہ گل مرا سیوہ دل است
او بجائے سنگ آں گل را نہاد
ہم بقدر آں شکر راحی شکست

پیش عطار کے یکے گلزار رفت
پس بر عطار طرار دو دل
گفت عطار بے جوان دایلوچ من
لیک گل سنگ ترازو من است
گفت ہستم در ہمے قہر جو
گفت باخود پیش آنکہ گل خور است
ہمچو آں واں کو گفت اے سپر
سخت زیبا لیک ہم یک چیز بہت
گفت بہتر اینچنین خود گر بود
اگر نداری سنگ سنگت از گل است
اندر اں کفہ ترازو زاعت داد
بس برائے کفہ دیگر بدست

چوں نبودش تیشہ او دیر ماند
رویش آنسو بود و گل خورنا شگفت
ترس ترساں کہ نیاید ناگہاں
دید عطار آن و خود مشغول کرد
گر بزدی از گل سن می بری
تو ہی ترسی ز من لیک از خری
گر چه مشغولم چساں احمق نیم
چوں بیستی مرشکر از آرمود
مخ از اں دانه نظر خوش میکند
گر زناے چشم خطے بری
ایں نظر از دور چوں تیرست و سم
مال دنیا دام مرغان ضعیف
تا بدیں ملکہ کہ او دام است ذرف
من سلیمان می نخواہم ملک تاں
کایں زماں ہستید خود مملوک ملک
باز گوئے اے اسیر این جہاں
اے تونبدہ ایں جہاں محبوس جہاں

مشتی را منتظر آنجا نشانند
گل از و پو شیدہ فردیدین گرفت
چشم او بر من فستہ از احتساں
کہ فزوں ترزد و ہیں لے روئے زرد
رو کہ ہم از پہلوئے خود میخوری
من ہی ترسم کہ تو کمیت بخوری
کہ شکر افزوں کشتی تو از پیسم
پس بدانی احمق و غافل کہ بود
دانه ہم از دور را ہش میزند
تے کباب از پہلوئے خود میخوری
عشقت افزوں می شود صبر تو کم
ملک عقیقہ دام مرغان شریف
در شکار آیتد مرغان شگرفت
بلکہ من برہانم از ہر ہلک تاں
مالک الملک آنکہ او بجز رہلک
نام خود کردی امیر این جہاں
چند گوئی خویش را خواہ جہاں

ایک مٹی کھانے والا ایک دوکاندار کے پاس اسلئے گیا کہ قند خالص اور زیادہ سی خریدے

اُس چالاک اور منافق دوکاندار کے پاس باٹ کے بجائے مٹی تھی جب اس نے شکر مانگی تو اُس دوکاندار نے کہا کہ میرے پاس شکر تو نہایت اعلیٰ ہے اور میرے پاس بیان میں کوئی تصنع ہے اور نہ قیل و قال کی گنجائش مگر میرے باٹ مٹی کے ہیں اگر تمہیں خریدنے کی خواہش ہو تو خرید لو۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے تو ایک ضروری کام کیلئے قند کی تلاش ہے باٹوں سے کچھ بٹ نہیں کیسے ہی ہوں اور دل میں کہا کہ مٹی کھانے والے کے نزدیک بٹھر کیا بدلا ہے مٹی شکر سے بہتر ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک لالہ نے کہا تھا کہ جناب اسن تو ایک بڑے ٹھٹے کی ملکیتی ہے اور بہت ہی نفیس ہے لیکر ایک بات یہ کہ یہ کہ حلوائی کی بڑکی ہے۔ اُس نے کہا ایسا ہے تو اور بھی اچھا ہے کیونکہ اسکی لڑکی زیادہ چینی چٹری اور مزہ کی ہوگی پس اگر تمہارے پاس بٹھر کے باٹ نہیں بلکہ تمہارے باٹ مٹی کے ہیں تو یہ تو بہت ہی اچھا ہے کیونکہ مٹی تو میرے دل کا مرغوب میوہ ہے الغرض اُس نے ترازو کے پلڑے میں بجائے باٹ کے چند بٹھری رکھ دی اور اوس کی مقدار میں ہاتھ سے شکر توڑنے لگا۔ چونکہ اسکے پاس تیشہ نہ تھا اسلئے دیر لگ گئی اور مشتری کو حالت انتظار میں وہیں بیٹھے رہنے دیا۔ اسکا منہ دوسری طرف تھا۔ اسلئے مٹی کھانے والے بے صبر نے مٹی چورانا شروع کی لیکن ڈرتا جاتا تھا کہ مبادا دوکاندار کی نظر مجھ پر پڑ جاوے دوکاندار نے دیکھا اور اپنے کو اور مشغول و غافل کر لیا۔ اور دل میں کہتا جاتا تھا کہ ہاں او شیر خوب چوراسا اگر تو میری مٹی چورالیا تو جا چورالیا میرا کیا جاوے گا۔ تو اپنا ہی گوشت کھا رہا تھا اسلئے کہ جتنا باٹ کم ہوگا۔ اتنی ہی شکر کم ہو جاوے گی تو مجھے ڈرتا ہے۔ مگر یہ تیرا گد ہاں ہے کہ چونکہ مجھے تو اسکا خوف ہے کہ تو کم نہ کھاوے میں اگر مشغول ہوں لیکن اتنا بیوقوف نہیں ہوں کہ تو میری مٹی ہی کھا جائے اور مجھے شکر ہی زیادہ لیاوے۔ جب تو شکر کو بنظر امتحان دیکھے گا کہ یہ پوری ہے یا کم اسوقت تجھے معلوم ہوگا۔ کہ احمق اور غافل کون تھا اسی طرح وہ جانور تو دانہ کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔ لیکن دانہ دور ہی سے اسکی زہری کرتا ہے۔ اس سے تم سمجھو کہ اگر تم آنکھ کی زنا کا لطف اُڑا رہے ہو۔ تو کیا یہ اپنے ہی پہلو کے کباب نہیں کھا رہے ہو ضرور ایسا ہی ہے۔ یاد رکھو کہ دور سے دیکھنا تیرا دوزخ کی مثل ہے کیونکہ اس سے تمہارا عشق زیادہ ہوتا ہے اور صبر و قرار ہے۔ تو یہ اتنا خود اپنے ضرر سے التذاذ ہے خوب یاد رکھو نیز مجھ کو مال

تو کمزور جانور نہ نکال جا رہا ہے۔ اور ملک عقبا اعلیٰ درجہ کے پرندہ نکلا۔ اور یہ دام ملک
عقبی اسلئے قائم کیا گیا ہے۔ تاکہ اس زبردست جال میں عجیب و غریب جانوروں میں
برخلاف اسکے دام مال دنیا معمولی جانوروں کے پھانسنے کیلئے ہی تو چونکہ میں سلیمان
ہوں اسلئے دام مال دنیا کی طرف رخ نہیں کرتا۔ اور تمہارا ملک لینا نہیں چاہتا بلکہ
میں تو تمہیں اس جال سے چھڑا کر ہلاکت سے بچانا چاہتا ہوں اسلئے کہ اس وقت تم
ملک کے محلوک ہو اور مالک الملک نہیں ہو۔ مالک الملک وہ ہے جو ہلاکت سے
بچ جاوے۔ مگر تم نہیں سمجھتے۔ اور تم نے اس جہان کا قیدی ہو کر اپنا نام برعکس واقعہ
امیر ملک رکھ لیا۔ ارے تو تو اس جہان کا غلام ہے۔ اور تیری جان آسمیں محفوظ ہے
پھر تو اپنے کو اپنے کو اس جہان کا افسہ کہتا ہے بڑے شرم کی بات ہے۔

شرح شبیری

ایک عطار کا کہ اسکی ترازو کے باٹ سر دھونکی مٹی (ملتان)
کے تھو اور ایک خریدار کا جسکو مٹی کھانکی عادت تھی اس
مٹی میں سے تولنے کے وقت چوری کرنے کا قصہ،

پیش عطارے یکے گلخوار رفت تاخر دایلوچ وقند خاص زلفت
یعنی ایک عطار کے پاس ایک گلخوار گیا۔ تاکہ شکر اور قند بالکل خالص خریدے۔
پس بر عطار طر اردو دل موضع سنگ ترازو بود گل
یعنی ہوشیار عطار دودے کے پاس ترازو کے باٹوں کی جگہ مٹی تھی۔
گفت عطار ای جوان ابلوچ من ہست نیکو بے تکلفے سخن
یعنی عطار نے کہا کہ اسے جوان میری شکر بالکل عمدہ ہے۔ بلا کسی تکلف کے اور بات کے

مطلب یہ کہ ہمیں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قند خالص ہے۔

لیک گل سنگ ترازوئے من است گرترا میل شکر خریدن است

یعنی لیکن میری ترازو کے باٹ مٹی ہے۔ اگر تجھے شکر خریدنے کی رغبت ہے (تو خرید لے) مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ میری شکر تو بالکل خالص ہے ہمیں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ مگر میری ترازو کے باٹ مٹی کے ہیں اگر تجھے خریدنا ہے تو ان سے تو لکر دو گنا۔ تیرا جی چاہو تو خرید لے۔ یہاں جزا محذوف ہے۔ یعنی اگر میل خریدن شکر است پس بخر۔

گفت ہستم درمے قند جو سنگ میزان بہر چہ خواہی باش

یعنی اس گلزار نے کہا کہ میں ایک ضرورت میں شکر کا متلاشی ہوں تو ترازو کے باٹ جو کچھ ہوں رہنے دے۔

گفت با خود پیش آنکہ گل خور است سنگ چہ بود گل ز شکر بہتر است

یعنی اُس نے اپنے سے کہا کہ جو شخص کہ گلخوار ہو تا ہے اُسکے لئے پتھر کیا ہوتا ہے مٹی شکر سے بہتر ہے مطلب یہ کہ اُس عطار سے تو یہ کہا کہ میاں مجھے تو شکر کی ضرورت ہے تیسرے باٹ خواہ مٹی کہوں یا کسی کے تو مجھے شکر دیدے۔ اور دل میں کہنے لگا کہ مسیجر نے جسے کہ مٹی کھانے کی عادت ہے مٹی شکر سے بھی بہتر ہے تو اگر لوہے کے باٹ ہوتے تو انکو تو کھائیں سکتے تھے۔ اور اس مٹی کو تو کھا سکتا ہوں۔ اور مجھے خوب مزہ ملیگا۔ اسلئے باٹ ترازو کے مٹی ہی کے ہونا بہتر ہے۔ اگے مولانا اسی قبیل سے ایک اور قصہ بیان فرماتے ہیں۔

تچو آں دلالت کو گفت ای سپر نعر و سی یا فتم من خوبتر

یعنی جیسے کہ اُس دلالت نے کہا کہ اے ایسے کے میں نے ایک نئی دامن خوب عمدہ پائی ہے

سخت زیبا لیک ہم یک چیرت کان ستیرہ دختر حلوا گرت

یعنی بہت ہی عمدہ ہے لیکن ایک بات ہے کہ وہ ستورہ حلوائی کی لڑکی ہے۔

گفت بہتر این چنین خود گر بود دختر او چرب و شیریں تر بود

یعنی اُس جوان نے کہا کہ ایسا ہو تو بہتر ہے کہ اچلی لڑکی تو خوب چرب و شیریں ہوگی مطلب یہ کہ ایک شخص نے کسی دلالت سے کہا کہ کہیں سے ایک لڑکی لاؤ نکال کیلئے تو اُس دلالت نے کہا

کہ ایک لڑکی ہے تو سہی لیکن ایک خرابی یہ ہے کہ حلوائی کی لڑکی ہے تو اس شخص نے کہا
کہ یہ تو اور یہی عمدہ بات ہے اس لئے کہ حلوائی کی لڑکی تو خوب عمدہ اور نفیس ہوگی۔ تو اس طرح
اس گلخوار نے کہا کہ اگر تیرے باٹ کو ہے کہ تیں ہیں تو یہ تو اور یہی عمدہ بات ہے اس لئے
کہ مجھے خوب مٹی کہا نیکو ملیگی۔ جو مجھے بید مرغوب ہے آگے وہ گلخوار ہی کہتا ہے کہ۔
گرنداری سنگ سنگت از گل است ایں بہ وہ گل مرامیوہ ال است
یعنی اگر تو باٹ نہیں رکھتا اور تیرے باٹ مٹی کے ہیں تو یہ تو بہتر اور اچھا ہے کیونکہ مٹی
میسر دل کی میوہ ہے۔

اندر اں کفہ ترازو را اعتداد او بجائے سنگ آں گل را نہاد
یعنی اس ترازو کے پلٹے میں وزن کیلئے اس (عطاری) نے بجائے باٹ کو وہ مٹی ہی رکھی۔
پس برائے کفہ دیگر بدست ہم بقدر آں شکر را می شکست
یعنی پھر دوسرے پلٹے کیلئے وہ ہاتھ سے بقدر اس کے شکر توڑ رہا تھا۔ مطلب یہ کہ ایک پلٹے
میں تو اس نے وہ باٹ رکھے اور دوسرے پلٹے کیلئے بقدر اس باٹ کے وہ شکر
توڑنے لگا تاکہ تولے۔

چوں نمودش تشبہ او دیر ماند مشتری را منتظر آنجا نشانند
یعنی چونکہ اس کے پاس کوئی ہتھوڑا (توڑنے کی چیز) نہ تھا تو وہ دیر تک ٹھیرا اور خریدار کو
اس جگہ منتظر ٹھہرا دیا۔ مطلب یہ کہ چونکہ کوئی شے شکر توڑنے کی ایسی نہ تھی جس سے جلد ہی
اسے توڑ لیتا اور ہاتھ سے توڑنے میں دیر لگی تو خریدار کو تو وہیں باہر بٹھا دیا اور خود شکر
توڑنے لگا۔

رویش آنسو بود گلزارنا شکفت گل از بویش شید و ز دیدن گرفت کردی
یعنی اس عطاری کا سوتا اس طرف کو تھا اور گلخوار انا لائق نے اس سے چھپا کر مٹی کمانی شروع
کری۔ ترس ترسان کہ نیاید ناگہاں چشم او بر من فتد از آنجاں
یعنی ڈرتے ڈرتے کہ وہ ناگاہ آئے جاوے۔ اس کی آنکھ امتحان سے مجھ پر پڑنے جاوے مطلب
یہ کہ مٹی کہا رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ کہیں دوکاندار دیکھ نہ لے کہ یہ میرا باٹ کھائے جاتا ہے۔

دیر عطار آن و خود مشغول کرد کہ فرخون تہذیبیں لے لئے زرد
یعنی عطار نے اسکو دیکھا اور اپنے کو مشغول کر لیا۔ کہ ہاں اسے شرمندہ خوب زیادہ
چرا لے۔ (کیونکہ)۔

گر بندہ دی از گل من می بری رو کہ ہم از پہلو خود میخوری
یعنی اگر تو چارہا ہے تو میری مٹی میں سے بجا رہا ہے (مگر) تو اپنے ہی پہلو سے کھا رہا ہے
تو ہی ترسی ز من لیک از خری من نمی ترسم کہ تو کتر خوری
یعنی تو مجھے ڈر رہا ہو لیکن گد ہے بن کی وجہ سے اور میں مجھے ڈر رہا ہوں کہ میں کم نہ کھاؤں۔
گر چہ مشغولم چنان احمق نیم کہ شکر افروں کشتی تو از پیغم
یعنی میں اگرچہ مشغول ہوں لیکن ایسا احمق نہیں ہوں کہ تو مجھ سے شکر زیادہ لے لے۔
چوں بینی مرشکر از آرمود پس بدانی احمق و عاقل کہ بود
یعنی جب تو شکر کو جانتے کیلئے دیکھے گا تو جانے گا کہ احمق اور عاقل کون تھا مطلب
یہ کہ عطار تو شکر توڑنے میں لگا رہا اور ان گلزار صاحبے مٹی میں سے چرا چا کر کھانا
م شروع کر دیا۔ اور ڈر رہا تھا کہ کہیں دوکاندار مجھے کھاتے ہوئے دیکھ نہ لے اور عطار نے
اسکو کھاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ تو اس نے شکر توڑنے میں اور ہی دیر لگا دی۔ تاکہ یہ
اچھی طرح کھائے اسلئے کہ حسب قدر یہ کھا لیا اسی قدر میری شکم جا دیگی۔ کیونکہ باٹ کم
ہو جاوے گا۔ اور باٹ تو میں اور بنا لوں گا۔ اور وہ دل میں کہہ رہا تھا کہ میاں تو میرا
نقصان نہیں کرتا۔ کچھ اپنا ہی نقصان کر رہا ہے۔ تب مجھے اسوقت احمق سمجھ رہا ہے
اور سمجھتا ہے کہ میں ہوشیار ہوں کہ اسکو خبر ہی نہوئی اور میں اسکی اتنی مٹی کھا گیا
مگر یاد رکھنا کہ جسوقت گھر جا کر شکر تو لو گے اور کم ہوگی اسوقت تمکو معلوم ہو جاوے گا
کہ کون احمق اور عاقل تھا آگے پھر اسی مرغ و دانہ کی مثال کی طرف عود ہو فرماتے ہیں کہ
مرغ از اں دانہ نظر خوش میکند دانہ ہم از دور رہش میرند
یعنی جانور اس دانہ سے نظر کو خوش کرتا ہے اور دانہ بھی دور سے اسکی راہ فرنی کرتا ہے
مطلب یہ کہ مرغ تو اس دانہ کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہے کہ میں اسکو کھا جاؤں گا اور وہ

وانہ کہ رہا ہے کہ ارمغ تو مجھے جس قدر دیکھتا ہے اپنا نقصان کرتا ہے اسلئے کہ جس قدر دیکھتا ہے
اسی قدر تیری حرص بڑھتی ہے اور اسی قدر جلد تجھ کو میں قید کر دوں گا۔ آگے مولانا ایک مضمون
ارشادی فرماتے ہیں کہ۔

گر زمانے چشمِ حظِ میری نے کبابِ پہلو خود بخوری
یعنی اگر تو آنکھ کی تلکی سے خط لے رہا ہے تو کیا تو اپنے پہلو سے کباب نہیں کھا رہا ہے
(نئے کبابِ استفہامِ انکاری ہے)

ایں نظرِ دور جوں تیرا ستون
عشقت افزوں می شود صبرِ کم
یعنی یہ نظر دور سے مثل تیرے اور زہر کے ہے اور شق تیرا بڑھتا ہے۔ اور صبر تیرا کم ہوتا ہے۔
مطلب یہ کہ اگر تم کسی کی طرف بد نگاہی کر رہے ہو اور تم کو اس سے خط ہو رہا ہے اور تم اس سے
خوش ہو رہے ہو تو یاد رکھو کہ یہ بد نگاہی کرنا خود اپنے کباب کھانا ہے۔ اسلئے کہ ایک دن اسکا
بھیل بڑا ملیگا۔ اور یہ نگاہ ایک تیر کی طرح ہے کہ اسکا تیر لگا اچھا ہوتا ہی نہیں جیسا کہ کسی کا قول
ہے انظر من سمہا من سہام ابلیس او کسی نے خوب کہا ہے کہ

درون سینہ من زخم بے نشان زود
بجیرم کہ عجب تیر بے کماں زود
غرض کہ نگاہ ایسی بُری بلا ہے کہ اس سے بچد خرابیاں واقع ہوتی ہیں لوگ ناجائز محبت کرتے
ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم پیٹ بھر کر دیکھ لیں تو پھر دل سے اسکا خیال جاتا ہیگا
حالانکہ اس دیکھنے سے اور خیال زیادہ ہوتا ہے کم نہیں ہوتا۔ جبکا اثر بعد کو معلوم ہوتا ہے پس
اسکا علاج تو صرف یہ ہے کہ محبوب کے جسمِ نظرِ تصورِ اہرِ طرح علیحدگی اختیار کرے جب کہیں
یہ مرض جاتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

مال دنیا و دامِ مرغِ حقیقت
ملکِ عقبی و دامِ مرغِ ان شریف
یعنی دنیا کا مال تو مرغِ حقیقت کا جال ہے اور آخرت کا ملک شریف جانور کا جال ہے
تا بدیں ملے کہ او دامِ حقیقت
در شکارِ آیند مرغِ ان شریف
یعنی یہاں تک کہ اس ملک میں جو کہ ایک عظیم جال ہے شکار میں پڑے پڑے جانور ہیں
مطلب یہ کہ یہ دنیا کا مال امتاع تو کمزور لوگوں کا جال ہے جس میں یہ لوگ گھنٹے جاتے ہیں اور

آخرت کا جال اولیاء اللہ کیلئے ہے۔ کہ آسمیں بڑے بڑے جالو عظیم الشان اگر پھینتے ہیں اور شکار ہوتے ہیں۔ آگے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقولے طرف عود ہی فرماتے ہیں کہ

من سلیمان می نخواستم ملک تان بلکه من برہانم از ہر ملک تان

یعنی میں تو سلیمان ہوں میں تمہارا ملک نہیں چاہتا بلکہ میں ہر ہلاکت سے تم کو چھڑاتا ہوں۔
کایں زمان ہستید خود مملوک ملک مالک الملک آنکہ او مجبوز ہلاک

یعنی اس وقت تو تم ملک کے بندے ہو رہے ہو اور ملک کا مالک تو وہ ہے جو ہلاکت سے چھوٹے مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تمہارے ملک کی ضرورت نہیں ہے بلکہ میرا تو مقصود یہ ہے کہ تم ہلاکت سے بچ جاؤ۔ اور عذاب سے چھوٹ جاؤ۔ اور

اس وقت تو تم بندہ ملک و زور ہو رہے ہو اور اگر میرا اتباع کرو گے اس وقت مالک الملک ہو گے اسلئے کہ اس وقت تو معرض ہلاکت میں ہو اور جو شخص کہ معرض ہلاکت میں ہو اس کو مالک ملک کون کہیگا۔ وہ تو بندگان ملک سے بھی کمتر ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

باز گوئے ای اسیر این جہاں نام خود کردی امیر این جہاں

یعنی بالعکس اسے قیدی اس جہان کے تو نے اپنا نام اس جہان کا امیر کر رکھا ہے
لے تو بندہ این جہاں محبوبی جاں چند گوئی خویش را خواجہ جہاں

یعنی او وہ شخص جو کہ اس جہان کا غلام اور محبوب جان ہے اپنے کو جہان کا آقا کہنا شک کیگا۔ یعنی اسے شخص جسکی جان بند سیم و زر میں قید ہے اور وہ خود اس جہان کا قیدی ہو رہا ہے کب تک اپنے کو آقا اور خواجہ کہتا رہے گا۔ اری اب تو تو غلامان غلام اس جہاں کا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا ان قاصدوں کو معذریہ کے واپس فرما دینے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا ان قاصدوں کی دلداری کرنا

اور اُن کے دل سے وحشت کو دفع کرنا اور ہدیہ قبول نہ
کرنے کا عذر فرمانا

<p>رومن بہتہ شمار از قبول باز گوئید از بیابان دہرب وز چنیں ہدیہ خیل چوں می شد ما ز از زر آفریں آوردہ ایم بسہ زر گردو دُر شین روز محشر این زمین را نقر گیس خاکیا نرا بسہ زرین کنسیم ما شما را کیا گر مے کنسیم کہ بروں آب و گل بس ملکہا است صدہ پنداری و ہر در ماندہ باد شاہی چوں کنی بر نیک و بد شرم دار از زرش خود اے کثر ہد بے جہاں خاک صدہ ملکش و بد خوشتہ آید از دو صدہ دولت ترا ملک آن سجدہ مسلم کن مرا</p>	<p>اے رسولان من فرستم تان رسول پیش بلقیس انچہ دیدید از عجب کہ چیل منسل بروئے زبردید تا بدانکہ بزر طاسح نہ ایم آنکہ گر خواہد سحر خاک زیں حق برائے آن کند لے زر گزین فارغیم از زر کہ ما پس پر فہیم از شما کے گدیہ زر مے کنسیم ترک آن گیرید گر ملک سبا است تختہ بندست آنکہ تختش خواندہ پادشاہی شہیت بر ریش خود بے مراد تو شود ریشیت سفید مالک الملک است ہر کش بند لیک ذوق سجدہ پیش خدا پس بتالی کہ نخواہم ملک</p>
-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

بادشاہان جہاں از بدرگی
ورنہ او ہم دار سرگردان و دنگ
لیک حق بہر ثبات ایں جہاں
تا شود شیریں برایشان تخت و تاج
از خراج اجمع آری ز چو ریگ
ہمہرہ جانت نگر دو ملک و زر
تا بہ پنی کایں جہاں چاہیست تنگ
تا بگوید چوں ز چاہ آئی بیام
ہست در چہ انعکاسات نظر
وقت بازی کو دکان را از اختلاف
عارفانش کہنیا اگر گشتہ اند

یونہ بردند از شراب بندگی
ملک برا بہم زدندے بید رنگ
مہر شان بہناد جبر چشم و دہاں
کہ ستانیم از جہانداران خراج
آخر آں از تو بماند مودہ ریگ
زربدہ سہرستان بظہر
یوسفانہ آں رسن آری بچینگ
جان کہ یا بشری لٹا ہذا غلام
کمترین آنکہ نماید سنگ زر
می نماید آں خرفما زر و مال
ناکہ شد کاہنا برایشان نثرند

اسکے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے قاصد میں تھیں قاصد بنا کر
بھیجتا ہوں۔ اور اس ہدیہ کو واپس کرنا ہوں۔ اور یہ میرا واپس کر دینا تمہارے لئے
اسکے لئے لینے سے بہتر ہے کیونکہ اس ہدیہ کا مقصد یہ ہے کہ میں تیرے فوج کشی سے رک جاؤں
اور تمہارے ساتھ مصاحبت کروں پس اگر میں اسکو لیکر تمہارے ساتھ مصاحبت کروں
تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم گمراہ ہو گے اور اگر میں نہ لوں اور مصاحبت نہ کروں تو ممکن ہے کہ
تم دین حق قبول کرو۔ اسلئے اسکی واپسی ہی بہتر ہے پس تم جہاد اور جو کچھ تم نے نبیاں
زر کی کیفیت عجیبہ شاہدہ کی ہے اسکو بقیس سے کہہ دینا۔ اور کہہ دینا کہ ہم چالیس منزل
تک سونے پر چلے ہیں اور سونے کی اس کثرت کو دیکھ کر جو کو اپنے ہدیہ سے نہایت شرمندگی

ہوتی تھی تاکہ اسے معلوم ہو جاوے۔ کہ ہیکو نو نیکی طبع نہیں ہے۔ کیونکہ ہیکو نو نے کو پیدا کرنے والے نے سونا دے رکھا ہے۔ اور وہ پیدا کرنے والا وہ ہے کہ اگر چاہے زمین کی تمام مٹی سونا اور بیش بہا سوتی بن جاوے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ قیامت میں حتی سبحانہ اس زمین کو اسی لئے رو پہلی بنائیں گے تاکہ یہ ظاہر ہو جاوے کہ انکو سونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ بہت کامل القدرۃ والعلم ہیں۔ اور خاکو نو کو سونا بنا دیتے ہیں پس انکو تم سے سونا مانگنا مقصود نہیں کیونکہ وہ تو ایسے کامل القدرۃ ہیں کہ خود تمکو کمیا کر بنا دیتے ہیں۔ کہ تم سونا بنا سکو۔ پس جو اتنا قادر ہو وہ کسی سے سونا کیا مانگے گا۔ اس مضمون کو ختم کر کے پھر سلیمان علیہ السلام کا سلسلہ گفتگو شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ اگر ملک سبا کا سارے خیر ملک تمھارے قبضہ میں ہے تو بھی تم اسے چھوڑ دو کیونکہ عالم ناسوت سے باہر عجیب عجیب اور بہت سے ملک ہیں ان پر قبضہ کرنا چاہئے اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ دیکھو جسے تم تخت کہتے ہو یہ ٹکٹکی ہے نہ کہ تخت اور تم اپنے کو صدر کہتے ہو حالانکہ ہنوز در پر پڑے ہو یہ دولت سرا میں تمھاری رسائی ہی نہیں۔ تم غور کرو کہ تمکو اپنی ڈاڑھی پر تو بادشاہت ہے ہی نہیں پھر تم اچھی بُری اشیاء پر کیا حکومت کرو گے۔ ڈاڑھی پر حکومت نو نیکی دلیل یہ ہے کہ بلا تمھاری خواہش کے تمھاری ڈاڑھی سفید ہو جاتی ہے۔ پس تمکو اپنی اس ڈاڑھی سے شرمنا چاہئے کہ اس غیر محکوم ڈاڑھی پر دعویٰ سلطنت زین نہیں دیتا۔ مالک الملک وہ ہے جو اپنا سلطاعت جھکاوے کیونکہ ایسے شخص کو حتی سبحانہ سیکڑوں ملک معنی اس جہاں خاکی کے سوا عطا فرما دیتے ہیں لیکن خدا کے سامنے سجدہ کہنے کی لائق ایسی عجیب و غریب ہے کہ وہ تمکو سیکڑوں دولتوں سے اچھی معلوم ہوگی۔ اور تم روو گے اور کہو گے کہ اے اللہ میں ملک نو نیکی ضرورت نہیں ہیں تو تو ملک سجدہ عطا فرماوے۔ ان دنیاوی بادشاہوں کو انکی شرارت کی وجہ سے عالم طاعت کا احساس نہیں ہوا رہا ابراہیم بن ادریس کی طرح متحیر اور سرگرداں ہو کر فوراً سلطنت کو الٹ پلٹ کر دیتے۔ لیکن انکو جو اس کا احساس نہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ حتی سبحانہ سے اس جہان کے قائم کرنے کیلئے اُنکے منہ

اور انکو نہ پرہیز کر دی ہے۔ تاکہ بدیں خیال انکے لئے پیخت و تلخ لذیذ ہو جاوے۔ کہ ہم بادشاہوں سے خراج لیں گے مگر انکو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر ریت کے برابر بھی زر خراج جمع کر لو تو یہی تم اسے بطور ترکہ کے چھوڑ جاؤ گے۔ اور اس ملک و زر کو اپنی جان کے ساتھ نہ لیجاؤ گے پس تم کو چاہئے کہ اس دولت کو دیکر اپنی چشم باطن کیلئے سرمہ خرید لو۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو جاوے کہ یہ جہاں ایک تاریک کنواں ہے۔ اور تاکہ تم اس سے نکلنے کیلئے یوسف کی طرح جبل اللہ المتین کو پکڑ لو جسکا نتیجہ یہ ہو کہ جب تم کنوئیں کی تہ سے اٹکی من پر آؤ تو تمہاری جان فرط مسرت سے یہ کہے یا بشری ہذا غلام یعنی ارے بڑی خوشی کی بات ہے کہ لڑکا مل گیا۔ دیکھو اس کنوئیں میں عام کنوؤں کی طرح الطار کھائی دیتا ہے اور ادنیٰ بات یہ ہے کہ پتھر سونا معلوم ہوتا ہے شاید یہ مضمون تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔ اس لئے ہم تمہیں ایک نظیر مشاہد سے سمجھاتے ہیں دیکھو کھیل کے وقت لڑکوں کو اپنے نقصان عقل کے سبب ٹھیکرے سونا اور مال معلوم ہوتے ہیں پس یہی تمہاری حالت ہے۔ برخلاف عارفان حق کے کہ وہ کیمیا گر ہیں جسکا نتیجہ یہ ہے کہ انکے نزدیک سونے کی کانیں بھی بے حقیقت ہیں اب ایک حکایت بیان کرتے ہیں جس سے عرفا کی کیمیا گری معلوم ہو۔ اور تم جان لو کہ انکو تبدیل صفات و احوال جساد و ارواح میں مہارت نامہ حاصل ہے۔

شرح شبیری

سلیمان علیہ السلام کا اُن قاصدِ نکی دلداری کرنا اور اُنکے دل سے وحشت کو دفع کرنا اور مدیہ قبول نہ کرنے کا عذر فرمانا

اے رسولانِ نبی فرستہ تانِ سہل رومن ہمیشہ ہمارا از قبول
یعنی حضرت سلیمان نے فرمایا کہ اے قاصدِ دین تمکو قاصدِ تباہی نہ بھیجتا ہوں اور

میرا رد کر دینا تمہارے لئے قبول کر لینے سے بہتر ہے (اس لئے کہ اگر ہدیہ قبول کر لوں گا تو تم قاصدان بلیقیس ہی رہو گے اور اب تم قاصدان سلیمان علیہ السلام ہو گے) ہوا و قاصدان بلیقیس سے قاصدان سلیمان ہونا ظاہر ہے کہ اچھا ہے غرض کہ اب تم قاصد بن کر میری جانب سے بلیقیس کے پاس جاؤ

پیشین بلیقیس انچہ دیدید از عجب باز گوئید از بیاباں و مہرب
یعنی بلیقیس کے آگے وہ عجیب چیزیں جو تھے دیکھی ہیں بیان کرو۔ اور سونے کے جنگل (کے قصہ) کو بیان کرو۔

کہ چہل منزل بروئے زربدید وز چنیں ہدیہ نخل چوں می شہید
یعنی کہ چالیس منزل تک تم سونے پر چلے تھے۔ اور ایسے ہدیہ سے تم کس طرح شرمندہ ہو گئے تھے مطلب یہ کہ یہاں تک اس کے سامنے پورا قصہ بیان کر دینا۔ تاکہ۔

تا یاد اند کہ ہر طامع نہ ایم ماز را ز زرافریں آوردہ ایم
یعنی تاکہ وہ جان لے کہ ہم لالچی نہیں ہیں اور ہم سونا سونا پیدا کرنے والے کے پاس لائے ہیں (جسکی کہ یہ شان ہے کہ)

آنکہ اگر خواہد ہمہ خاک زمین بسیر ز گرد و درخشیں
یعنی وہ ذات کہ اگر چاہے تو زمین کی تمام خاک سرسبز سونا بنا ہو جاوے۔ اور قیمتی ہوتی ہو جاوے (تو بھلا جس کا تعلق ایسی ذات سے ہوگا اسکو سونے چاندی جواہرات کی کیا کمی ہوگی) آگے فرماتے ہیں کہ

حق برائے آن کند از زر گرین روز محشر این زمین را فقر گین
یعنی اسے سونے کے قبول کرنے والے حق تعالیٰ اسی (بات کے ظاہر کرنے کے) لئے محشر کے روز اس زمین کو چاندی کی کر دیں گے۔ (تاکہ معلوم ہو جائے کہ)۔

فارغیم از زر کہ ما بس پر فہیم خاکیانہ اسر بسیر زریں کنہیم
یعنی ہم سونے سے فارغ ہیں اور ہم بہت پرفتن ہیں کہ خاک والوں کو سرسبز سونے کا کر دیں۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ اسی بات کے ظاہر کرنے کیلئے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ

انکو اس سونے چاندی کی ضرورت نہیں ہے۔ قیامت میں زمین کو چاندی کی کر دیں گے جس سے معلوم ہو جاوے گا کہ اس سونے چاندی کی وہاں کچھ ہی قدر نہیں تھی۔ آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

از شہما کے گدیہ زر می کنیم ماشمارا کیمیا گرمی کنیم
یعنی ہم تم سے سونے کا سوال کب کرتے ہیں ہم تو تم کو کیمیا گر بنائے دیتے ہیں مطلب یہ کہ حضرت نے فرمایا کہ یہ ظاہری سونا ہم تم سے نہیں مانگتے بلکہ ہم تو تم کو ایسا بنادیں گے کہ تم اصلی اور حقیقی کیمیا خود بنائے لگو گے۔ تو بھلا جو دوسرے نکو کیمیا گر بنا دے۔ وہ اس ظاہری سونے کو لیکر کیا کر لگا اور فرمایا کہ۔

ترک آں گیرید گر ملک سیاست کہ بر آں بے گل بس ملک سیاست
یعنی اسکو چھوڑ دو اگرچہ وہ ملک سیاست ہے کہ آں گل سے باہر بہت سے ملک ہیں مطلب یہ کہ اس ملک ظاہر کو ترک کرو تو تم کو حقیقی ملک ملیگا۔

تختہ بند است آنکہ تختش خواندہ صدر پنداری و بردر ماندہ
یعنی جسکو تخت و تخت سمجھ رہا ہے (حقیقت میں) وہ تختہ بندی ہے اور تم (اپنے کو) صدر سمجھ رہے ہو (حالانکہ) دروازہ ہی پر رہ رہے ہو (تختہ بندی کہتے ہیں اس عقوبت کو کہ ہاتھ پیر ایک تختہ میں باندھ کر پیریت لگاتے ہیں) مطلب یہ کہ جسکو تم تخت کہہ رہے ہو وہ حقیقت میں وہ عقوبت تختہ بندی ہے اسلئے کہ تم انہیں بالکل مجبور ہو رہے ہو طرح وہ شخص مجبور ہوتا ہے۔

بادشاہی نسبت بریش خود بادشاہی چوں کنی برنیکے بد
یعنی تم کو اپنی ڈاڑھی پر تو قدرت ہے ہی نہیں تو بھلا بڑی پہلے پر تم کیا بادشاہی کر گئے۔ بے مراد تو شود ریش سفید شرم دار از ریش خود کرا امید
یعنی بے تیرے ارادہ کے تیری ڈاڑھی سفید ہو جاتی ہے۔ تو اسے کج امید والے اپنی ڈاڑھی سے شرم کر مطلب یہ کہ تم اپنے کو بہت زبردست بادشاہ اور حاکم سمجھتے ہو۔ بھلا تم کو اپنی ڈاڑھی پر تو قدرت ہے ہی نہیں کہ تم چاہتے ہو کہ سفید نہواور وہ سفید ہو جاتی ہے تو

بھلا اپنی ڈاڑھی سے ہی شرم کر۔ کہ وہی تیسرے قابو میں نہیں آتی۔ اور تو کیا کوئی تیسرے زیر قدرت ہوگا۔

مالک الملک است پریش بندہ بے جہاں خاک صد ملکش و ہند
یعنی وہ مالک الملک ہے جو شخص کہ اس کے آگے سر رکے بے جہاں خاکی کے اُسکو سیکڑوں
ملک دے۔ مطلب یہ کہ وہ تو ایسا مالک الملک ہے کہ جو اسکی اطاعت کرے وہ اس دنیا کی
ملکوں کے علاوہ باطنی ملک اُسکو سیکڑوں عطا فرما دے۔ یہاں یہ شبہ ہو کہ ہم نے تو حق
مقبولان حق دیکھو فقر و فاقہ ہی میں دیکھو ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اُسکو مالک دنیا کے علاوہ
اور ملک ملیں گے یعنی یہ بھی ملیں گے تو آگے اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

لیک ذوق سجدہ پیش خدا خوشتر آید از دو صد دولت ترا
یعنی لیک ایک سجدہ کا فرہ خدا کے آگے تیسرے لئے دو سو ملکوں سے بہتر معلوم ہوگا۔
پس بنالی کہ خواہم ملکسا ملک آں سجدہ مسلم کن مرا
یعنی پس تو رو دیکھا کہ میں ملکوں کو نہیں چاہتا مجھے اُس سجدہ کا ملک سپرد فرما دیا جاوے۔
مطلب یہ کہ جو خدا کے بندے ہیں اور مقبولان حق ہیں انکو جو طاعت حق میں لطف حاصل
ہوا ہے۔ اور اُسکا جو ذوق اُنکو نصیب ہو گیا ہے اسلئے ان ممالک دنیا کی اُنکو دیا نہیں
رہی۔ اور اگر یہ ممالک اُنکو ملتے بھی ہیں تو وہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ میں ذوق طاعت
عطا فرما دے اور جاہ و چشم دنیا کی میں ضرورت نہیں ہے۔ اسلئے وہ فقر و فاقہ میں رہتے ہیں۔
بادشاہاں جہاں از بدرگی بو نہ بردند از شراب بندگی
یعنی بادشاہان دنیا بدرگی کی وجہ سے شراب بندگی کی بو نہیں لیتے یعنی اُنکو اس
ذوق طاعت کی ہوا بھی نہیں لگی اسلئے وہ اس جہان دنیا میں خوش ہیں۔

ورنہ ادہم وار سرگردان ونگ ملک بہم زدند بے و رنگ
یعنی ورنہ (ابن) ادہم کی طرح سرگردان اور رنگ (ہو کر) ملک کو بلا توقف بہم بہم کر دیتے۔
لیک حق بہر شبات این جہاں مہر شان بہاد و چشم و دہاں
یعنی لیکن حق تعالیٰ نے اس جہاں کے قیام کیلئے اُنکی آنکھ اور سنہ پر فر لگا دی ہے۔

ما شود شیریں برایشان تجلیست کجاست که ستانیم از جهان ایران خرمج

یعنی تاکہ آپر تخت و تاج شیریں ہو جاوے۔ کہ ہم بادشاہوں سے خراج لے رہے ہیں مطلب یہ کہ ان بادشاہان دنیا کو اس ذوق طاعت کی ہوا بھی نہیں لگی ورنہ اگر انکو ذوق طاعت نصیب ہو جاتا۔ تو یہ بھی حضرت ابراہیم ابن ادہم کی طرح تمام ملک و مال کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو جاتے مگر حق تعالیٰ نے ان لوگوں کی آنکھوں اور منہ پر نہر لگا دی ہے۔ کہ وہ ذوق طاعت اور انکے برکات کو نہ چکھ سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور اس نہر لگا دینے میں حکمت یہ تھی کہ یہ لوگ اسمیں مشغول ہوں اور خوش ہوں کہ ہم بڑے بڑے بادشاہوں سے خراج لے رہے ہیں تو ہم بہت بڑے بادشاہ ہوئے اور اسمیں خوش رہ کر دنیا کے انتظامات خوبیا بھی طے انجام دیں۔ جیسا کہ کسی کا قول ہے۔ لولا الحقاء لخربت الدنیا اؤ کو مونا نازمانے ہیں کہ

از خراج اشع آری ز جو ریگ آخر آن از تو باند مرده ریگ

یعنی خراج کے ذریعہ سے اگر تیسے ریت کی طرح سونا جمع کر لیا تو آخر کار وہ تجھ سے میراث ریجاؤ گا۔
 ہمہ جانت نگر و ملک و وزیر در بدر ہر مہرستان
 یعنی تیری جانلی ہر ملک و وزیر جاو لگا تو سونا ویدے اور نظر کیلئے ہر مہرستان ہے۔

تا بہی کایں جہاں چاہیے جنگ یوسفانہ اُس رسن آری جنگ

یعنی تاکہ تم دیکھ لو کہ یہ جہاں ایک تنگ کنواں ہے اور یوسف علیہ السلام کی طرح اُس
رسی کو تم چنگل میں لاؤ۔ مطلب یہ کہ اگر تم نے لوگوں سے روپیہ لیلے کر جمع کر بی لی۔ تو انجام
کار یہ ہوتا ہے کہ تم م جاؤ گے اور وہ مال بیراث کے طور پر چھوڑ جاؤ گے۔ انہا تمہیں چاہئے
کہ اس زرد دنیا کو چھوڑ کر وہ بات حاصل کرو کہ جس سے حقیقت منکشف ہو جاوے اور تم اس
دنیا کی حقیقت کو دیکھ لو کہ یہ ایک کنویں کی طرح تنگ و تاریک جگہ ہے۔ اور پھر اس کو
اس جگہ دیکھ کر یوسف علیہ السلام کی طرح اس سے پریشان ہو کر طاعت حق کی رسی پکڑ کر اُن
سے باہر نکل جاؤ اور تم کو نصیحت حاصل ہو جاوے۔

تباہگوید عین زچاہہ آئی پیام جاں کہ یا بشریٰ لٹا ہذا علم

یعنی تاکہ جب تم کنوئیں سے باہر نکلو تو جان سکو کہ یا بشریٰ! ہذا غلامی مطلب ہے کہ تم

بصیرت حاصل ہوگی اور تم اس دنیا کے علائق سے چھوٹ جاؤ گے تو تمہاری روح خوش ہوگی۔ اور اُسکو اس دنیا سے چھٹکارا ملکر یہی فرحت ہوگی آگے فرماتے ہیں کہ۔
 ہست در چنانکاسات نظر کمتریں آنکہ نماید سنگ زر
 یعنی کنوئیں میں نظر کے انعکاسات ہیں مگر سب سے کم یہ ہے کہ پتھر سونا معلوم ہوتے ہیں
 مطلب یہ ہے کہ جب طرح کہ کنوئیں میں جس شے کو دیکھو الٹی ہی نظر آتی ہے مثلاً آسمان کو نی
 جھانکے تو اُسکا منہ نیچے ہے اور سر اوپر مگر کنوئیں میں الٹا نظر آتا ہے۔ علی ہذا آسمان اوپر
 ہے اور آسمان نیچے نظر آتا ہے تو اسی طرح اس دنیا میں بھی حقائق پوشیدہ ہیں اور تمام شے
 الٹی نظر آتی ہیں کہ جو غیر مقصود ہے وہ مقصود نظر آتا ہے اور جو مقصود ہے وہ غیر مقصود
 معلوم ہوتا ہے آگے اس کے ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

وقت بازی کو دکان از احتلال می نماید آن خز فہما زرو مال
 یعنی کھیل کے وقت بچوں کو جو محل کے وہ ٹھیکے سونا اور مال معلوم ہوتا ہے مطلب
 یہ کہ بچے جب کھیلتے ہیں تو ٹھیکروں کے روپے پیسے بنا لیتے ہیں اور پھر انہیں اڑتے ہیں اور
 کہتے ہیں کہ یہ ہمارا روپیہ ہے یہ ہمارے پیسے ہیں تو اسی طرح دنیا کے مال و زر کے واسطے لوگ
 اپنی جانیں برباد کرتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ ان ٹھیکروں کی برابر بھی قدر نہیں رکھتے
 جیسا کہ اس دنیا کے عقلا بھی ان بچوں کو بوقوف سمجھتے ہیں اس لئے کہ یہ ان ٹھیکروں کو زور
 پیسہ سمجھتے ہوئے ہیں اسی طرح حضرات اہل اللہ تمہارے اس ظاہری سونے چاندی کو
 فضول اور تمہارے آسمان ہماک کو بوقوف خیال کرتے ہیں۔ آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔
 عارفانش کیمیا گر گشتہ اند تا کہ شد کا نہما بر ایشان نژند
 یعنی عارفان حق کیمیا گر ہوئے ہیں نہایت تک کہ معادن اُن کے نزدیک حقیر و ذلیل
 ہو گئے ہیں۔ مطلب یہ کہ حضرات اہل اللہ کیمیا گر ہیں کہ تبدیل ماہیت کرتے ہیں اور
 حقیقی دولت سے مالا مال کر دیتے ہیں تو اُن کے نزدیک یہ معادن دنیا بالکل ہیچ اور
 فضول معلوم ہوتے ہیں اور وہ حضرات ان چیزوں کو بالکل ہی بیکار خیال کرتے ہیں
 چونکہ بیان کیا ہے کہ حضرات اہل اللہ کیمیا گر ہیں کہ تبدیل ماہیت کر دیتے ہیں آگے

اسی کے مناسب ایک حکایت لاتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے خواب میں
 اولیاءِ راشدہ کو دیکھا تو عرض کیا کہ کوئی تدبیر ایسی بتائیے کہ بے کسب کے روزی بچایا کر دو
 چونکہ کسب کرنے سے عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ یہ پہاڑی پہل
 کھالیا کرو۔ اور وہ پہل سب کھٹے ہوتے تھے لیکن اُن کے فرمانے کے بعد سے سارے
 پھل شیریں اور خوشگوار ہو گئے تو دیکھو اُن حضرات کی توجہ سے انکی تلخی تبدیل شیرینی
 ہو گئی اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ایک شخص کا مشایخ کی جماعت کو خواب میں دیکھنا اور اُن
 روزی حلال کی بے کسب کے درخواست کرنا کیونکہ کسب کی
 وجہ سے عبادت میں کمی آتی تھی اور اُن حضرات کا ارشاد
 فرمانا کہ پہاڑی میوے جو تلخ و ترش تھے کھایا کرو اور اُس
 شخص پر اُن حضرات کے ارشاد فرمادینے کی وجہ سے سب
 میووں کا شیریں ہو جانا،

آں یکے درویش گفت اندر سمر	خضر یا تر اسن بدیدم خواب در
گفتم ایشانرا کہ روزے حلال	از کجا نوشم کہ نبود آن بال
ممر اسونے کستان راندند	میوہ ہازاں ہشیہ می افشانند

درد ہاں تو بہتہ سائے ما
بے صداع و نقل بالا و شیب
ذوق گفت من خرد ہامی ر بود
بخششہ دہ از ہمہ خلقان نہاں
چوں انا را از ذوق می بشکا فتم
غیر این شادی کہ دارم در شربت
زین نیر دازم بجوز و نیشکر
دوختہ در آستین جبہ ام

کہ خدا شیریں بگرد آں میوہ را
ہیں بخور پاک و حلال و حبیب
پس مرا زان رزق نطقہ رونود
گفتم این فتنہ است رب جہاں
شد سخن از من دل خوش یا فتم
گفتم از چیزے نباشد دہشت
ہیچ نعمت آرزو تا ید دگر
ماندہ بود از کسب یک دو جہام

درویش (مذکور) کا یہ نیت کرنا کہ کچھ پیسے اس لکڑہارے کو
دیدوں جبکہ مجھے روزی حلال میسر ہو گئی ہے اور اس
لکڑہارے کا اس بات سے رنجیل ہونا،

خستہ و ماندہ ز ہمیشہ در رسید
زین پس از ہر رزقم نیست غم
رزق خاصہ جسم را آمد بدست
جبہ چندانست این بدہم بد
تا دوسر روز کہ شود از تو بخش
ز انکہ شمعش داشت نور از شمع ہو
چوں چراغ در دروں شیشہ

آں یکے درویش ہنرم میکشید
پس بگفتہ من ز روزی فارغم
میوہ مکروہ بر من خوش شدہ است
چونکہ من فارغ شدستم از گلو
بدہم این زر را بدین تکلیف کش
خود و ضمیرم را ہی دانست او
بود پیش سر ہر اندیشہ

هیچ پنہاں می نشد از وی غمیر
 پس ہی منکید با خود ز لیب
 کہ چنین اندیشے از ہر بلوک
 من نمی کردم سخن را فہم لیک
 سوئے من آمد ہیبت ہیچو شیر
 پر تو حالے کہ او ہیزم نہاد
 گفت یارب گر ترا خاصان حی اند
 لطف تو خواہم کہ میسنا گر شود
 در زماں دیدم کہ ز رشید ہیزش
 من در اں ہیچو دشدم تا دیر گہ
 بعد از اں گفت ای خدا اگر اں کبار
 باز ایں را بندہ ہیزم ساز زود
 در زماں ہیزم شد اں اعضا نیر
 بعد از اں برداشت ہیزم را و رفت
 خواستم تا در پے اں شد روم
 بستہ کرد اں ہیبت او مرا
 در کسے را رہ شود گوہر فشاں
 بس غنیمت دار اں تو فقیق را

بود ہر مضمون دلسا او جیسر
 در جواب فکرم اں بو العجب
 کیف تلقی الرزق اں لم ہرزوک
 بردلم می زد عتابش نیک نیک
 تنگ ہیزم را نہاد از پشت زیر
 لرزہ ہر وقت عضو من فتاد
 کہ مبارک دعوت و فرخ پے اند
 ایں زماں ایں تنگ ہیزم ز رشود
 ہیچو آتش بر زمین می تافت خوش
 چونکہ با خویش آدم من از ولہ
 بس غیور نہ و گریزاں ز اشتہار
 بے توقف ہم براں حالے کہ بود
 مست شد در کارا و عقل و نظر
 سوئے شہر از پیش من او تیز و لغت
 پرسم از وی مشکلات و بشنوم
 پیش خاصاں رہ نہا شد عامہ را
 کان بود از رحمت و از جذبات
 چون بیا بے صحبت صدیق را

نے چو آں ابلہ کہ یابد قرب شاہ	سہل و آسان در رفتہ آندم زبداہ
چوں ز قربانی دہندش بیشتر	پس بگوید راں گاوست این مگر
نیست این از راں گاؤں و فقری	راں گاوت مے نماید از خری
بذل شاہان است این بے رشوتے	بخشش محض است این از رحمتے

سلیمان علیہ السلام کا قصہوں کو واپس جانے اور
بلقیس کی ہجرت کی حیرت و حیرت دلاتا

ہچنانکہ شہ سلیمان در نبرد	جذب فیل و شکر بلقیس کرد
کہ بیایید اے عزیزان زود زود	کہ بر آمد موجب از بحر جود
سوئے ساحل می فشاند بے خطر	جوش موجش ہر زمانے صد گہر
الصلا گفتیم اے اہل رشاد	کایں زماں ضلواں و جنبت کشاد
پس سلیمان گفت ای پیکان روید	سوئے بلقیس بدیں دیں بگوید
پس بگوئیدش بیا اینجا تمام	زود کان اللہ یدعونا السلام
ہیں بیا اے طالب دولت شباب	کہ فتوح مست این زمان و فتحیاب
اے کہ تو طالب نہ تو ہم بیا	تا طلب یا بے از اں یار و فدا
ملک برہم زن تو ادہم وار زود	تا بیا بے ہجو او ملک خلود

ایک فقیر نے اثنائے گفتگو میں بیان کیا کہ میں نے خضر علیہ السلام کی طرح کچھ اصحاب
حضرت اہل اللہ کو خواب میں دیکھا اور میں نے ان سے سوال کیا کہ روزی حلال جو کہ
وہ بال جان نہو میں کہاں سے کھاؤں اس پر وہ مجھ پہاڑوں میں لیٹے اور ایک بن میں سے
کچھ میوے گرائے۔ اور کہا کہ بوحضرت تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کی برکت سے تمہاری

منہ میں ان میوؤں کو شیریں کر دیا۔ (ایک کیمیا گری تو یہ ہوئی) تم انہیں کھاؤ کہ یہ حلال
 اور حسیاب ہیں۔ نہ انکی تحصیل میں کوئی درد ہے۔ اور نہ انتقال مکانی کہ اوپر جاؤ اور
 نیچے آؤ۔ (مراد نفی مشقت کسب کا) یہ خواب دیکھ کر میں نے وہ میوے کھائے شرف کے لئے اور
 اس رزق حلال کے کھانے سے مجھ میں وہ قوت گویائی پیدا ہو گئی کہ میری گفتگو کی
 لذت عقول کو کھوئے دیتی تھی (دوسری کیمیا گری یہ ہوئی) یہ دیکھ کر میں نے حق سبحانہ
 سے دعا کی کہ اے اللہ یہ تو میرے لئے فتنہ کا سبب ہے۔ آپ مجھے ایسا عطیہ فرمائیں۔
 جس کی کسی کو خبر نہ ہو۔ سو میری یہ دعا مقبول ہوئی اور وہ گویائی مجھ سے جاتی رہی
 (تیسری کیمیا گری یہ ہوئی) مگر اسکے عوض قلب پاکیزہ مجھے عطا ہوا۔ (چوتھی کیمیا گری
 یہ ہوئی) جسکی لذت سے میں انار کی طرح کھلتا تھا اور کھتا تھا کہ بہشت میں سوائے
 اس خوشی کے جو کہ میری طبیعت میں ہے اگر اور کوئی چیز نہ ہو تو مجھے اور کسی نعمت کی
 آرزو نہ ہو اور اگر لذت جسمانیہ بھی وہاں ہوں تو میں اسے چھوڑ کر ان میں کبھی شغول
 نہوں۔ یہ قصہ تو ہو چکا اب تو کہ میرے پاس میری کمائی کے کچھ دام باقی تھے۔ جو
 میرے جیب کی آستین میں سے ہوئے تھے۔ اتفاقاً ایک فقیر لکڑیاں لئے ہوئے جس سے
 تھا کا ماندہ آ رہا تھا اسکی حالت دیکھ کر میں نے اپنے جیب میں کہا کہ میں تو رزق کی طرف
 سے بے فکر ہوں یہ کچھ دام ہیں میں اسے دیدوں اور اس بیچارے تکلیف برداشت
 کرنے والے فقیر کے حوالہ کر دوں تاکہ دو تین روز کیلئے یہ غذا سے خوش ہو جاوے
 وہ میرے خیال کو جانتا تھا کیونکہ اسکی شمع میں شمع الہی کا نور تھا۔ جیسا حدیث شریف
 میں آیا ہے اتقوا فراست المؤمنین فانہم ینظرون ربہم واللہ اور اسلئے خیال باطنی
 اسکے لئے ایسا تھا جیسا فانوس کے اندر چرلغ کہ جب طح فانوس مانع رویت چرلغ
 نہیں ہوتا۔ یوں ہی قلب بھی مانع اور اک خیال نہ تھا اور کوئی خیال اس سے
 پوشیدہ نہ رہتا تھا۔ کیونکہ وہ تمام دلوں کے خیالات پر مطلع تھا۔ (مقصود صرف
 انہما کثرت کشف ہو اور استغراق عرفی ہے نہ کہ تحقیقی فتنہ) پس میرے اس خیال
 کو معلوم کر کے وہ حیرت انگیز فقیر میرے خیال کے جواب میں منہ ہی منہ میں کچھ کہتا

تھا میں سمجھتا ہوں کہ وہ یہ کہتا تھا کہ میں بلو شاہوں کی نسبت تیرا یہ خیال ہے۔ بتاؤ
 سہی اگر یہ لوگ تجھے رزق نہ دیں تو تو کہاں سے رزق پائے۔ (مقصود یہ ہے کہ تجھ
 جو رزق حلال ملا ہے جسکے بھروسہ پر تو یہ سخاوت کرنا چاہتا ہے وہ تو ہماری ہی
 برکت سے ملا ہے پھر تو ہم کو بہو کا سمجھتا ہے۔ اور یہ معنی نہیں ہیں کہ دنیا بھر کو رزق یہ
 ہی لوگ دیتے ہیں) میں اسکی بات کو سمجھتا نہ تھا مگر انکا عتاب میرے دل پر نہایت گہرا
 اثر کرتا تھا الغرض وہ شیر کی طرح میری طرف آیا اور لکڑیوں کے گٹھے کو کمر سے نیچے رکھ کر
 اس نے جو ایک خاص کیفیت سے اس گٹھے کو رکھا۔ اس کے پر تو سے میرے تمام جسم میں
 لرزہ پیدا ہو گیا اس نے لکڑیاں رکھ کر دعا کی اور کہا کہ اے اللہ اگر تیرے خاص شخص
 زندہ ہیں جو کہ مبارک دعا اور فرخ قدم ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کی عنایت کاریگری
 کرے۔ اور اسی وقت یہ لکڑیاں سونا ہو جائیں میں نے دیکھا کہ فوراً وہ لکڑیاں سونا
 ہو گئیں (یہ پانچویں کمیہا گری ہے) اور آگ کی طرح زمین پر پڑی دھک رہی تھیں اس
 واقعہ سے کچھ دیر تو میں بخود رہا۔ اس کے بعد مجھے ہوش آیا۔ پس جبکہ مجھے ہوش آیا تو
 اس نے کہا کہ اے اللہ اگر وہ تیرے بزرگ بندے بید غیبت مند اور شہرت سے بھاگتی
 والے ہیں تو پھر تو انکو فوراً اسی ہی لکڑیاں کر دے جیسی تھیں۔ اس کے بعد وہ
 سونیکلی سریاں فوراً لکڑیاں ہو گئیں (یہ چھٹی کمیہا گری ہوئی) ان کے اس کام سے
 عقل و فکر بخود تھے۔ کہ اے اللہ یہ معمولی شخص اور اس کے اندر یہ جو ہر بھرا ہوا ہے اس کے
 بعد اس نے لکڑیاں اٹھائیں اور میرے آگے آگے شہر کی جانب تیر چال سے چل دیا
 میں نے بہت چاہا کہ اس کے پیچھے جاؤں اور اپنی مشکلات کو اس کے سامنے پیش کروں
 اور جواب سنوں۔ لیکن اسکی مہیت نے مجھے پابند دیا۔ کہ میں قدم ہی نہ اٹھا سکا اور
 چلتا کیونکہ عوام تو خواص تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ اور اگر کوئی پہنچ جاوے تو اس سے
 کہو کہ ارے خوشی سے جھوم کہ یہ انکی رحمت اور انکا جذبہ ہے۔ اور جبکہ کسی صدیق کی
 صحبت نصیب ہو جاوے تو اس توفیق کو غنیمت سمجھ۔ اور اس احمق کی طرح نہو جسکو
 آسانی سے قرب شاہ میسر ہو جاوے۔ اور وہ اسکی قدر نہ کرے۔ اور راہ راست سے

ہٹ جاؤ۔ اور جیکہ سکو قربانی میں سے زیادہ حصہ دیں تو وہ اسکی قدر نکرے اور کہے کہ یہ ہے ہی کیا یہ تو گائے کی ران ہے۔ اسے مفتری یہ گائے کی ران نہیں ہے بلکہ تجھے تیری حماقت کے سبب گائے کی ران معلوم ہوتی ہے۔ یہ عطیہ شاہی ہے جو کہ بے ثروت تجھے ملا ہے اور فرط کرم سے عطائے خالص ہے۔ تو بصورت کو دیکھتا ہے حقیقت کو نہیں دیکھتا۔ اور یہ اسی ہی بخشش ہے جیسے سلیمان علیہ السلام نے محض براہ کرم بلبقیس اور اسکے شکر پر کی تھی۔ کہ انہیں کھینچ لیا تھا۔ اور کہا تھا کہ جلدی آؤ کہ بحر سخاوت میں موجیں اٹھ رہی ہیں اور ہر موج ساحل پر بے کشکے سیکڑوں موتی پھینک رہی ہے اب مولانا جو شہ میں آکر بنا بر استحصال واقعہ فرماتے ہیں کہ طالبین ہدایت کو اعلان عام ہے کہ وہ آئیں اور جنت میں داخل ہوں۔ کیونکہ اسوقت عنوان نے دروازہ بہشت کھول رکھا ہے۔ اور ہر شخص کو اندر جانیکی عام اجازت ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ حضرت سلیمان ہی کا مقولہ ہو مگر خلافت ذوق ہے خیر تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے قاصد و بلبقیس کے پاس جاؤ اور اس دین حق کو قبول کر لو۔ اور اس کو کہہ دو کہ بہت جلد ہمارے پاس آ جاؤ کہ اللہ جل جلالہ سلامتی کیساتھ بلائے ہے ہیں۔ اب مولانا پیچھے آتے ہیں اور بنا بر علمی التحضار واقعہ فرماتے ہیں۔ اے طالب دولت دیکھ جلد آ کہ اسوقت دولت مفت مل رہی ہے۔ اور خزانہ کار دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور کچھ طالبوں ہی کی تخصیص نہیں بلکہ غیر طالبوں کو بھی بلایا جاتا ہے۔ تاکہ اُس بار و فادار (حق سبحانہ) کی طرف سے تمہیں طلب نصیب ہو اور ملک و سلطنت کو ابراہیم بن ادہم کی طرح فوراً درہم برہم کر دے۔ تاکہ تم کو انکی طرح ملک باقی الی الہ نصیب ہو۔ اب سلطان ابراہیم بن ادہم کے ترک سلطنت کا واقعہ بیان کرتے ہیں

شرح شبیری

ایک شخص کا مشائخ کی جماعت کو خواب میں دکھنا اور ان سے روزی حلال بے کسی کے درخواست کرنا کیونکہ کسب کی وجہ سے

عبادت میں کمی آتی تھی اور ان حضرات کا ارشاد فرمانا کہ
 پہاڑی میوے جو تلخ و ترش تھے کھایا کرو اور اس شخص پر
 ان حضرات کے ارشاد فرمانا دینے کی وجہ سے سب میووں کا
 شیریں ہو جانا،

آں یکے درویش گفت اندر مگر خضر یا زرا من بدیدم خواب
 یعنی ایک درویش نے باتوں میں یہ بیان کیا کہ میں نے اولیاء اللہ کو خواب میں دیکھا ہے
 (اولیاء اللہ کو جو اُن کے رہبر اور رہنما ہونیکے خضر یاں کہنا ہے)
 گفتم ایشا نرا کہ روزی حلال از کجا تو شوم کہ نبوداں و بال
 یعنی میں نے اُن سے عرض کیا حلال روزی میں کہاں سے کھاؤں جو وبال (جان) نہ ہو۔
 ممر اسوئے کستان را ندند میوہا زان پیشہ می افشا ندند
 یعنی مجھے کوہستان کی طرف سے چلے اور میوے اُس جنگل کے جھاڑنے لگے (اور دیر ہوا
 فرمائی کہ)

کہ خدا شیریں بگرداں میوہ را در دہاں تو بہتہ مائے ما
 یعنی کہ حق تعالیٰ نبیوں و مکتوب کے منہ میں شیریں کر دے ہماری دعاؤں سے مطلب ہے
 کہ خواب میں پہاڑی میوے انہوں نے جھاڑے اور یہ دعا کی کہ خداوند کریم ان میوؤں کو
 تیرے منہ میں شیریں بنا دے کیونکہ وہ سب میوے تلخ تھے۔ اور اس دعا کو بعد یہ فرمایا کہ
 ہیں بخور پاک حلال و جو سب بے صلب و نقل و بالانشیب
 یعنی ہاں پاک اور حلال اور بحساب کہا۔ بلادر دوسری اور اوپر بیچے چڑھنے اور نہانے کے
 مطلب یہ کہ چونکہ اس شخص نے دعا کی تھی کہ ایسی حلال روزی ملے کہ کچھ کرنا نہ پڑے
 تو ان ہزرگوں نے ارشاد فرمایا کہ بس یہ میوے جو حلال و پاک ہیں کھالیا کرو اور

یہیں بہاڑی میں عبادت کیا کرو تو تم کو نہ کمیں جانا پڑے نہ آنا پڑے۔ آرام سے کھانا کرو۔ یہاں تک تو جواب تھا آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس مرازاں رزق نطقے روؤد ذوق نطق من خرد ہا در بود
یعنی میں مجھے اوس رزق سے ایک ایسی گویائی نے منہ دکھلایا کہ میرے نطق کا ذوق رووہ کرنا تھا۔ مطلب یہ کہ اُن میوؤں کے کھانے سے انکی گفتگو میں ایسی دلربائی پیدا ہو گئی کہ جو سنا بس فریفتہ ہو جاتا۔ اور ظاہر ہے کہ اسیں بچہ شہرت ہوتی ہے۔ تو اس پر انھوں نے دعا کی کہ

گفتم این فتنہ است ارجہاں بخشے دہ از ہمہ خلقاں

یعنی میں نے دعا کی کہ اسے پروردگار عالم یہ تو فتنہ ہے کوئی بخشش تمام مخلوق سے کوشید عطا فرمائیے مطلب یہ کہ انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ یہ تو فتنہ ہو گیا کہ لوگ بڑا مانگو لگے ہیں آپ اس سے بچا کر کوئی کمال ایسا عطا فرمائیے کہ جس میں سیکو خبر ہو اور نہ شہرت ہو۔ پس اس دعا کے بعد یہ ہوا کہ۔

شد سخن از من دل خوش یافتم چوں انار از ذوق می بشکافتم

یعنی کلام تو مجھے جاتا رہا اور ایک خوش دل میں نے پالیا۔ کہ انار کی طرح لذت سے میں بھٹا رہتا تھا۔

گفتم از چہ نباشد زہشت غیر این شلے کہ دارم در شہر

یعنی میں کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی چیز بہشت میں سوائے اس خوشی کے جسکو میں خیر میں کہتا ہوں ہرچہ نعمت آرزو نہاید و گر زیں نیر لازم بجز زویشکر

یعنی کسی دوسری نعمت کی آرزو نہ آویگی اور اسکو چھوڑ کر جو زویشکر میں مشغول ہوں مطلب یہ کہ اُس فرحت کی جو مجھے اُس نطق کے ازالہ کے بعد حاصل ہوئی تھی یہ کیفیت تھی کہ میں پھٹا پڑتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ میاں جنت میں اگر کوئی نعمت ہی سوائے اسکے نہ ہو جس حیت اور سرور ملجاوے تو بھائی ہم تو اور کسی نعمت کی ہی آرزو نہ کریں بس اسی میں لگن اور خوش رہیں۔ تو دیکھئے اولن بزرگوں کی برکت سے جنکو انھوں نے خواہیں دیکھا کیسی دل

ماہیت ہو گئی تلخ شے شیریں ہو گئی۔ اور یہاں چونکہ اس امر کو بیان کیا ہے کہ یہ شہرت سے بچے اور انھوں نے دعائی کہ اسے انشر مجھے اس شہرت سے نجات دے۔ جو انکو اُس وعظ وغیرہ کو بہت ہو گئی تھی تو آگے ایک اور قصہ ان ہی بزرگ کا ایک اور بزرگ کیساتھ بیان فرماتے ہیں جس سے اس تبدیل ماہیت کی یہی تائید ہوتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی شہرت سے بچتے تھے۔ اور گھبراتے تھے۔ آگے قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

درویش (مذکور) کا یہ نسبت کرنا کہ کچھ پیسے اس لکڑہاری کو دید و چون جبکہ
مجھ روزی حلال مشیر ہو گئی ہو اور اس لکڑہاری کا اس بات پر خجیدہ ہونا،

ماندہ بود از کسب یکدوجہ ام دوختہ در آستین جبہ ام
یعنی کسب میں سے میرے پاس دو ایک جہ میرے جیبہ کی آستین میں سلے ہوئے رہ گئے تھے
مطلب یہ کہ وہی مذکور شخص جنکے لئے پہاڑی میوے شیریں ہو گئے تھے فرماتے ہیں کہ میرے جیبہ کی
آستین میں پہلے جو میں کسب کیا کرتا تھا انھیں سے دو چار پیسے سلے ہوئے رہ گئے تھے اور میں نے
یہ دیکھا کہ۔

آں یکے درویش ہیزم می کشید خستہ ماندہ ز ہمیشہ در رسید
یعنی ایک غریب آدمی جو لکڑیاں ڈھویا کرتا تھا کا ماندہ جنگل سے پہونچا۔
پس بگھتم من ز روزی فارغم زین پس از ہر زرق نیست غم
یعنی میں نے (اول میں) کہا کہ میں تو روزی سے فارغ ہوں اور اس (قصہ) کے بعد مجھے
رزق کا کوئی غم نہیں۔ (کیونکہ)

میوہ مکروہ بر من خوش شد است رزق خالصم برآمد بدست
یعنی ناگوار میوے میرے لئے خوشگوار ہو گئے ہیں اور جسم کیلئے ایک خاص رزق ہاتھ میں آگیا ہے۔
چونکہ من فارغ شدستم از گلو جہ چند است من بدہم بدو
یعنی جب میں گلے سے فارغ ہو گیا ہوں تو یہ چند پیسے ہیں اسی کو دیدوں۔

بدھم اس زہر را بدین تکلیف کش تا دوسہ روز ک بود از قوتش
یعنی اس زہر کو اس تکلیف کیلئے والو کو دیدوں تاکہ دو تین روز کیلئے وہ روزی سے خوش
ہو جاوے مطلب یہ کہ یہ جارہے تھے تو ایک لکڑہار کو دیکھا کہ بیچارہ چکل سے آیا ہے لکڑیاں
سر پر ہیں اور بہت ہی تھکا ماندہ ہے انھوں نے سوچا کہ اب مجھ تو روزی کی فکر ہے ہی نہیں
مجھے تو بیفکری سے روزی بلجانی ہے۔ اس غریب پر سخت مصیبت سے گذرتی ہے لاوہ پیر
اسکو ہی دیدیں انھوں نے دل میں یہ سوچا اور وہ صاحب کشف تھے انکو انکا یہ خیال معلوم
ہو گیا اسی کو آگے فرماتے ہیں کہ۔

خود ضمیرم را ہی دانست و زانکہ شمعش در اشت نور از شمع ہو
یعنی خود وہ میرے دل کی بات کو جانتے تھے اسلئے کہ انکی شمع شمع ہو سے نور کھتی تھی یعنی
چونکہ انکو نور باطن نصیب تھا اسلئے انھوں نے میرے مافی الضمیر کو معلوم کر لیا۔ اور انکی
ایسی حالت تھی کہ۔

بود پیش سر بر اندیشہ چوں چراغ در درویشیہ
یعنی انکے آگے ہر خیال کا بھیجہ مثل چراغ کے تھا جو کہ شیشہ میں ہو مطلب یہ کہ جرح کہ
چراغ لالٹن میں رکھا ہوا باوجود اندر ہونیکے باہر سے نظر آتا ہے اسطرح انکو دلکی باتیں باوجود
انکے اندر ہونیکے معلوم ہو جایا کرتی تھیں۔

ہیچ پنہاں می نشد ازوئے ضمیر بود بر مضمون دلسا او ضمیر
یعنی اسپر کوئی پوشیدہ بات چھپی نہیں تھی۔ اور وہ قلوب کے مضمون پر واقف تھے مطلب یہ
کہ انکا کشف بہت ہی بڑھا ہوا تھا لہذا انھوں نے انکے اس خیال کو بھی معلوم کر لیا۔ اور پھر یہ ہوا کہ
پس ہی مستکید یا خود زریب در جواب فکر تم آں بوا عجیب
یعنی پس وہ بوا عجیب آپ ہی آپ زریب چیکے چیکے میرے خیال کے جواب میں کچھ کہنے لگے
(مستکیدن زریب آہستہ سخن گفتن بوجہ کہ دیگر شہنوی) اور وہ یہ فرما رہے تھے کہ۔

کہ چنین اندیشی از بہر سلوک کیفیت تلقی الزرق ان لم زرق
یعنی کہ بادشاہوں کے لئے ایسی بات ہو جیاتی ہے اگر وہ تجھے زرق نہیں تو تجھے زرق کسل ملے

مطلب یہ کہ انھوں نے فرمایا کہ یہی باتیں ایسے لوگوں کیلئے (یعنی ہمارے لئے) سوچتے ہو جو کہ بادشاہ (باطن) ہیں بلکہ یہاں تک ہے کہ تم کو بھی رزق ان ہی کی برکت سے ملتا ہے اور تمکو رزق ملنے کے ہی وہی سبب ہیں۔ تو بھلا جب تم کو بھی اُن ہی کی بدولت رزق ملتا ہے تو تم کس منہ سے کہتے ہو کہ ہم انکو دیدیں اور ان لم برزق کس میں اضافت سبب کی طرف سے کیونکہ دنیا میں جو نعمتیں ہوتی ہیں یہ بزرگوں کی اور اولیاء اللہ کی بدولت ہی تو ہوتی ہیں اگرچہ انکو خبر بھی نہ ہو کہ ہم سے فلاں فیض نکوئی ہو رہا ہے۔ جیسا کہ سورج کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ میرا نور کس کس جگہ پڑ رہا ہے لیکن نور ہے کہ سب کو منور کر رہا ہے۔ اسی طرح حضرات اولیاء اللہ کو اگرچہ بعض اوقات خبر بھی نہیں ہوتی۔ کہ ہم سے فیض ہوا ہے۔ لیکن بہت سے فیوض اُن ہی کی برکت سے پہنچتے ہیں تو یہ مثلاً اُنھی کے سبب رزق ہیں کہ انکی وجہ سے رزق دیا جا رہا ہے لیکن خود رزاق نہیں ہیں اسی لئے کہا گیا کہ اضافت سبب کی طرف سے خوب سمجھو اور آگے فرماتے ہیں کہ۔

من نمی کردم سخن را فهم لیک ہر دم میر و عتابش نیک نیک
یعنی میں بات کو سمجھتا نہ تھا لیکن میر کے دل پر اُنکا عتاب خوب خوب اثر کر رہا تھا۔
سچے میں آمد بہیدیت سچو شیر تنگ بہ نرم را نہاد از پشت لیر
یعنی میری طرف بہیدیت کیساتھ شیر کی طرح آئے اور لکڑیوں کے گٹھے کو کہے سچو رکھ دیا۔ مطلب یہ کہ اول تو کچھ منہ ہی منہ میں کہتے رہے اور اُسکے بعد گٹھا سر پر سے بچے رکھ کر انکی طرف آئے تو اب یہ کہتے ہیں کہ۔

پر تو حالے کہ او بہیم نہاد لرزہ بر مفت عضو من فساد
یعنی اُنس حالت کے اثر سے جس سے کہ او انھوں نے لکڑیاں رکھی تھیں میرے ساتوں اعضا میں لرزہ بڑ گیا۔ مطلب یہ کہ انھوں نے جو لکڑیاں جوش میں سر سے اتاریں تو اسوقت ان پر جو حالت تھی اُسکے اثر سے میں کانپ اٹھا۔ اسکے بعد انھوں نے یہ دعا کی کہ۔
گفت یار گے ترا خالصان جان کہ سہار ک دعوت و فرخ یے اند
یعنی اُن لکڑی ہاری صاحب نے دعا کی کہ اے اللہ اگر آپ کے خاص لوگ (اولیاء) زندہ ہیں

جو کہ مبارک دعا اور مبارک قدم ہیں۔

لطف تو خواہم کہ مینا گر شود
ایں زہاں تنگ بہترم ز شود

یعنی میں چاہتا ہوں کہ آپ کا لطف کہیں آگے نہ بڑھے اور یہ لکڑیوں کا گٹھا سونا ہو جاوے۔
مطلب یہ کہ انھوں نے دعائی کا واسطہ کرتے ہوئے اولیاء موجود اور زندہ ہیں جو کہ مقبول
الدعوات اور مبارک قدم ہیں تو میرا دل چاہتا ہے کہ انکی برکت سے اس لکڑیوں کے
گٹھ کو سونے کے گٹھ سے بدل دیجئے۔ اور ان سب کو سونا کر دیجئے۔ آگے یہ پہاڑی فقیر صاب
کہتے ہیں کہ۔

دیر زماں دیدم کہ ز رشد ہمیش
ہمچو آتش بزمین قیافتش

یعنی میں نے اسی وقت دیکھا کہ انکی لکڑیاں سونا ہو گئیں اور آگ کی طرح زمیں پر لڑکی
ہوئی (چمک رہی تھیں۔

من دریاں خود مشدم تا دیرگہ
چونکہ یا خویش آدم من از ولہ

یعنی میں آسمیں دریاں خود در گیا۔ اور جب میں حیرانی سے آپ میں آیا (تو یہ ہوا کہ)

بعد ازاں گفت و خدا اگر آں گبار
بس غیورند و گر نیاں ز ایش تھا

یعنی اسکے بعد انھوں نے عرض کیا کہ خدا اگر وہ حضرات بہت غیور ہیں اور مشہور ہونے
سے بھاگتے ہیں۔

باز ایں را بند بہر م ساز زود
بے توقف ہم براں حالے کہ بود

یعنی پھر اسکو جلدی سے لکڑیوں کی گٹھری بلا توقف کے اسی حالت میں سیر کرتے بنا دیکھو
مطلب یہ کہ اول جو انھوں نے دعائی تو انکی لکڑیاں ساری سونے کی ہو گئیں اسکو دیکھ کر
ان پہاڑی صاحب کو سخت حیرت ہوئی۔ اور یہ کہ دیر کیلئے عالم خود دی میں آگے خیر جب
انکو اس حالت سے آفاقہ ہوا اور کچھ انکو خوش آیا تو انھوں نے سنا کہ وہ یہ فرما رہے ہیں کہ
اے اللہ اگر تیرے خاص بند و شہرت سے بھاگتے ہیں اور انکو مشہور ہونے سے غیرت آتی ہے
تو آپ ان لکڑیوں کو جو کہ سونے کی ہوئی ہیں پھر لکڑیاں ہی بنا دیجئے کیونکہ اگر یہ اسی طرح
رہیں گی تو لوگ دیکھیں گے کہ یہ انکی دعا سے سونے کی ہو گئی ہیں۔ تو وہ چھو بزرگ مانو لگیں

انکایہ دعا کرتا تھا کہ وہ پھر لکڑیاں ہو گئیں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

در زمان ہنرم شد آن غصان
یعنی وہ سوئکی شاقیل اسی وقت لکڑیاں ہو گئیں اور ان کے کام میں عقل و نظر
تھے یعنی یہ بات نہ تو کچھ سمجھ میں ہی تھی اور نہ ان آنکھوں سے کچھ دکھائی دیتا تھا بس
حیرت ہی حیرت تھی۔

بعد ازاں جراثیم را و رفت
یعنی اسکے بعد انھوں نے لکڑیاں اٹھائیں اور شہر کی طرف میرے سامنے سے تیز اور
جلدی سے چل دیئے۔

خاستم تا دیر پئے آن شہ روم
یعنی میں نے چاہا کہ ان شاہ صاحب کے کچھ چلوں اور ان سے مشکلات (طریق) چھوٹی اؤٹوں
بستہ کر دوں مہمیت اور مرا
یعنی انکی مہمیت نے مجھے بستہ کر دیا (مولانا فرماتے ہیں کہ) خاصان جن کے آگے عوام کو راہ
نہیں ہوتی مطلب یہ کہ جب دوبارہ انھوں نے دعا کی کہ ای اللہ انکو پھر لکڑیاں بنا دے
تو وہ پھر لکڑیاں ہو گئیں بس انکو لیکر شہر کی طرف کو رواہ ہو گئے تاکہ انکو فروخت کر دیں کیئے
اس قصہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اولیاء اللہ کا فقر اختیار ہی ہوتا ہی ضروری
نہیں ہوتا بھلا دیکھئے کہ اگر اُس لکڑیوں کے گٹھڑ کو سونا ہو گیا تھا یہ خراج کرتے اور کام میں
تو کیا شے مانع تھی اور کس مزہ کی زندگی کہ جب خراج کم ہوا فوراً لکڑیاں جمع کیں اور سونا بنا لیا
کیا کوئی کیمیا گر کر سکتا ہے لیکن ایسا نہیں کیا۔ بلکہ وہی لکڑیاں لیکر بازار کو چلے گئے۔ اب
وہاں جا کر انکو فروخت کریں گے جھگڑا کریں گے لڑیں گے اسکے بعد فروخت کر کے پھر اسکو
کام میں لاویں گے یہی تو سنت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد خداوندی ہوا کہ اھ
کو سونا بنا دیا جاوے تو آپ نے ہی فرمایا کہ نہیں یا اللہ بس یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز بیٹ
بھر کر ملے تو شکر کروں اور ایک روز فاقہ ہو تو صبر کروں غرض کہ وہ لکڑیاں اٹھا کر چلے گئے۔
تو انھوں نے چاہا کہ انکے ساتھ ہولوں کہ ایسا بزرگ پھر کب ملتا ہے ان سے سلوک کے

متعلق جو مشکلات پیش آرہی ہیں انکو حل کروں یہ ارادہ کر کے انھوں نے چلنے کا قصد کیا یہی تھا کہ انکی ہمیت کی وجہ سے انکا قدم ہی آگے نہ اٹھ سکا اور یہ وہیں دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے مولانا فرماتے ہیں کہ بھلا خدا صاف خدا کے آگے عوام لوگ کیا چل سکتے ہیں عوام کو حضرات اولیا و ائمہ تک رسائی ہو نا ظاہر ہے کہ سخت مشکل ہے۔ کیونکہ وہ شاہان باطن ہیں ایک فقیر کو بادشاہوں تک رسائی ظاہر ہے کہ مشکل ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔
 ورگے راہ شود گوشہ فشاں کان شود از جرئت از خدشاں
 یعنی در اگر کسی کو رسائی ہو جاوے تو گو کہ نہ کہ سر قربان کرے کیونکہ وہ انکی رحمت اور انکے جذبے ہوتا ہے پس غنیمت داراں توفیق را چوں بیابی صحبت صدیق را
 یعنی اس توفیق کو غنیمت سمجھو جبکہ کسی صدیق کی صحبت تم کو ملجاوے۔
 نے چو آں ابلہ کہ یابد قرب شاہ سہل و آسان در خداوند مزراہ
 یعنی اُس ہو قوف کی طرح نہو جاوے کہ جس نے قرب شاہی آسانی سی پالیا تو اسوقت راستہ ہی سی پڑ جاوے۔
 چوں ز قربانی دہندش بیشتر پس گوید راں گا و است این مگر
 یعنی جب اسکو قربانی میں سے بہت سادیں تو یوں کہے کہ شاید گائے کی ایک ران ہے (مولانا فرماتے ہیں کہ)

نیست این از گا و راں و فقری ران گا و تمی نماید از خری
 یعنی ای بہتان رانگا ہوا ہے یہ ران گاؤں سے نہیں ہے تجھ کو گدھے پن سے ران گاؤں معلوم ہوتی ہے
 بدل شاہان است این بے رشوتی بخشش محض است این از رحمتی
 یعنی یہ تو بلا کسی رشوت کو بادشاہ ہو نکی عطا ہے اور رحمت کی وجہ سے بخشش محض ہے مطلب یہ ہے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ اول تو کسی کو حضرات اولیا و ائمہ تک رسائی نہیں ہوتی یہ حضرت کسی کو عہدہ نہیں لگاتے۔ اور اگر کسی کو رسائی ہو جاوے اور وہ حضرات کسی پر عنایت فرماویں تو اسکو چاہئے کہ پس پڑ کو قربان کر دے۔ اور انکی صحبت میں رٹ جاوے۔ اور فنا ہو جاوے۔ اور اُس ہو قوف کی طرح نہو جاوے جبکہ کہ آسانی سے قرب شاہی نصیب ہو گیا تھا اور وہ وہیں محیل کیا اور راستہ ہی میں بٹھ گیا کہ اب مجھے کوشش کرنیکی کیا ضرورت ہے میں تو بڑا

درجہ کا آدمی ہو گیا۔ اور پھر اگر اُسکو عطلے شاہی ہوئی اور اُسکو کچھ عنایت ہو (ران گاؤ بطور مثال کے ہے معنی یہی کہ اُسکو کچھ ملا) تو اُسکو بوجہ تکر کے حق سمجھنے لگا اور کہنے لگا کہ صرف فلاں چیز ملی ہے اور ملا ہی کیا ہے اسی طرح اگر حضرات اہل الشریعہ کچھ توجہ و عنایت فرما دیں تو اُس پر اثر اڑے نہیں اور اُسکو اپنوں کے کامرہ نہ سمجھے بلکہ صرف عنایت ہی عنایت سمجھے کہ خدا کی رحمت ہے کہ اُن کے قلوب کو میری طرف باوجود میرے نالائق ہونیکے اسی طرح متوجہ فرما دیا اور اُن حضرات کا شکریہ ادا کرے کہ وہ اسکی طرف توجہ فرماتے ہیں اور تھوڑی توجہ کو بھی بہت جلنے اور حق تعالیٰ کا پھر اُنکا شکریہ ادا کرے۔ کہ ارشاد ہے کہ ان شکوتم لازیدنکم کیونکہ وہ جو کچھ عنایت و نوازش و توجہ فرماتے ہیں اُنکی تو کوئی ذاتی غرض ہے ہی نہیں بلکہ محض عنایت و نوازش ہے کہ وہ توجہ فرماتے ہیں۔ تم نے اُنکو کونسا فائدہ پہونچایا ہے کہ جسکی عوض میں وہ تمہارے اوپر عنایت فرماتے ہیں اور اگر کوئی صاحبِ نذرانہ وغیرہ دیکر خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے فلاں بزرگ کی اس قدر خدمت کی اسلئے وہ متوجہ ہیں تو ذرا خود انصاف کر لو اور گریبان میں منہ ڈالکر دیکھ لو کہ کیا تم دل سے اُس خدمت اور دینے کو عوض سمجھتے ہو اور کیا وہ اُنکی ان توجہات کا بدلہ ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ وہ جو کچھ بھی کریں اُنکی عنایت ہر اور بہت ہے۔ اور تم جتنا بھی کرو تمہارا فرض منصبی ہے اور کم ہے خوب کہا ہے کہ ۵

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بدآت

خبر بھی ہے کہ اُنکو تم لوگوں سے ملنے میں اور تم سے احتلاط کرنے میں کیسی کچھ کلفت ہوتی ہے کچھ تھوڑا سا اندازہ اُنکی کلفت کا اس مثال سے ہو جاوے گا کہ مثلاً کسی کا محبوب ہے اور وہ اُسکو دیکر رہا تھا اور وہ اُسکے دیدار میں محو تھا کہ محبوب نے یہ حکم دیا کہ دیکھو اس طرف جو ہمارا لیک غلام بستی بیٹھا ہے اُسکو دیکھو تو اگر چہ اسوقت اُس محب کی توجہ اس غلام کی طرف لچکے اور اُسکے حکم سے ہی ہے اور وہ جانتا ہے کہ جب میں نے محبوب کا کہا مانا ہے تو اُسکو میسر اور پر عنایت کہی زیادہ ہو جاوے گی لیکن پھر بھی کوئی اُسکے دل سے پوچھے کہ اُسپر کیا گدڑی ہے کیا وہ اس حالت کو اُس حالت میں تحمل جائے گا جس میں کہ وہ مشاہدہ محبوب میں مشغول تھا۔ ہرگز نہیں اُسکو اہمیں سخت سے سخت کوفت ہو رہی ہے لیکن صرف اسلئے کہ حکم ہے اس طرف

متوجہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح جو اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ جبکہ سپرد تربیت خلق کر دی گئی ہے وہ خلق کی طرف متوجہ ہیں۔ اور حکم حق بجالا رہے ہیں اور ذرا چون و چرا نہیں کرتے بظاہر خوش بھی معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر ان کے دل سے پوچھو تو وہ یہی کہیں گے کہ اگر چاہا سوقت بوجہ حکم محبوب کے یہی حالت اصل ہے اور ہم اسی میں لگے ہوئے ہیں اور اسی پر راضی ہیں لیکن طبعی طور پر یہی خواہش ہے کہ ہم ہر حال میں اور حال محبوب ہو۔ اور کہیں گے کہ اگرچہ یہی واسطہ ہیں مشاہدہ حق کے لیکن شکر و غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری وغیرہ کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری بس اب اس سے اندازہ کرو کہ ایسا شخص جو اس طرح متوجہ کر دیا گیا ہو اس کی ذرا سی توجہ غنیمت ہے۔ ہمارے تو اس کی ذرا سی توجہ کو بھی غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اور اس کو چاہئے کہ وہ حق تعالیٰ کے حکم پوری طرح بجالا دے۔ اور وہ بجالاتے ہیں لیکن ہم کو ان سے اسکا متوقع رہنا کہ وہ ہماری خوشامد کریں اور ہماری قدرو منزلت کریں سخت سے سخت بیوقوفی ہے غرض کہ ان تک اگر رسائی نہ ہو جاوے۔ تو اس کو غنیمت سمجھے اور ہمارے حقوق حتی الوسع ادا کرے اور اس رسائی کو اور اپنی طلب کو ان ہی کا جذب سمجھے اور ان ہی کی برکت خیال کرے ورنہ اگر وہ جذب نکریں تو سچ یہ ہے کہ اسکے اندر طلب ہی باقی نہ رہے جیسا کہ بزرگوں کے قصوں سے صاف ظاہر ہو جو بوجہ تطویل کے مضمون کو بیان نہیں کیا گیا ہے یہی مشہور میں آگے مولانا تین فرماتے ہیں کہ دیکھو صیغہ کے سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اور ان کے شکر کو دعوت اسلام دی تھی اور ان کو بلایا تھا تو وہ مسلمان ہو گئے تو یہ انکا اسلام کمیرٹ میلان صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کی توجہ کی برکت سے تھا۔ کہ انھوں نے چاہا کہ وہ مسلمان ہو جاویں۔ ورنہ اگر انکا دل نہ چاہتا تو وہ اسلام ہی نہ لاتے اور انکو اس طرف توجہ ہی نہ ہوتی خوب سمجھ لو۔

سلیمان علیہ السلام کا قاصدوں کو واپس جانے

اور بلقیس کے ہجرت کی حرص دلانا،

ہیچنانکہ شاہ سلیمان در نزد جذب خیل و شکر بلقیس کرد

یعنی صیغہ کے شاہ سلیمان علیہ السلام نے مقابلہ کے وقت بلقیس کے خیل و شکر کو جذب کیا اور فرمایا کہ

کہ بیا بیڈا غزیران زود زود کہ برآمد موجب از بحر جود
یعنی کہ اسے غزیر و جلدی جلدی آؤ کہ جو حق کے دریا میں سے موجیں نکل رہی ہیں۔
سو سے ساحل میں فشانہ بخیر جوش موجیں ہر زمانے صد گہر
یعنی ساحل کی طرف بلا کسی خطرہ کے اسکی موج کا جوش ہر گھڑی سیکڑوں موتی ڈال رہا ہے
مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے لوگو جلدی دؤر کہ اسوقت موج رحمت
جوش میں ہے اور فیوض و برکات نازل ہو رہے ہیں لہذا جلدی سے اگر ان فیوض سے دامن نہ ہو
الصلوات الغفیرۃ اے اہل ارشاد کایں زمان ضواں و جنت کشاد
یعنی اے اہل ارشاد ہم نے منادی کر دی ہے کہ اسوقت وضو ان تے جنت کا دروازہ کھول رکھا ہے
مطلب یہ کہ اسوقت فیوض و برکات نازل ہو رہے ہیں چلو اور لو۔

پس سلیمان گفت ای بیکیاں وید سوئی بلفیس بدین دین بگروید
یعنی پھر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے قاصد و بلفیس کی طرف لوٹ جاؤ اور اس دین
کی طرف گرویدہ کرو۔

پس بگوئیدش بیا اینجا تمام زود کان انشدید عو با السلام
یعنی پھر اس سے کہو کہ یہاں جلدی سے بالکل آ جاوے۔ کہ انشد تعالیٰ سلامتی کی طرف بلا رہے
ہیں (کان انشدید عو اصل میں کہ ان انشدید عو تھا۔ ہمزہ کو قرأت میں گرا دیا گیا ہے) آگے مولانا
فرماتے ہیں کہ۔

ہیں بیا ای طالب دولت شتاب کہ فتوح است این زبان و فتیاب
یعنی کہ ہاں ای دولت کے طالب جلدی سے آ جاؤ اسوقت فتوح ہیں اور فتح باب ہے مطلب
یہ کہ طالب سے فرماتے ہیں کہ یہاں آ جاؤ اسوقت فیوض و برکات سے مالا مال ہو جاؤ جس طرح
کہ سلیمان علیہ السلام اپنے زمانہ میں بلا رہے ہیں تمہارے زمانہ میں ہی تمہارے لئے سلیمان
موجود ہیں انکے پاس جاؤ اور مالا مال ہو جاؤ۔ اور اپنے مطلوب چل کر لو۔ یہ تو طالب کو ارشاد
تھا آگے غیر طالب کو خطاب ہے کہ۔

اے کہ تو طالب تو ہم بیا تا طلب یابی ازاں یا ر وفا

یعنی ای وہ شخص جو کہ طالب نہیں ہے۔ تو یہی آجا۔ تاکہ تو اس یار و قاس سے طلب پاوے۔
 مطلب یہ کہ مولانا جوش میں فرماتے ہیں کہ میاں جو طالب ہیں وہ آویں گے تو ان کو ان کا مطلوب
 ملجا ویگا اور جو طالب نہیں ہیں وہ یہی آجاویں گے کہ ان حضرات کے فیض صحبت سے ان میں طلب
 پیدا ہو جاوے گی۔ غرض کہ طالب ہو تو مقصود کے حصول کیلئے آجاؤ اور اگر طلب ہی نہیں ہے
 تو طلب پیدا کرنے کیلئے آجاؤ ہاں ایک کام ہر حالت میں ٹھکرو کرنا ہو گا وہ یہ کہ۔

ملک برہم زن تو ادہم دازروں تابیا نی ہیچو او ملک خلود
 یعنی ابن ادہم کی طرح ملک کو جلدی درہم برہم کر دو تاکہ تم آنکلی طرح ملک خلود یا طلب
 یہ کہ حسب طرح کہ حضرت ابراہیم ابن ادہم نے حصول مقصود کیلئے ملک کو جو کہ مانع طریق تھا
 چھوڑ دیا تھا تب ان کو مقصود ملا تھا بس اسی طرح تم بھی موانع کو مرتفع کر دو۔ اور اسکے بعد
 آجاؤ پھر ان دونوں حالات مذکورہ میں سے جو حالت بھی ہوگی وہ درست ہو جاوے گی چونکہ حضرت
 ابراہیم ابن ادہم کا ذکر آگیا تو آگے ان کے ترک سلطنت کے قصہ کی بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ابراہیم بن ادہم کی ہجرت ملک کے اسان کو چھوڑ دینے کا سبب

خفتہ بوداں شہ شبانہ بر سر یہ	حارسان بر بام اندر دارو گیر
قصہ شہ از حارسان آنہم نبود	کہ کندزاں دفع و زداں ورنود
او بھی دانست کان کو عاوست	فارغست از واقعه امین دل است
عدل باشد یا سببان کاما	نے بہ شیعہ یک زنان بر بامسا
لیک بعد مقصودش از بانگ باب	ہیچو مشتاقان خیال آن خطاب
نالہ سزاوہتدید و ہل	چیز کے مانند بیاں تا قور کل

<p>از دروازہ چرخ بگرفتیم ما می سر نیدش بطنیور و بحلق نفر گردانید ہر آواز درشت در ہشت آن لجنہا بشنودہ ایم یاد ما آید از انسا اند کے کے وہاں زیر و این ہم آنظر ب گشت اینیش مزاجش تلخ و تیز بول از ان رو آتشی را می کشد کاتش غم را بطبع خود نشانہ کہ درو باشد خیال اجتماع بلکہ صورت گرد و از بانگ صوفیہ آچنانکہ آتش آں جو ز ریز</p>	<p>پس حکیمان گفتہ اند این لجنہا بانگ گردشہای چرخ است اینکہ خلق مؤمنان گویند کانا بہشت ما ہمہ اجزائے آدم بودہ ایم گرچہ بر بار خت آب و گل شکے لیک چون آہیخت با خاک کرب آب چون آہیخت با بول و کمیز چیز کے از آب ستش درید گر نجس شد آب این طبعش مہاند پس غداے عاشقان آمد سماع قوتے گیر و خیالات ضمیر آتش عشق از نوا ہا گشت تیز</p>
------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

حضرت ابراہیم بن ادہم رات کو اپنے تخت پر سو رہے تھے اور کوٹھے پر پہرہ دار اپنا فرض منصبی انجام دے رہے تھے۔ لیکن باؤ شاگ مقصود اس پہرہ کے قائم کرنے سے یہ نہ تھا کہ چوروں اور بد معاشوں کو روکا جاوے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جو شخص عادل ہوگا اسکو کسی واردات کا کھٹکا نہ ہوگا۔ اور وہ اسکی طرف سے بے فکر ہوگا۔ کیونکہ عدل ہی لوگوں کے مقاصد کا پہرہ اور نہ کہ کوٹھے پر بیٹھ کر باجا بجانے والے بلکہ مقصود ان یا سب انوں کے مقرر کرنے اور انکے باجا بجائے عشاق کی طرح اس خطاب ازلی کی یاد آئی جو کہ سب نقائے عالم ہے۔ اور جو کہ ادراج کو انقوت سنایا گیا تھا جبکہ انکو قوالی انسانی میں داخل ہونیکا حکم ہوا تھا۔ تاکہ وہ اسکی لذت سے مست

ہو کر انہیں داخل ہو جائیں اور خوش نہوں۔ کیونکہ سہرا اور ڈھول کی آواز کی سی قدر اس
 صورت کلی یعنی خطاب ربانی سے جو کہ سبب بقائے عالم ہے کی قدر ملتی ہے۔ جبکہ سلسلہ گفتگو
 بیان نعمات تک منہج ہو گیا تو اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انکی اصل کو بیان کر دیا جاوے
 پس سنو کہ اسکی اصل میں اختلاف ہے۔ حکما کہتے ہیں کہ یہ راگ ہم نے گرد شہائے خلکیہ اور
 انکی آوازوں سے اخذ کئے ہیں اور یہ جو لوگ ظہور وغیرہ باجوں میں اور خلق سے گاتے ہیں
 یہ افلاک کی گردشوں کی آوازیں ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں مومن کہتے ہیں کہ بہشت کی آوازیں
 نے ان آوازوں کو دلکش کر رکھا ہے۔ اور ہر بڑی آواز کو اچھا بنا دیا ہے تفصیل اس حال
 کی یہ ہے کہ ہم سب اجزائے آدم تھے۔ اور انکے ضمن کے بین ہیں ہم نے یہ راگ ضمن خطاب
 مذکور سے ہیں پس جو دلکشی ہماری آوازوں میں ہو وہ اسی خطاب اور انہیں نعمات کے
 سبب ہے۔ شاید تم کو شبہ ہو کہ جب یہ نعمات ہمارے سے ہو تو ہمیں تو پھر ہمیں یاد کیوں نہیں
 آتے اور ان سے ہم کو لذت نامہ کیوں نہیں حاصل ہوتی جیسے عالم ارواح میں ہوتی تھی اسکی
 وجہ یہ ہے کہ غلبہ ناسوت پر ہے ہمیں شک اور جہل میں مبتلا کر دیا ہے۔ اسلئے ہم کو کچھ یاد آ
 ہیں اور پورے طور پر یاد نہیں آتے۔ اور ہم کو لذت نامہ نصیب نہیں ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ
 وہ آوازیں غم کی مٹی سے مخلوط ہیں اسلئے ہم کو یرودیم وغیرہ کی آوازوں سے وہ نشاط نہیں
 ہوتا۔ جو ان سے پہلے ہوتا تھا۔ اس ضمنوں کو ہم ایک حسی مثال سے سمجھاتے ہیں دیکھو جب
 پانی پیشاب کیساتھ مخلوط ہو جاتا ہے تو اسکے ساتھ آمیز ہو جاتے سے اس میں تلخی اور تیزگی ہوتی
 ہے اور اپنی اصلی حالت پر نہیں رہتا۔ مگر اسکی ساتھ ہی چونکہ جسم کے اندر کسی قدر پانی موجود ہے
 اسلئے پیشاب آگ کو بجھا دیتا ہے۔ پس گو وہ آب نعمات ناپاک ہو گیا ہے اور اپنی صرافت
 اور محضت بر بانی نہیں ہے مگر اسکے بعض خواص و آثار موجود ہیں اور اسی لئے وہ دلکش غم
 کو اپنی طبیعت اصلہ سے بچھا دیتا ہے۔ جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ نعمات خطاب ربانی
 سے ملتے ہیں تو اب تم سمجھو کہ یہی وجہ ہے کہ عاشقان ربانی کی غذا سماع ہے۔ کیونکہ اسکو
 سکر اجتماع و قرب بانی کا خیال اور اسکی طرف توجہ ہوتی ہے۔ اور اس سے اس تصور و خیال
 کو قوت ہوتی ہے بلکہ ایک وقت میں انہیں آوازوں کی بدولت وہ خیال و تصور صورت

بجائے یعنی قرب حق حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نعمات سے آتش عشق تیز ہوتی ہے صلیح
 پانی میں اخروٹ ڈالنے والے کے طلب کو پانی کی آواز سے ترقی ہوتی ہے۔ اور یہ طلب
 موصول الی المطلوب ہو جاتی ہے۔ (ف) اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جواز عدم
 جواز سماع کے متعلق ایک مختصر بحث لکھ دیا دے۔ تاکہ مولانا کے اشعار سے کسی کو غلط
 فہمی نہ ہو مگر اصل مقصود سے پیشتر چند مقدمات کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ تاکہ مقصود کے
 سمجھنے میں آسانی ہو مقدمہ اولیٰ حرمت اشیا در دو قسم کی ہے اول لذات الاشیا در دو
 للعوارض الخارجیہ۔ مقدمہ ثانیہ اشیا حرمہ للعوارض الخارجیہ کی حالتیں مختلف ہیں
 کبھی تو اتنی یہ حالت ہوتی ہے کہ عوارض خارجیہ غالب احوال میں انکے ساتھ نہ ہوں
 اور انکے کاک الکانادر و قلیل ہوتا ہے۔ اور کبھی یہ حالت ہوتی ہے کہ مصاحبت عوارض
 نادر ہوتی ہے۔ اور انکے کاک غالب ہوتا ہے پس پہلی قسم کی اشیا کے متعلق حکم عام حرمت
 کا ہوتا ہے۔ اور مواضع شاذہ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جیسے اختلاف باغیر حرام کہ یہ مفضی
 الی الزنا ہو نیکی سبب حرام ہے۔ اور اسکا ہر فرد مفضی الی الزنا نہیں مگر چونکہ افضا اغلب ہے
 اسلئے حکم عام حرمت کا ہے۔ اور دوسری قسم میں حکم صلی حلت ہوتا ہے اور وہ خاص
 عورتیں حرام ہوتی ہیں جن میں عوارض حرمہ موجود ہوں۔ جیسے اختلاف با محارم کہ یہ بھی بعض
 احوال میں مفضی الی الزنا ہو جاتا ہے۔ مگر اغلب عدم افضا ہو اسلئے اسوقت تک جائز ہے
 جب تک ابتلا رکاز اندیشہ نہ ہو مقدمہ ثالثہ خطا اجتہادی یا غلیہ حال سے معصیت پر حکم
 معصیت مرتب نہیں ہوتا۔ ان مقدمات کے بعد جاننا چاہئے کہ غنا و مزامیر مجرم نہ ہوتا
 نہیں بلکہ یہ عوارض خارجیہ حرام ہیں اور یہ مشاہدہ ہے کہ انہیں فساد اغلب ہے اور صلاح
 شاذ علاوہ مشاہدہ کے۔ اتنی بات خود مولانا کو بھی تسلیم ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جن میں فساد کا
 اندیشہ نہیں۔ اہل بشر اور نفوس قدسیہ ہی ہو سکتے ہیں در ایسے حضرات کی ندرت کو
 خود مولانا قبول فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک دو کمر مقام پر کہتے ہیں ۷

اتصلے بے تکلیف بے قیاس ہست رب الناس با جان ناس
 بیک گفتم ناس من شناس ناس غیر جان جان شناس نے

ناس مردم باشد و کومردمی تو سر مردم ندیدی دمی
 پس یہ دونوں حکم مقدمہ ثانیہ علی الاطلاق محرم ہونگے۔ اور منفعتیں بتلانے والوں سے
 کہا جاوے گا۔ کہ فیہما اکثر کبیر و منافع للناس و انہما اکیرون نفعہما اور جن لوگوں کا
 سماع خود ان کے لئے مفضی الی الفساد نہیں انکے سماع کو اسلئے معصیت نہ کہا جائے
 کہ انکے لئے مفضی الی الفساد ہے۔ لیکن انکے اس فعل کو اسلئے ضرور معصیت کہا جاوے گا کہ
 انھوں نے ایک قانون عام شرعی کی خلاف ورزی کی جیسا کہ وہ بار کے زمانہ میں امر و نہی
 پہنچنے کی اسلئے ممانعت کی جاتی ہے کہ لوگ ضرر سے محفوظ رہیں لیکن اگر کوئی شخص امر و نہی
 اور کھانے والوں کو نقصان نہ پہنچے تب بھی نیچے والا محرم ہے۔ کیونکہ اس سے قانون کی
 مخالفت کی۔ نیز اسلئے ہی اسے معصیت کہا جاوے گا کہ گو خود انکے لئے مفضی الی الفساد نہیں
 مگر انکا یہ فعل دوسروں کیلئے مفضی الی الفساد ہے۔ لیکن چونکہ ہم مقدمہ ثالثہ میں بتلا چکے
 ہیں کہ خطا اجتہادی وغلبہ حال کے سبب معصیت پر اثر معصیت مرتب نہیں ہوتا اسلئے
 ایسے لوگوں پر علی الاطلاق ملامت نہ کی جاوے گی بلکہ اگر وہ مجتہد ہیں تو چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے
 اسلئے انکو مجتہد مخطیٰ کہا جاوے گا۔ اور وہ اس خطا پر بھی ایک ثواب کے مستحق ہونگے۔ اور اگر مخطی
 اجمال میں تو غلبہ حال انکا عذر ہوگا۔ اور اسلئے وہ قابل ملامت نہ ہونگے۔ اور اگر اہل ہونیکے
 ساتھ مجتہدین مجوزین کے منقلہ ہیں تو انکا عذر تقلید ہے۔ اور اگر یہ یقینوں صوہیں نہیں تو شیخ
 ہوئے اور عاصی نہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ غنا و مزامیر علی الاطلاق حرام ہیں مگر
 جن اہل اثر سے اسکی تجویز یا اسکا ارتکاب منقول ہے وہ یا تو خطا اجتہادی کی وجہ سے معذور
 ہیں یا تقلید مجتہد کے باعث یا غلبہ حال کے سبب۔ اسلئے نہ ان پر ملامت کی جاوے گی نہ
 انکی علی الاطلاق تقلید کی جاوے گی ہاں اگر کوئی شخص اسکا اہل ہی ہو اور ان شرائط کا پابند
 بھی ہو مجوزین سے جواز کیلئے قائم کی ہیں اور وہ مجوزین کو مصیب بھی سمجھتا ہو تو اسلئے
 گنجائش ہے مگر کچھ بھی ترک مناسب ہے۔ کیونکہ اول تو یہی کچھ ضرور نہیں کہ جو اپنے اہل کچھ
 وہ اہل ہی ہو کیا بعید ہے کہ تسویل نفس ہو۔ پھر اہل ہونیکے ساتھ یہ فعل فی نفسہ جائز نہیں بلکہ
 عوارض کے سبب مواخذہ ہونا شے دیگر ہے اور اگر جائز ہی ہو تو اصول اسپر موقوف نہیں۔

بچہ کیا ضرور ہے کہ بلا ضرورت آدمی خطرہ میں پڑے۔ ہمارے اس بیان سے یہ شبہ ہی مندرج ہو گیا کہ اگر فیصل حرام ہوتا تو بعض اہل تشیع کیلئے موجب ترقی کیوں ہوتا۔ حالانکہ انکے لئے موجب ترقی ہے۔ جیسا کہ مولانا کے کلام سے ظاہر ہے۔ اور وجہ اندفاع یہ ہے کہ انکے حق میں یہ فعل بوجہ خطا راجح تادی یا غلبہ حال یا تقلید مجتہد کے حکم میں غیر معصیت کے ہے۔ اب کوئی شبہ نہیں

شرح شبیری

ابراہیم بن ابراہیم کی ہجرت اور ملک خراسان کو چھوڑنے کا سبب

خفتہ بود آن شب بمانہ بر سر یہ
یعنی وہ بادشاہ رات کو تخت پر سو رہے تھے۔ اور چوکیدار کو ٹھٹھے پر پکڑ دیکر میں تھے یعنی چوکیدار پہرہ دیر ہے تھے اور حضرت ابراہیم بن ابراہیم سو رہے تھے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ قصہ شاہ از خراسان نہم نمود کہ کنڈزان رفع و زردان در نود یعنی بادشاہ کا قصد چوکیداروں سے یہ نہیں تھا کہ ان کے ذریعہ سے چوروں اور رندوں کو رفع کرے (کیونکہ)۔

اوہمی دانست کان کو عادل است فارغ است از واقعاتین دل است
یعنی کہ وہ جانتے تھے کہ جو شخص کہ عادل ہے وہ کسی واقعہ ہونے سے سو فیکر ہے اور بخت دل الہی ہے۔
عدل باشد یا سببان کا مہا نے بہ شب جو بکے ناں ہر بام با
یعنی مقاصد کا یا سببان عدل ہوتا ہے کہ رات کو کوٹھے پر نقارہ بجانے والے مطلب یہ کہ ان کے مقاصد کو پورا کرنے والا اور انہیں رکاوٹ نہ پیدا کرنے والا تو عدل ہے ورنہ جو کیدار جو رات کو نقارہ بجاتے ہیں ان سے کیا یا سببانی ہو سکتی ہے۔ غرض کہ حضرت ابراہیم بن ابراہیم کو اس میں تو پورا توکل تھا اور وہ جانتے تھے کہ مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ تو یا سببانوں اور نقاروں وغیرہ سے مقصود نگہبانی تو تھی نہیں۔

لیک بے مقصودن ز بانگ با
بچوشتا قان خیال خطا

یعنی لیکن مقصود اول کا باجے کی آواز سے مشتاقوں کی طرح اس خطاب کا خیال تھا۔ مطلب یہ کہ روز ازل میں جو تمام ازل سے خطاب کیا گیا تھا اُن میں چونکہ لذت تھی اور وہی لذت تھی یہی آتی تھی کہ جب نصیری یا دہل بجاتھا تو انکو وہ آوازیں وہانٹلی یاد آجاتی تھیں۔ بس اس لئے تمام پاسبانوں کو جمع کر رکھا تھا کہ انکے ذریعہ سے یہ آوازیں سننے میں آتی ہیں۔ اگر فرماتے ہیں کہ نالہ سرناؤ تہ مدہل چہرے کے مانند ہواں نا تو رمل

یعنی بانیسل کا نالہ اور ڈھول کی آواز کچھ کچھ اس نا تو رمل کے مشابہ ہے۔ مطلب یہ کہ یہاں کی یہ آوازیں چونکہ اُن آوازوں کے مشابہ تھیں جنکو کہ عالم غیب میں سنا تھا اس لئے روح کو انکی طرف کشش ہوتی ہے آگے اسپر تفریع فرماتے ہیں کہ

پس حکیمان گفتہ اندازیں کھنسا از دوار چرخ بگر فیتیم ما

یعنی پس حکیموں نے کہا ہے کہ ہم نے ان جنوں کو آسمان کے چکروں سے لیا ہے۔

بانگ گرد و شیا چرخ است اینکہ خلق می سرایتد ششطنبور و بخلق

یعنی آسمان کی گردشوں کی آواز ہے جسکو کہ خلق طنبور اور خلق سے گاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اوپر جو کہا ہے کہ یہ آوازیں وہ ہیں جنکو روز ازل میں روح نے سنا ہے اس لئے ان سے مانوس ہے یہاں اسپر تفریع فرماتے ہیں کہ دیکھئے حکما راشر اقیین نے کہا ہے کہ جس قدر آگ ہیں یہ سب دوار چرخ سے لیا ہے یعنی آسمان جو چلتا ہے تو اُن میں حیدر علی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ انکو کہ حکیم جو کہ اشر اقیین میں سے تھا اور فن موسیقی کا موجد ہے۔ اپنے کشف کے ذریعہ سے معلوم کر کے دنیا میں انکی مشابہ باجے اور راگنی نکال دیں۔ تو دیکھئے حکما رہی اسکے قائل ہیں کہ یہ آوازیں عالم غیب ہی کی ہیں۔ اب چونکہ انکی نگاہ ظاہر تک پہنچی اُنھوں نے انکو دوار چرخ کی آوازیں بتلایا اور صرف ہمیں تک انکی رسائی نہ ہوئی اور جو کمال میں وہ یہ کہتے ہیں کہ۔

مومنان گویند کا تار بہشت نغمہ گردانید ہر آواز زشت

یعنی مومنین کا ملیں فرماتے ہیں کہ بہشت کے آثار نے ہر بڑی آواز کو اچھا بنا دیا ہے۔ مطلب یہ کہ کاطین یہ فرماتے ہیں کہ یہ سب چیزیں جنت میں ہیں اور اُن کے آثار دنیا میں آئے تو اُن آثار کی بدولت دنیا کی آوازیں وغیرہ ہی عمدہ اور دل فریب ہو گئیں تو حکما آسمان کی آواز بتاتے ہیں

اور مہینہ کا لین جنبت کی آوازیں بتاتے ہیں غرضکہ میں دونوں صورت میں وہیں کی آوازیں
اسی لئے روح ان سے مانوس ہے۔ آگے ہی فرماتے ہیں کہ۔

ما ہمہ اجزائے آدم بودہ ایم در بہشت آن گناہ بندودہ ایم
یعنی ہم سب آدم کے اجزاء تھے تو ہم سب بہشت میں وہ آوازیں سنتے ہیں۔

گرچہ ہر مارحیت آب و گل شکے یاد ماں آید از انہا اند کے
یعنی اگرچہ ہم پر آب و گل نے ایک شک ڈال دیا ہے۔ (لیکن) ہم کو انہیں سے کچھ یاد آتا ہو
مطلب یہ کہ ہم نے چونکہ ان آوازوں کو سنا ہے اسلئے ہماری روح ان سے مانوس ہے۔ اور
اگرچہ بوجہ تعلق ناسوت کے اس اثر میں کمی ہو گئی ہے۔ لیکن آخر کچھ کچھ تو یاد آ ہی جاتا ہے۔
جیسا کہ بعض بزرگوں نے توہمیاں تک بیان کیا ہے کہ ہمیں وہ آواز جواز میں عہد لیا گیا تھا
کہ الست برویکم اب تک آرہی ہے۔ اسی کو حضرت شیخ ازیٰ فرماتے ہیں کہ ۵

الست از ازل ہچتاں شاں گوبش بفریاد قالوا بلی در خر و شش

غرضکہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ آواز بلند ہے۔ کہ اب تک آرہی ہے۔ لیکن بوجہ غلبہ ناسوت
کے ہر شخص کو سنانی نہیں دیتی۔ تو بعض مرتبہ یہاں کی آوازیں سن کر اس طرف توجہ
ہو جاتی ہے۔ اور اس آواز کی طرف التفات ہو جاتا ہے۔ تو اس سے متلذذ ہوتے ہیں اور
ظاہر میں لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ اس آواز سے خوش ہو رہے ہیں۔ غرضکہ انکو انہیں لذت آتی ہو
اگرچہ بوجہ تعلق ناسوت کے وہ لذت اصلی تو نہیں آتی۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ اثر اسی کا ہے۔
آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

لیک چوں میخت با خاک و رب کے دہا این یرواں ہم آن طرب

یعنی لیکن جب خاک اور رب میں مل گیا ہے۔ تو یہ زیر و بم وہ طرب کہ بتی ہیں مطلب یہ کہ
بوجہ تعلق ناسوت کے وہ لذت جو اصل ہے وہ تو بھلا کہاں آسکتی ہے لیکن خیر کچھ تھوڑی
بہت لذت آ ہی جاتی ہے۔ آگے اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

آب چوں میخت با بول و کیز گشت ز آمیزش مزاجش تلخ و تیز

یعنی پانی جب پشیا ب اور گندگی میں مل گیا تو اسکے ملنے کی وجہ سے تلخ و تیز ہو گیا ہو (لیکن)

۱۳۱۰

چیز کے از آب بہشت درجید بول زان رو آتش زامی کشد
یعنی کچھ پانی میں سے اُسکے جسم میں باقی ہے۔ اسی لئے بول آگ کو بجھا دیتا ہے۔
گر تجس شد آب این طبعش ماند کاتش غم را بطبع خود نشانند
یعنی اگرچہ پانی تجس ہو گیا (لیکن) اُسکی طبیعت باقی رہ گئی۔ کہ آتش غم کو اپنی طبیعت سے
اُس نے بجھا دیا مطلب یہ کہ دیکھو پانی پیشاب میں مل کر گندہ ہو گیا ہے۔ اور اُسکو پانی نہیں
کہا جاتا۔ اور اگر کہا جاتا ہے تو تجس اور خراب اور اب اُنہیں وہ لذت اور شیرینیت نہیں ہی
لیکن ایک اثر ماہیت کا اُنہیں اب بھی موجود ہے۔ کہ وہ آگ کو بجھا دیتا ہے۔ تو دیکھئے اگر
ماہیت کا ایک اثر باقی ہے اسی طرح اگرچہ دنیا میں ہماری روح پر فلیہ ناسوت کا ہو گیا ہو
لیکن پھر بھی ایک اثر وہاں کا باقی ہے کہ اُسکی وجہ سے کچھ لذت آجاتی ہے۔ آگے مولانا گویا کہ
سمع کے متعلق فیصلہ فرماتے ہیں کہ

پس غذائے عاشقان سماع کہ درو با شد خیال اجتماع

یعنی پس عاشقوں کی غذا سماع آئی ہے۔ کہ اُنہیں اجتماع کا خیال ہوتا ہے۔

قوتے گیر و خیالات ضمیمہ بلکہ صورت گرد و زبانان صغیر

یعنی خیالات دل کو ایک قوت حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ بانگ و صغیر سے صورت ہو جاتی ہے

آتش عشق از نو اہا گشت تیز آنچنانکہ آتش اں جو زہر

یعنی عشق کی آگ اُنکی آوازوں سے تیز ہو جاتی ہے جیسا کہ اُس اخروٹ ڈالنے والے

کی آگ مطلب یہ ہے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ سماع عشاق کی غذا ہے کیونکہ اُنکی وجہ سماع کے

ذریعہ سے حق تعالیٰ کی طرف اور آخرت کی چیزوں کی طرف ہو جاتی ہے اور اس سے اُن کے

خیالات قلبی کو قوت ہوتی ہے۔ اور آگ عشق حق کی اُنکی دل میں بھڑکتی ہے۔ تو اُنکو اس

فائدہ ہوتا ہے پس یہ گویا کہ فیصلہ ہے سماع کے متعلق۔ اسلئے کہ ہر شخص اپنی اپنی حالت

کا اندازہ کرے۔ اور موازنہ کرے۔ کہ آیا سماع سے اُسکی یہ حالت ہوتی ہے۔ یا خواہشات

نفسانی میں ترقی ہو جاتی ہے اگر اول صورت ہے تو اُسکو ملا مت نہو کی اگرچہ جائز نہیں نہ کہا

جاو گیا۔ لیکن بوجہ مجبور ہوئی کہ ملا مت نہو کی۔ اور جبکہ صورت ثانی پیش آتی ہے اُسکو

ملاست ہوگی۔ اور قطعی حرام ہے بلکہ صورت اول میں توقانہ ہوتا ہے اور ثانی صورت میں ظاہر ہے کہ ضرر بلکہ ہلاکت ہے خوب سمجھ لو آگے ایک حکایت لاتے ہیں جسکی کمال دی ہو کہ بچپانکے آتش آں جو زریزہ خلاصہ حکایت کا یہ ہے کہ ایک شخص کو پیاس لگ رہی تھی اور پانی ایک گڑھے میں تھا۔ جہاں یہ پہنچ نہ سکتا تھا۔ تو اُس نے یہ کیا کہ ایک اخروٹ کے درخت پر چڑھ کر اسکو بلایا۔ تو اُس میں سے جو اخروٹ پانی میں گرنے اور پانی کی آواز اُسکے کان میں آئی اور مٹیلے دیکھتا تو یہ خوش ہوتا۔ اسی طرح جو شخص کہ اول پیاس لگا چکا ہو اور وہ سماع سے اسکو مجبور کر کے ملاست نہ کریں گے خوب سمجھ لو۔ آگے اُس جو زریزہ کی حکایت سنو۔

شرح حبیبی

اُس پیاس کی حکایت کہ درخت اخروٹ پر سے اخروٹ پانی میں ڈالتا تھا جو کہ گڑھے میں تھا اور اخروٹ کے گرنے سے جو آواز پانی میں مڑتی تھی اسکو سن کر خوش ہوتا تھا

در غوے بود آب آں تشنه راند	بر درخت جوز ز می فشاند
می فتاد از جوز بن جوز اندر آب	بانگ می آمد بھی دید او جباب
عاقے گفتش کہ بگذار اے فتا	جوز با خود تشنگی آرد ترا
بیشتر در آب می افتد ثمر	آب در پستی است از تو دور تر
بیشتر در آب می افتد بزمین	می برد آتش ترا چه سود ازین

اتا تو از بالا فرود آئی بہ زیر
 گفت قصدم زین نشانن چو هست
 قصد من آنست کاید بانگ آب
 تشنه را خود شغل چو بود در جہاں
 اگر جوئے و گرد آب بانگ آب
 ہنچناں مقصود من زین شنی
 شنی اندر اصول و استدا
 التجا بر تست و بر اسداد تو
 شنی اندر اصول و در شروع
 شنی در استوا و در قول
 در قبول تست عنبر و مقبلے
 در قبول آرنند شاہاں نیک و بد
 چوں نہالے کاشتی آتش بدہ
 قصدم از الفاظ اور از تو است
 پیش من آواز ت آواز خداست
 اتصالے بے تکلیف بے قیاس
 لیک گفتم ناس من نشانے
 ناس مردم باشد و کو مردمی

آب جوزت برده باشد اے دلیر
 تیز تر بن گریں ظاہر مہریت
 ہم بہنیم بر سر آب این جباب
 گرد پایے حوض گشتن جاوداں
 ہچو حاجی طائف کعبہ صواب
 اے ضیاء الحق حسام الدین توئی
 جملہ ہرشت و ہرشت انتہا
 تکیہ بر اشفاق و بر اسعاد تو
 میکت ز زیر لوائے تو رجوع
 جملہ آن تست و کردستی قبول
 زانکہ شاہ جان و سلطان ملے
 چوں قبول آرنند نبود هیچ رد
 چوں کشادش دادہ بکش اگرہ
 قصدم از انشاش آواز تو است
 عاشق از معشوق عاشاک جداست
 ہست رب الناس را با جان ناس
 ناس غیر جان جان اشتاس نے
 تو سر مردم ندیدستی دمی

<p>لیک جسبی در تجسری مانکہ ترک کن ہر سلیمان نبی بلکہ از و سواس آن اندیشہ کش در دل از و سواس انکارات وطن چون ترادر دل بضدم گفتی است من خمش کردم تو آن خود بگو</p>	<p>مارسیت اذرمیت خواندہ ملک جسمت را چو بقیس غمی میکنم لاحول نے از گفت خویش کو خیال میکنم در گفت من میکنم لاحول یعنی چارہ نیست چونکہ گفت من گرفتت در گلو</p>
-----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

قصہ ایک نے بجانے والے کاکہ نے بجانے کیوقت اسکی
 ریح صادر ہوئی تو اس نے نے کو زمین پر رکھ دیا کہ اگر تو چھی
 آواز نکال سکتی ہو تو تو ہی بول لے

<p>آں یکے نائے کہ خوش نے میزدست نائے را برکوں نہاد او کہ زمین</p>	<p>ناگہاں از مقعدش بلدے بحسبت اگر تو بہتر میزنی بستاں بزن</p>
--------------------------------------------------------------------------------	----------------------------------------------------------------------------

اوپر ہم نے کہا تھا۔ ”بھیننا ناکہ آتش آں جو زریہ اسمیں ایک قصہ کیطرت اشارہ تھا۔
 اب ہم وہ قصہ بیان کرتے ہیں۔ سنو ایک گڑھ ہے میں پانی تھا اور اس کے قریب ایک
 اخروٹ کا درخت کھڑا تھا۔ ایک پیاسا اس درخت پر چڑھا اور اخروٹ گرائے لگا۔
 اس اخروٹ کے درخت سے اخروٹ ٹوٹ ٹوٹ کر پانی میں گرتے تھے۔ انکے گرنے سے
 پانی میں سے ایک آواز نکلتی تھی جسکو وہ سنتا تھا۔ اور بیلے اٹھتے تھے جسکو وہ کہتا
 تھا۔ ایک عاقل نے اسکی یہ حرکت دیکھی۔ اور کہا کہ یہ کیا حرکت کر رہا ہے اسے چھوڑنا
 تو تجھے اور پیاس لگے گی رہا اخروٹ نکلا ہاتھ آنا سو اسکی یہ حالت ہو کہ اکثر اخروٹ پانی میں

جا رہے ہیں۔ اور پانی بہت گہرائی میں اور گچھ سے بہت دور ہے۔ اسلئے وہ تیسرے ہاتھ نہیں آسکتے۔ تو دیکھئے کہ زیادہ حصہ الکا پانی میں گر رہا ہے۔ اور پانی انکو اپنے اندر لے رہا ہے پس تجھے اس سے کیا فائدہ ہے جب تک تو نیچر اور تر لگاتے میں پانی تیسرے رخرو ٹونکو ہضم کر جاو لگا۔ (ف) اس مقام پر ایک نسخہ آب جویش ہے مگر ہم نے نسخہ آب جوڑت اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اشعار بالاسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آب جوڑت تھا بلکہ آب لغول تھا) اس نے کہا کہ میرا مقصود اخرو ٹوں کے گراتے سے اخرو ٹوں میں تم کو میرے فعل میں نظر ثار کرنی چاہئے۔ اور نظر کو صرف ظاہر ہی تک محدود نہ کرنا چاہئے۔ میرا مقصود یہ ہے کہ پانی کی آواز آئے۔ اور نیز یہ کہ میں سبکے اٹھتے دیکھوں پس کو دنیا میں اور کیا کام ہے۔ اس کے کہ پائے حوض کے گرد پھرتا رہے۔ اور نہی اور پانی کی آواز کے گرد پھرتا رہے۔ جیسے حاجی کعبہ کا طواف کرتا ہے۔ یہ قصہ تو ختم ہوا اب آج لانا حسام الدین کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بسطوح اس پیاسے کا مقصود پانی اور اس کی آواز کا سننا اور اس کے بلبلیونکا دیکھنا تھا یوں ہی اسے ضیاء الحق حسام الدین اس مثنوی سے میرا مقصود تم ہو۔ اور یہ مثنوی جز اور ابتدا سے رہتا ہے ہی لئے ہے اور تمہیں پر اٹھکی انتہا ہے اسکی تکمیل کی تمہیں سے اور تمہاری ہی امداد سے التجار ہے۔ اور تمہاری عنایتوں اور تمہاری ہی اعانت پر بھروسہ۔ مثنوی اپنے مضامین اصلیلہ اور تبعیہ میں آپ ہی کے جھنڈے کی طرف راجع ہے یہ آفتاب مثنوی اپنے انتہائے کمال اور انتہائے نقصان غرضکہ ہر حالت میں آپ ہی کا ہے۔ اور آپ ہی نے اسے کرم سے قبول فرمایا ہے۔ اسلئے یہ اسکے لئے موجب عزت و خوش اقبالی ہے۔ کیونکہ آپکا کسی شے کو قبول کر لینا اس امر قبول کیلئے موجب عزت اور خوش اقبالی ہے۔ اسلئے کہ آپ شاہ جان اور سلطان دل ہیں آپکا اسکو قبول فرمالینا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ بادشاہ لوگ اچھی بری ہر چیز کو قبول کر لیتے ہیں اور اچھی کیساتھ بری کامیں نے محاورہ کے طور پر ذکر کر دیا ہے ورنہ جو چیز بادشاہوں کے یہاں مقبول ہو جاوے وہی کیوں ہونے لگی تھی۔ جبکہ مثنوی کا یہ لہو دا اپنے لگا یا ہے تو آپ اسکو پانی ہی دیں۔ اور

جبکہ اپنے اسکو شروع کیا ہے تو جو مشکلات اسکی تکمیل میں میں آنکھوں ہی کیجئے کیونکہ میرا مقصد
 اس کے الفاظ سے آپکا راز بیان کرنا ہے۔ کیونکہ اس کے الفاظ مصنف کے کمال پر دل ہیں اور
 اس کے فی الحقیقت آپ میں میں تو ایک آڑ ہوں۔ ویدل علیہا قول فی مفتیہ هذا السفر الرابع
 اے ضیاء الحق حسام الدین تونی الی قولہ شہداء راجو توبہ ابودہ الخ و قولہ مفتیہ السفر الثالث
 اے ضیاء الحق حسام الدین بیار الی البیت الثانی و قولہ فی مفتیہ السفر الثانی جو ضیاء الحق
 حسام الدین عثمان الی البیت الثالث اور اس کے اشارے سے میرا مطلوب آپکی آواز ہے جسکو میں
 آپکے القائے مضامین کے وقت اپنے گوش دل سے سنتا ہوں ورا تملکت الی ما قال
 المحشون۔ کیونکہ میرے نزدیک آپکی آواز خدا کی آواز ہے۔ اسلئے کہ آپ عاشق الہی ہیں اور
 عاشق و معشوق میں ایک ایسا تعلق خاص ہوتا ہے جسکی بنا پر ایک کا فعل دوسرے کی
 طرف نسبت کیا جاسکے۔ نیز حق سبحانہ کو آدمیوں کے ساتھ ایسا ارتباط و تعلق خاص ہے
 جو بے کیف ہے اور جسکی کہ نہ کو عقل بشری ادراک نہیں کر سکتی۔ اس بنا پر بھی یہ کہنا صحیح ہے
 کہ آپکی آواز خدا کی آواز ہے۔ لیکن تم یہ شبہ نہ کرنا کہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ زید و عمر کی آواز
 کو بھی خدا کی آواز کہا جاسکے۔ کیونکہ میں نے آدمی کہا ہے نہ کہ بن مانس۔ اور آدمی عارف حق
 ہی ہوتا ہے زید و عمر و بن مانس میں اور میرے الفاظ انصائے بے تکلف بے قیاس
 رب الناس را با جان مانس ہیں۔ اور مانس آدمی کو کہتے ہیں سو آدمی کہاں ہیں اور تو تو آدمی
 کی دم ہے۔ تو نے آدمی کا سر کہاں دیکھا ہے۔ باوجودیکہ تو نے مادہیت اذہمیت و لکن
 اللہ رحیمی پڑھا ہے۔ مگر چونکہ تو جسم ہے اور روحانیت سے مجھے لگاؤ نہیں اسلئے تو اس اتحاد کی
 حقیقت نہیں سمجھ سکتا اور لزوم تجزی پر تقدیر اتحاد کے شبہ میں پھنسا کر رہ گیا ہے حالانکہ یہ
 اتحاد نہیں جو مستلزم تجزی حق سبحانہ ہوا کہ تجھے اس اتحاد کو معلوم کرنا ہے تو اسے کو درج
 اپنے جسم کو نائب سلیمان نبی یعنی شیخ کی خاطر چھوڑ دے اور اسے فنا کر دے اسوقت ذوق
 تجھے یہ اتحاد معلوم ہو جاوے گا۔ اور تیسرے شکوک زائل ہو جائیں گے صاحبوں نے جو اس وقت
 لاجل پڑھی ہے یہ میں نے اپنی گفتگو پر نہیں پڑھی کیونکہ وہ تو بالکل صحیح ہے بلکہ عادی دوسرے
 معترض تھے و سو شیطانی پڑھی ہے۔ کہ وہ وساوس شیطانیہ اور انکار ارمان باطن

سبب میری گفتگو کے متعلق خیال فاسد دل میں لاتا ہے اور میرے لاول پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اے معترض جب تو نے میری گفتگو کا مطلب میرے مقصود کے خلاف سمجھ لیا۔ تو اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ اچھا جبکہ میری بات تیرے گلے میں پھنسنے لگی اور دل میں نہیں ٹپکھی۔ تو میں چپ ہوتا ہوں تو اپنی کہہ اور میرا یہ کہنا ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص نہایت عمدہ ہانسری بجا رہا تھا دفعۃً اسکا گوز نکل گیا۔ تو اس نے ہانسری کو اپنے پانچ ماتہ کو مقام پر رکھ کر کہا کہ تو مجھے نہیں بجانے دیتی نہ ہی اگر تو مجھے اچھا بجا سکتی ہے تو نے تو ہی بجا۔

شرح شبیری

اُس پیاسے کی حکایت کہ درخت اخروٹ پیسے اخروٹ پانی میں ڈالتا تھا جو کہ گڑ ہے میں تھا اور اخروٹ کو گڑ پیسے جو آواز پانی میں ہوتی تھی اسکو سنکر خوش ہوتا تھا۔

درنغوبے بود آب آتشہ بلند بردرخت جوز جزیری می فشاند
یعنی کہ ایک گڑھے میں پانی تھا تو وہ پیاسا اخروٹ کے درخت پر چڑھ کر اخروٹ جھاڑ لگا
می فشاند از جوز بن جوز اندر آب بانگ می آمد بھی دید او جبا
یعنی اخروٹ کے درخت سے اخروٹ پانی میں کرتے تھے تو آواز آتی تھی اور وہ (پیاسا) بلبے دیکھتا تھا۔

عاقے گفتش کہ بگذا راے فتا جوز ہا خود تشنگی آرد ترا
یعنی ایک عاقل نے اس سے کہا کہ اے جوان چھوڑ کیونکہ اخروٹ تو تیرے لئے پیاس زیادہ
لاوٹیکے مطلب یہ کہ تو جو درخت کو ہلا رہا ہے اس میں جو محنت ہوتی ہے اس تو پیاس اور بڑی کم کب ہوگی۔
بھ کر کیا فائدہ ہر اور اگر ان اخروٹوں ہی کو کھا کر پیاس کم کرتا تو یہی نہیں ہو سکتا کیونکہ۔

بیشتر در آب می افتد مگر آب در پستی است از تو دورتر
یعنی زیادہ تر پھل تو پانی میں گرتے ہیں اور پانی تجھے پستی میں بہت دور ہے۔

بیشتر در آب می افتد ہمیں میسر و آبش ترا چہ سود از پس
یعنی دیکھئے زیادہ تر پانی میں گرہے ہیں اور پانی اسکا لیجا رہا تو تجھے اس کی فائدہ
تا تو از بالا فرو آئی نیز آب جو شیش برده باشند و دیر
یعنی جب تک کہ تو اوپر سے نیچے کو آو گماندی کا پانی اسکوئے گیا ہوگا۔ اسے دیر مطلق
اس عاقل نے کہا کہ زیادہ تر اخروٹ پانی میں گرہے ہیں اور پانی انکو بہائے لئے جارہا
جب تک تو نیچے اتر گیا انکو پانی کہیں سے نہیں بہا لیجا و گیا۔ پھر تجھ کو اس محنت سے کیا فائدہ
ہو رہا ہے آگے اسکا جواب ہے کہ۔

گفت قصدم زین فشادن چو رست تیر تر بنگر بریں ظاہر مایست
یعنی اس پیاسے نے کہا کہ میرا مقصد اس جھاڑنے سے اخروٹ نہیں میں ذرا غور کرکے ظاہر
پرست قائم ہو۔

قصد من آنست کا یہ بانگ آب ہم بدینم بر آب آں جناب
یعنی میرا مقصد یہ ہے کہ پانی کی آواز آئے اور میں پانی کے اوپر ٹپکے دیکھوں یعنی اس نے
کہا کہ میں میری ظاہری حالت سے استدلال نہ کرو۔ بلکہ میرے مقصود اصلی کو دیکھو کہ
کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ میں پیاسا ہوں اخروٹ گرنے سے جو تجھے پانی کی آواز آتی ہے اور تجھے
اس پر ٹپکے نظر آتے ہیں اس سے تجھے فرحت ہوتی ہے اور تجھے اس حالت میں ہی بہت غنیمت
معلوم ہوتا ہے۔ کہ تجھے خیر آواز محبوب تو آ رہی ہے اگرچہ میری رسائی وہاں تک نہیں ہے
آگے فرماتے ہیں کہ۔

تشتہ را خود شغل چہ بود دریاں گرد پای حوض گشتی جاواں
یعنی دنیا میں پیاسے کا کام ہی کیا ہوتا ہے (صرف) حوض کے گرد اگر ہمیشہ پھرنے
گرد و گرد آب بانگ آب ہچو حاجی طائف کعبہ صواب
یعنی ندی کے اور پانی کے اور پانی کی آواز کے گرد پھرنے۔ جیسے کہ حاجی کعبہ صلی کا طائف

موتنا ہے مطلب یہ کہ جو پیسا ہو اسکا تو یہ کام ہونا چاہئے کہ اگر پانی تک رسائی نہ ہو تو
اسکے نظروں کے گرد اگر دھیرتا ہی رہے اسی طرح طالب حق کو اگر رسائی نہ ہو تو اسکی طلب
میں تو لگا رہے چھوڑے نہیں آخر ایک روز رسائی بھی پہنچی جاوے گی۔ آگے بڑھنا فرماتے
ہیں کہ۔ پہچان مقصود مرثیہ منشی لے ضیا الحق حسام الدین ترقی
یعنی اسی طرح اس منشی سے میرا مقصود اعضیا الحق حسام الدین آپ ہی ہیں۔
منشی دراستوا اور اقول جملہ آں تست ذکر کو مستی قبول
یعنی منشی شروع میں اور ختم میں بالکل آپ ہی کی ہے اور اپنے اسکو قبول فرمالیا ہے،
التجاربہ تست و پر امداد تو تکیہ پر اشتقاق و پر اسعاد تو
یعنی آپ ہی سے التجا ہے اور آپ ہی کی امداد ہے اور آپ ہی کی شفقتوں اور مسعود
کرنے پر بھروسہ ہے۔

منشی اندر قبول فرسوع می کند زیر لوائے تور جوع
یعنی منشی قبول فرسوع میں رہیں آپ ہی کو جھنڈے کے نیچے جوع کرتی ہے +
منشی اندر قبول وابتدا جملہ بہرست و بہرنت انتہا
یعنی منشی ابتدا میں اور انتہا میں بالکل آپ ہی کیلئے ہو۔ اور آپ ہی پر ختم ہے مگر اصل
جو تکہ ہر کو کہتے ہیں اور وہ آخر میں ہوتی ہے اسلئے اس سے انتہا مراد ہوئی۔
در قبول تست عز و مقبلے زانکہ شاہ جان سلطان ملی
یعنی آپ کو قبول کر لینے میں عزت اور خوش نصیبی ہے اسلئے کہ آپ شاہ جان و سلطان دل میں۔
در قبول آرنہ شاہان نیکی بد چوں قبول آرنہ بندو چیچ رو
یعنی بادشاہ لوگ ہر نیکی و بد کو قبول فرمالیتے ہیں اور جب وہ قبول فرمائیں تو پھر کوئی
مردودیت نہیں رہتی۔

چوں نہالے کاشتی آتش بدہ چوں کشادش داوۃ بکشاگرہ
یعنی جب آپ نے ایک بودا لگایا ہے تو اسکو پانی بھی دیجئے اور جب آپ نے اسکو دگی
دی ہے تو گرہ بھی کھولے یعنی اگر کوئی رکاوٹ پیدا ہو تو اسکو بھی زائل کیجئے جبکہ آپ نے

اسکو شروع کر دیا ہے۔

قصد م از الفاظ اور از تو است قصد م از انشا اش آواز تو است
یعنی اسکے الفاظ سے مجھے آپکا راز مقصود ہے۔ اور اسکے لکھوانے سے مجھے آپکی آواز
مقصود ہے مطلب یہ کہ اسمیں جو میں نے الفاظ میں اولیا راز کے حالات بیان کئے
ہیں اور اسرار حقائق بیان کئے ہیں ان سے میرا مقصود آپ کے راز کا اظہار ہے کہ یہ
سب کمالات آپکے اندر موجود ہیں اور اسکے لکھوانے سے صرف یہ مقصود ہے کہ آپ یہ
کہیں کہ خوب لکھا میں یہ آواز آجانا اور آپکا یہ فرما دینا ہی میرا مقصود ہے اگر جو تیر
فرماتے ہیں کہ۔

پیش من آواز ت آواز خداست عاشق از معشوق حاشا کجاست
یعنی میرے آگے آپکی آواز خدا کے تعالیٰ کی آواز ہے۔ خدا نہ کہے عاشق معشوق سے
جدا کب ہے مطلب یہ کہ چونکہ آپکی شان بی سمیع بی بصیر کی ہو گئی ہے تو آپکا تعریف
کر دینا اور اس شہنوی کو اچھا کہ دینا گویا کہ حق تعالیٰ کا تعریف کر دینا ہے۔ اسلئے میں جو
کچھ لکھوا رہا ہوں اور جو الفاظ میں بول رہا ہوں اس سے صرف مجھے ہی مقصود ہے کہ
آپ اسکے متعلق کچھ فرماویں دو سکر مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ بھلا عاشق معشوق سے
جدا کب ہوتا ہے۔ انہیں تو ایک ایسا علاقہ ہوتا ہے کہ اسکی وجہ سے وہ دونوں گویا
ایک ہی ہو جاتے ہیں اسی طرح چونکہ حق تعالیٰ محبوب ہیں اور تم محب حق ہو لہذا تمہارا
اور حق تعالیٰ کے درمیان میں ہی ایک ایسا علاقہ ہے کہ اسکو یکانگت اور وحدت
اصطلاحی سے تعبیر کر سکتے ہیں آگے اس اتحاد کا اتحاد لغوی نہوتا بلکہ اتحاد اصطلاحی
ہونا خود بیان فرماتے ہیں کہ۔

اتصال بے تکلیف و قیاس ہست ب الناس با جاناس
یعنی ایک اتصال بلا کیفیت اور بے قیاس رب الناس کو لوگوں کی جان کیساتھ ہے
مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کو اواح عباد کیساتھ ایک ایسا اتصال ہے کہ جسکی کیفیت کو بیان
کرنا ممکن نہیں۔ وہ ایک بالکل بے کیفیت تعلق ہے جسکو الفاظ سے تعبیر کرنا ممکن نہیں ہے

لہذا وہی اتحاد و مطابقت ہوگا۔ نہ کہ اتحاد لغوی۔ اب یہاں یہ شبہ ہو کہ شاید وہ فیض ہر شخص کیساتھ عام ہوگا آگے اس شبہ کو دفع فرماتے ہیں کہ۔

لیک گفتہ ناس من نشناس نے ناس غیر جان جان شناس نے

یعنی لیکن میں نے آدمی کہا ہے بن مانس نہیں (کہا ہے) اور آدمی بجز جان جان کے پہچاننے والے کے نہیں ہے مطلب یہ کہ ہم نے جو کہا ہے کہ آدمی کیساتھ حق تعالیٰ کو ایک بے کیف تعلق ہے وہ آدمیوں کیلئے کہا ہے کہ جو آدمی ہیں۔ انکی جان کیساتھ حق تعالیٰ کو تعلق ہے۔ اور انسان وہی ہے جسکو معرفت حاصل ہو۔ کیونکہ جو عارف نہیں ہو سکی تو صرف صورت آدمی کی ہوتی ہے حقیقت انسان اُسکے اندر نہیں ہوتی۔ تو وہ تو مثل بن مانس کے ہو اور وہ انسان نہیں ہے۔ لہذا تعلق جو ہوگا وہ عارفین کا لیکن کیساتھ ہوگا عوام عباد کیساتھ وہ تعلق نہیں ہے ہاں خالقیت کا تعلق تو سب کے ساتھ ہے بحث اُس خاص بے کیف تعلق میں ہے تو وہ تعلق صرف عارفین ہی سے ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے آگے ہی اسی کی توضیح فرماتے ہیں کہ

ناس مردم باشد کو مردمی تو سر مردم ندیکستی دمی ہے
یعنی ناس تو آدمی ہوتے ہیں اور آدمیت کہاں ہے تو نے آدمی کا سر نہیں دیکھا تو تو آدمی مطلب یہ کہ ہم نے جو ناس کہا ہے تو اس سے آدمی مراد ہیں اور جنکو تم آدمی کہتے ہو۔ یہ آدمی ہی نہیں ہیں اسلئے کہ ان کے اندر آدمیت تو ہے ہی نہیں لہذا آدمی سے مراد وہ آدمی ہے جس میں آدمیت بھی ہو۔ اور ایسے حضرات اولیاء را شتر ہی ہیں۔ اور چونکہ تم اس ظاہر جسم ہی میں چھپے ہوئے ہو۔ اسلئے تم اُس شخص ہی کو آدمی کہتے ہو جسکی صورت آدمی جیسی ہو۔ اور حقیقت انسان کو تم نہیں دیکھتے تو تم بمنزلہ دم کے ہو۔ کہ جسے کچھ بھی تم نہیں ہوتی۔ آگے فرماتے ہیں کہ

فاد میت اذ میت خواند یک جسمی در تجزی ماند

یعنی تو نے ماد میت اذ میت پڑھا ہے لیکن تو جسم والا ہے تو تجزی میں رہا ہوا ہے مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف میں ارشاد حق ہے کہ ماد میت اذ میت ولکن

اللہ رحمٰی حالانکہ ظاہر حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ہی نے رمی قزانی تھی اور اس رمی کو حق تعالیٰ اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں جس سے کہ ایک تعلق حق تعالیٰ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے اب جبکہ معلوم ہوا کہ وہ تعلق حق اس جسم ظاہری سے نہیں ہوتا بلکہ وہ تعلق بے کیف اور روحانی ہوتا ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ۔

ملک حسرت راجو بلفقیس غنی ترک کن ہر سلیمان نبی
یعنی غنی اپنے ملک جسم کو بلفقیس کی طرح سلیمان نبی علیہ السلام کیلئے بھجور دئے مطلب
یہ کہ جب تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت کیلئے بلفقیس نے اپنا ظاہری ملک ترک
کر دیا تھا اور پھر اسکو دولت باطنی حاصل ہو گئی تھی اسی طرح تم بھی اپنے اس ظاہری جسم کے
مقتضیات پر عمل مت کرو اسکو ترک کرو تب تمکو عروج روحانی حاصل ہوگا۔ انھوں نے خدمت
سلیمان علیہ السلام کیلئے ترک کیا تھا تو تم اپنے شیخ کی خدمت کیلئے ترک کر دو کہ وہ بھی تمہارے
لئے مثل سلیمان علیہ السلام ہی کے ہو۔ اب یہاں مولانا کو معترض کا خیال آ گیا تو وہ فرماتے ہیں

می کم لا حول نے از گفت خویش بلکہ از وسوساں اندیشہ کش
یعنی میں لا حول پڑھتا ہوں (مگر) اپنے قول پر نہیں بلکہ اس دہمی کے وسوسوں کی وجہ سے
کو خیالے میکند و گفت شن + در دل از وسوساں انکارا ت وطن

یعنی کہ وہ میکے قول میں اپنے دل کے اندر وسوساں اور انکار اور وطن کا خیال (باطل)
کر رہا ہے مطلب یہ کہ وہ معترض جو میکے قول میں وسوسے کر رہا ہے اور اس قول کا انکار
کر رہا ہے کہ یہ جو جسم کے ترک کو کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ تو میں اسے ان گناہوں پر لا حول پڑھتا ہوں

می کم لا حول یعنی چارہ نیست چوں ترادر دل بضیم گفتے است
یعنی کہ میں لا حول پڑھتا ہوں یعنی کوئی علاج نہیں ہے۔ جبکہ تجھے میری ضد میں کچھ کہنا ہے۔
چونکہ گفت من گرفت در گلو من خمش گردم تو آں خود بیگو

یعنی جبکہ میرا قول تیرے حلق میں اٹکتا ہے تو میں خاموش ہوتا ہوں تو اپنی بات ہی کیلئے
مطلب یہ کہ میں جو لا حول پڑھتا ہوں تو اس لا حول کے معنی یہ ہیں کہ اے معترض جب مجھے
مجھے ضد ہے تو پھر اسکا تو کوئی علاج ہی نہیں کیونکہ اگر اعتراض سے مقصود کوئی اصلاح ہو تو

یا احقاق حق مقصود ہوتا تب تو آسان تھا کہ تجھے سمجھا دیتا مگر اب جو تجھے مجھے صرف
صند ہی ہے تو کو کسی طرح مان ہی نہیں سکتا۔ لہذا اب میں ہی چپ ہوا جاتا ہوں تو اپنی
ہی کہہ لے۔ آگے اسپر کہ میں چپ ہوتا ہوں تو اپنی ہی کہہ لے ایک حکایت لاتے ہیں۔

قصہ ایک نے بجانیوالے کا کہنے بجانے کے وقت اہلی ریح
صادر ہوئی تو اس نے نے کو کون پر رکھ دیا کہ اگر تو اچھی
آواز نکال سکتی ہے تو تو ہی بول لے

اے یکے ناؤ کہ خوش نے میز دست ناگماں از مقعدش بادے محبت

یعنی ایک نے بجانیوالا جو کہ اچھی نے بجا رہا تھا اچانک اہلی ریح صادر ہو گئی۔

نئے راہر کون تھا داو کہ زمین گر تو بہتر میزنی بستان ہزن
یعنی اس بجانے والے نے نے کو کون پر رکھ دیا (اور اس سے کہا) کہ اگر مجھے اچھی بجا
تو تو ہی بجانے (تو اسی طرح مولانا فرماتے ہیں کہ اے معترض جو کہ کون کی طرح ہے اگر تو مجھے
اچھا کلام کہہ سکتا ہے تو تو ہی بول لے میں چپ ہوا جاتا ہوں) آگے مولانا تعلیم فرماتے ہیں
کہ ان معترضین اور بے ادبوں کی باتوں کا تحمل کرنا چاہئے۔

شرح حبیبی

ہر بے ادب کی باتوں کا تحمل کرنا اور نرمی اختیار کرنا کیا بیان

اے مسلمان خود ادب اند طلب	نیست الا حمل از ہر بے ادب
ہر کراہی سنی شکایت می کند	کاں فلاں کس راست طبع و خجہ بند
ایں شکایت گوید آنکہ بد خوئے است	کہ مر آن بد خوئے را او بد گوئے است

زائکہ خوشخوآں بود کو در خمول لیک در شیخ آں گلہ زام خداست آں شکایت نیست ہست اصلاح جاں ناحمولے انبیاء از امر داں طبع راکش تند در حمل بدی لے سلیمان در میان زناغ و باز بلبل بسیار گو را پر سکون اے دو صد بلقیس حلت از بون	باشد از بد خو و بد طبعان حمل نے پے خشم و مہارت و مہواست چوں شکایت کردن پیغمبران ورنہ جمال است بدر اہل علم شاں ناحمولے گر بود ہست ایزدی علم حق شو باہست مرغان باز باز را و کبک را بر ہکم مزن کا بد قومی انہم لا یعلون
---------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

اوپر مولانا ایک معترض پر خطا ہوئے تھے اس سے کسی کو نفسانیت کا شبہ ہو سکتا تھا اسلئے اب تحمل و عدم تحمل کی تحقیق فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ طالب حق و سالک کیلئے ادب طلب یہی ہے کہ ہرے ادب کی بات کا تحمل کرے اور جب کو تم دیکھو کسی کی شکایت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں شخص کی طینت و خصلت بُری ہے۔ اسکی شکایت بتلاتی ہے کہ تہنوز یہ خود بد خو ہے۔ کہ اس بد خو کو بُرا کہتا ہے اسلئے کہ خوشوہ ہوتا ہے جو گوشت رگنائی میں پڑا ہوا بد خو اور بد خصلت لوگوں کی زیادتیوں کو برداشت کرے لیکن مشائخ مصلحین کی شکایتوں کو اس قبیل سے نہ سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ وہ حکم خدا میں غصہ اور جھگڑے اور خواہش نفسانی کی بنا پر نہیں ہیں اور گودہ نظا ہر شکایت معلوم ہوں مگر حقیقت میں شکایت نہیں ہیں بلکہ اصلاح و تربیت روح ہے جیسی کہ پیغمبروں کی شکایتیں۔ تم انبیاء کے عدم تحمل کو حکم حق سمجھو۔ ورنہ فی نفسہ انکا علم ہر پرانی کا تحمل ہے۔ انھوں نے برائیوں کے تحمل کے باب میں اپنے نفس کو بالکل مار رکھا ہے پس اگر اسی حالت میں عدم تحمل ظاہر ہو تو وہ حکم حق ہو گا اس تحقیق کے بعد مولانا ضیاء الحق حسام الدین کو خطاب فرماتے ہیں اور وجہ اصل خطاب کی یہ ہے کہ مولانا شہنوی کو ان ہی کی طرف نسبت کرتے ہیں پیشین

طاعن گویا کہ انہیں پر طعن ہے۔ اور مولانا نے جو شنی میں اس پر ناخوشی کا اظہار کیا ہے وہ گویا کہ انہیں کا عتاب ہے۔ اسلئے فرماتے ہیں کہ اے سلیمان وقت کو مل اور بازوؤں کے اندر آپ حلم حق کو کام فرمائیں اور سب جانوروں سے میل کریں۔ اور بلب فضول گو کے میرے اٹھارے اور بازو اور کبک سب کو مخلوط کر میں آپ کے حلم کے سیکڑوں شخص جو بقیس کی طرح گمراہ ہیں زیر بار ہیں پس آپ حلم کو کام فرماویں اور یہ فرمائیں کہ اے اللہ تو میری قوم کو ہدایت کر یہ جانتے تھیں۔ خلاصہ یہ کہ اور مولانا نے معترض پر عتاب فرمایا تھا اور کہا تھا کہ اچھا میں چپ ہوتا ہوں تو ہی کہہ۔ اور مولانا چونکہ شنی کو حسام الدین کی طرف منسوب کرتے ہیں اسلئے یہ عتاب گویا کہ انہیں کا عتاب تھا۔ اس پر مولانا نے غصہ کو فرو کرنا چاہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ خفانہوں حلم حق سے کام لیں۔ آپ ان جاہلون کی باتوں کی طرف التفات فرماویں سب کے سب سمجھ ہی ہیں۔ اگر یہ جاہل نہ سمجھیں نہ سہی دوسرے لوگ سمجھیں گے۔ آپ ان نااہلوں کے سبب جاہلون کو حرم فرمایا اور سلسلہ گفتگو کو جاری رکھتے اور ان نااہلوں کے لئے یہی حق سبحانہ سے دعائے ہدایت فرمائیے۔ ہذا هو المراد۔ و ما قال یوب من انه خطاب لبلیمان علیہ السلام و توطیئہ للرجوع الی القصہ، کہا ہوا اب مولانا والقول بان الخطاب لمحمد الدین او کل سالک تکلف و ذہول عن داب مولانا ہ شطط و ذہول منہ عن داب مولانا و وقع مثل هذا فی السفر الثالث تحت عنوان آداب المستمعین و المریدین عند فیض الحکمتہ من لسان الشیخ مکا قال ۵ برمولان ابن کرکرت نزد من حجرے کرکرت بردشت، لیک باوجود غیبتہائے ضمیر و صدقہ سلطان ہفیشاں و دیگرے اس پر خود راے رسول آسمان درمولان منکر و اندر جہاں

شرح شیری

ہرے ادب کی باتوں کا تحمل کرنا اور نرمی اختیار کرتے کا بیان
اے مسلمان خود ادب نہ طلب نیست الا حمل زہرے ادب

یعنی اس طالب طلب میں ادب یہی ہے کہ ہر بے ادب (کی گستاخیوں کا) تحمل کیا جاوے۔
مطلب یہ کہ طریق طلب میں تحمل اور بردباری کرنا ہی اس طریق کا ادب ہے۔
ہر کہ راہی شکیات می کند کان فلان کس را ست طبع خوشے بد
یعنی جسکو کہ تو دیکھے کہ شکایت کرتا ہے کہ وہ فلان شخص کی طبع اور خوشے بد ہے +
اس شکایت گوید آنکہ بد خویت کہ مرآں بد خوشے را و بد گویت
یعنی کہ یہ شکایت کہہ رہی ہے کہ وہ بد خوشے کہ اُس بد خو کا یہ بد گو ہے۔

زانکہ خوشخو آن بود کو در خول باشد از بد خوشے و بد طبعان تحمل
یعنی اسلئے کہ خوشخو تو وہ ہوتا ہے جو کہ خلوت گزینی میں بد خوا اور بد طبعوں کا تحمل کرنا والا
مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کیسی بد خوئی اور بد طبعی کی شکایت کرے تو سمجھ لو کہ یہ شاکلی جیسا
بھی بد خو ہیں اسلئے کہ اگر خوشخو ہوتے تو یہ اُس بد خو کا تحمل کرتے اب جو یہ شکایت کرتے پھر
ہیں یہ شکایت خود صاف بتا رہی ہے کہ یہ خود بد خوا اور بد طبع ہے۔ کیونکہ خوشخو تو کہتے ہی
کو ہیں جو بد خو لوگوں کی تکالیف پر تحمل کرے۔ اب یہاں شبہ پڑتا ہے کہ جب خوشخوئی تحمل ہی
تو یہ جو شیوخ اپنے مریدین کو تنبیہ فرماتے ہیں اور انکی گستاخیوں پر تحمل نہیں کرتے اس سے
تو یہ ساری کے سارے بد خو ثابت ہوتے ہیں حالانکہ یہاں بیانی ہوئی بات ہے کہ اُن کے ذرا
کا ازالہ ہو چکا ہے اور شیخ کامل بد خو نہیں ہو سکتا۔ پھر اُن کے اس تحمل نہ کرنے کی کیا وجہ
آگے اسکی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

لیکن شیخ آن گلہ از ام خدات نے پئے خشم و عمارات و ہواآت
یعنی لیکن شیخ میں وہ گلہ از خدا کی وجہ سے ہے۔ نہ کہ غصہ اور دشمنی اور خواہش نفسانی
کی وجہ سے ہے۔

آن شکایت نیست بہت اصلاح جان چون شکایت کردن بغیراں
یعنی وہ شکایت نہیں ہے وہ جان کی اصلاح ہے جیسے کہ انبیاء علیہم السلام کی شکایت کرنا
ناحمولے انبیاء از امر داں ورنہ حمال است بدر احکم ش
یعنی انبیاء علیہم السلام کا بردباری نہ کرنا حکم حق سے جانو۔ ورنہ بد کیلئے تو اکا حکم حال ہی

طبع راکش کنندہ در محل بدی نامحولی گروہ دست ایزدی

یعنی بدی کے تحمل کرنے میں انھوں نے طبیعت کو مار ڈالا ہے اور بردباری مکرنا اگر ہے تو وہ اللہ کے واسطے ہے۔ مطلب یہ کہ شیوخ کا ملین اگر کبھی سختی کرتے ہیں اور متنبہ کرتے ہیں تو انکا مقصود صرف اصلاح ہوتی ہے۔ انکو طالب کے کوئی غرض نفسانی یا کوئی دشمنی نہیں ہوتی۔ بلکہ چونکہ طالب نے اصلاح کیلئے اپنے کو سپرد کر دیا ہے۔ اور حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ اگر کوئی اصلاح کیلئے اپنے کو سپرد کرے تو اسکو اسکی نغز متنبہ کر دو تو اگر وہ متنبہ نہ کرے تو خائن ٹھہریں۔ اسلئے وہ طالب کو متنبہ فرماتے ہیں۔ اب اگر کہا جاوے کہ نغز پر مطلع کرنے کیلئے نرمی ہی تو ہو سکتی ہے کہ سمجھا دیا جاوے تو یہ بات تجربہ سے معلوم ہو گئی ہے کہ بغیر سختی کے کوئی نامتا نہیں اس ام کو شیخ خود سمجھ سکتا ہے کہ کسکو نرمی نافع ہوگی اور کسکو سختی نافع ہے۔ اسلئے وہ ہر شخص سے اسکی مناسب برتاؤ کرتا ہے اگر شیخ کا فہم اسکے لئے بھی کافی نہیں سمجھا جاتا۔ تو اسکے ہاتھ میں ہاتھ ہی کیوں دیا۔ اور اسکو مصلح ہی کیوں بنایا۔ ہاں جو شخص طالب بنو۔ اور اپنے کو اصلاح کیلئے سپرد کرے۔ اسکی تمام گستاخیاں کو یہ حضرات سہتے ہیں اور اس سے کچھ بھی نہیں کہتے جیسے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام تھے کہ مخالفین کی ایذا میں تمام سہتے تھے۔ اور جو مجب اور مطیع ہونے کا دعویٰ کرتے تھے انکی ذرا سی بات ہی ناگوار ہوتی تھی جیسا کہ خود حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھروں سے زخمی کر کر دیا اور کیا انکا لیف روحانی اور جسمانی ہو نچا میں مگر کبھی ان چٹائیں ہو تو بلکہ انکی اصلاح ہی کی دعا فرماتے رہے۔ اور ایک مرتبہ مسجد میں قبلہ کی جانب والی دیوار پرسی کی کھنکار چڑھی تھی تو حضور کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ کیونکہ جانتے تھے کہ یہ حرکت کسی ایسے کی ہے کہ جو دوستی اور اطاعت کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو بس سی طرح جب ان حضرات کے سامنے ہی کوئی طلب کا دعویٰ کر گیا تو جو اسکے آداب اور حقوق ہیں انکو بھی بجالانا پڑ گیا۔ اور اگر تم ان حضرات کی خوش اخلاقی دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے کو طالب رت بناؤ۔ بلکہ کہہ دو کہ حضرت ہم طالب نہیں ہیں۔ ہم اپنی اصلاح کی ضرورت نہیں ہے بس پھر دیکھو کہ یہ حضرت کیسے خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ تو اگر طالب ہے تو پھر ان حضرات کی ذرا سی سختی سے گھبراہٹ

بلکہ اسکو سنا چاہئے۔ یہاں تک تو شیخ کی سختی کو تحمل کر نیکی مریدوں کو تعلیم فرمائی۔ آگے
شیخ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ۔

اے سلیمان درمیان فراغ و باز علم حق شتو با ہمہ مرغان بسیار
یعنی اے سلیمان کوئے اور باز کے درمیان میں علم حق ہو جا۔ اور تمام جانوروں کی ساتھ
مواظقت رکھ۔

بلکبل بسیار گورا پر ممکن باز را و کبک را بر ہم وزن
یعنی بلکبل بسیار گوئے پرست اکھاڑ اور باز را و کبک کو پٹک مرت۔
اے دو صدمہ بلقیس حلت ملازبوں اہد قوئے انہم لا یصلوں
یعنی اے وہ کہ دو صدمہ بلقیس آپکے علم کے (آگے) عاجز ہیں۔ (آپ تو یہ فرمائیے کہ) آ
اللہ ہدایت دے میری قوم کو کہ وہ جاننے نہیں مطلب یہ کہ اے شیخ ان اپنے اچھے
برے مریدوں میں علم حق ہو کر ہو اور ایسے تنگ مزاج مرت بنجاؤ کہ ذرا ذرا سی بات پر
بگڑنے لگو بلکہ تمہیں بھی چاہئے کہ تحمل اور درگزر سے کام لو اور انکی اصلاح تنبیہ وغیرہ ہو
بھی کرو اور حق تعالیٰ سے دعا بھی کرو غرض کہ مریدوں کو تعلیم ہے کہ شیخ کی سختی کی برداشت
کرو اور شیخ سے عرض ہے کہ حضرت ان پر زیادہ سختی نہ فرمایا کیجئے کچھ نرمی سے بھی کام لیا
کیجئے اور ان کی گستاخوں پر تحمل فرمایا کیجئے۔ آگے بیروہی بلقیس کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دہلی دنیا کہ شرک پر اصرار
مرت کرو اور امتحان کیلئے ہجرت کر نہیں دہریت لگاؤ

شکرت خصمت شود مرتد شود
جان تو یا تو بجان خصم کن

ہیں بیا بلقیس در نہ بد شود
پردہ دار تو درت را بر کند

جمله ذرات زمین و آسمان
 باور ادیدی که با عباد انچه کرد
 انچه بر فرعون زد آن بحر کین
 و انچه آن بابل با آن پیل کرد
 و آنکه سنگ انداخت دافن بدست
 سنگ می بارید بر اعدائے لوط
 گر بگویم از حمادات جہاں
 شتوی چنداں شود که چل شتر
 دست بر کافر گواهی می دهد
 اے نموده ضد حق در فعل و در س
 جز و جز و است شکر حق در وفاق
 گر بگوید چشم را کور افشار
 و بر دندان گوید او بنما و بال
 باز کن طب را بخوان باب العلل
 چونکه جان جان هر چیز بوسیت
 خود در هاکن شکر دیو و پیبری
 ملک را بگذارد بقیس از دست
 خود بدانی چوں بر من آمدی

شکر حق اندگاه امتحان
 آب را دیدی که در طوفان چه کرد
 و انچه با قارون نمود ستاین زمین
 و انچه پشه کلمه فرود خورد
 گشت حصه سپاره و شکر شکست
 تا که در آب سیه خورد و ندغوط
 عاقبت لانه یارے پیغمبران
 اگر شد عا جب نر شود از بار پر
 شکر حق می شود شکر نرسد
 در میان شکر اوئی ترس
 مر ترا کنون مطیع انداز نفاق
 در و چشم از تو بر آرد صدمه مار
 پس به بی بی تو ز دندان گو شمال
 تا به بینی شکر تن را عمل
 دشمنی با جان جان آسان کے است
 که میان جان کشند صفدری
 چوں مرا یابی همه ملک آن تست
 که تو بے حقش گر ما به بدی

<p>نقش اگر خود نقش سلطان باغی است زینت او از برای دیگران اسے تو در بیگار خود را باخت تو بہر صورت کہ آئی بیستی بیکرمان تہا بمانی تو ز خلق ایں تو کے باشی کہ تو آن او صدی مغ خوشی صید خوشی دام خوشی جو ہر آن باشد کہ قائم با خود است گر تو آدم زادہ چوں اوشیں چسیت اندر خم کہ اندر نہ نیست ایں جہاں خم است دل چوں حجے آب</p>	<p>صورت است انجان خج و بیچاشنی است یا ز کردہ بیدہ چشم وہاں دیگران را تو ز خود شناخت کہ منم این و اندر آن تو نیستی در غم و اندیشہ مانی تا بحلق کہ خوش و زیبا و سرت خودی صدر خوشی فرش خوشی بام خوشی واں عرض باشد کہ فرع او شد است جملہ ذرات را در خود بہ بین چسیت اندر خانہ کا ندر شہر نیست ایں جہاں حجرہ است دل شہر عجب</p>
------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

سلیمان علیہ السلام کا بقیس پر ظاہر کرنا کہ تمھاری ایمان
 لائیں میرا کوشش کرنا محض اللہ واسطے ہے کسے غرضی
 کی وجہ سے نہیں ہے۔ مجھو نہ تمھارے ملک کی حاجت نہ
 تمھارے حسن و غیرہ کی اور جب تمھاری چشم باطن کھل جائیگی
 تو تمکو یہ بات خود ہی معلوم ہو جائیگی
 ہیں بیا کہ من رسولم دعوتے چوں اجل شہوت کشمے غموتے

ورنہ دشتوت اسیر شہو تم
 بہت شکن بود ست اصل اصل
 گرد آیم از رہ در بہت کہ
 احمد و جبل در تہانہ رفت
 ایں در آمد سر نہند اورا بتاں
 ایں جہاں شہوتی تیجانہ است
 لیک شہوت بندہ پاکاں بو
 کافراں قلب اند و پاکان ہجو زر
 قلب چوں آمد سیہ شد در زماں
 دست و پا انداخت اندر بو تہ نہ
 جسم مار و پوش باشد و جہاں
 شاہ دیں را منگرے نادان طین
 کے توان اندوداں خورشید را
 گر بریزی خاک و صد خاکسترش
 کہہ کہ باشد کہ ہو پوشد روئے آب
 خیر ببقیسا چو ادم شاہ وار
 بازگو احوال ابراہیم زود

نے اسیر شہوت دروئے بہتم
 چون خلیل حق و جسملہ انبیاء
 بت سجد آر دبسا و عباد
 زیں شدن تا آن شدن فرقیست
 اں در آید سر نہند چوں استاں
 انبیاء و کافراں را لانہ است
 زرد سو زرد زانکہ نقتد کان بود
 اندیں بو تہ درند ایں دوفر
 زرد در آمد شد زری اوعیاں
 در بخ آتش ہی خند و چو خور
 ماچو دریا زیرا ایں کہ درناں
 کیں نظر کردست ابلیس عین
 باکت گل تو بگو آخر مرا
 بر سر نور او بر آید بر سرش
 طین کہ باشد کہ ہو پوشد آفتاب
 دود ازیں ملک دوسر زہ برار
 ترک ملکش را بگو موجب چہ بود

ابوالناظر سلسلہ گفتگوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کو شروع کرتے ہیں۔ اور

فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے قاصدوں سے فرمایا کہ بلقیس سے کہہ دینا کہ دیکھ بلقیس اگر تو اپنا بھلا چاہتی ہے تو مطیعانہ ہماری حضور میں حاضر ہو۔ ورنہ تجھے حق میں جڑا ہوگا۔ اور تو اپنے لشکر پر مغرور نہ ہونا۔ کیونکہ خود تیرا لشکر ہی تیرا دشمن ہو چکا اور تجھے بچر جاوے گا اور جو اس وقت تیرا محافظ پرہ ہے وہ پردہ تو کیا خود تیرے در کو اکھا ڈالے گا۔ بلکہ خود تیری جان پوری کوشش سے تیری ساتھ دشمنی کرے گی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے کیونکہ امتحان کے وقت میں آسمان کے تمام ذرات حق سبحانہ کی فوج ہوتے ہیں تو نے دیکھا ہی ہے کہ موانے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا اور تجھے معلوم ہی ہے کہ پانی نے طوفان فوج کے زمانہ میں کیا کیا۔ اور کینہ ور روڈیل نے فرعون کو جو صدمہ پہنچایا اور زمین نے قارون کیساتھ جو معاملہ کیا اور ابابیل نے ہاتھی کیساتھ جو سلوک کیا اور یہ کہ چھتر نے فرد کا دباغ کھالیا تھا۔ اور یہ کہ داؤد علیہ السلام نے ہاتھ کی امداد سے پتھر پھینکا تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور لشکر جالوت کو شکست دیدی۔ اور یہ کہ لوط علیہ السلام کے دشمنوں پر پتھر برسے۔ یہاں تک کہ وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے یہ تمام واقعات تجھے معلوم ہی ہیں اور بہت سے واقعات ہیں جن کو میں بیان نہیں کرتا۔ اگر میں حجرات کے ان تمام کارناموں کو بیان کروں جو انھوں نے عقل کی طرح پیغمبروں کی اعانت میں کئے ہیں۔ تو نشونی اس قدر راز ہو جاوے گا کہ چالیس اونٹ اگر اسے کھینچتا چاہیں تو اسے بھاری بوجھ کے سبب اسے کھینچنے سے عاجز ہو جائیں اسلئے میں اسے چھوڑ کر کتا ہوں۔ کہ قیامت میں کافروں کے ہاتھ ان کے خلاف شہادت دیں گے اور حق سبحانہ کے مطیع ہونگے اور اس کا لشکر بنیں گے پس تم تمہارے افعال و افعال میں حق سبحانہ کی مخالفت کرتے ہو تم کو یاد رکھنا چاہئے کہ تم اس کی فوج میں سے ہوئے ہو۔ لہذا تم کو ڈرنا چاہئے اور مخالفت سے باز رہنا چاہئے تمہارا ایک ایک جز حق سبحانہ کا لشکر اور اس کے ساتھ متفق ہے اور تیری اطاعت محض منافقانہ یعنی ظاہری چنانچہ اگر وہ آنکھ کو حکم دیدے کہ ذرا اس کا کوچ تو نکال دے تو تیری آنکھ کا درجہ کچھ ہلکان کر ڈالے اور اگر وہ دانت کو حکم دیدے کہ ذرا اسے منہ تو بٹے تو تو دیکھے گا کہ تیرا دانت تیری

گو شمالی کر گیا۔ ذرا کتب طبیہ کو کھولو۔ اور فن معالجات کو پڑھو تا کہ تم کو معلوم ہو کہ شکر حق جبکہ
 تم اپنا سمجھ رہے ہو تمھارے ساتھ کیا کیا کرتا ہے پس تم عبرت حاصل کرو اور حق سبحانہ کی
 مخالفت کو چھوڑو۔ دیکھو تمام اشیاء کا وجود و بقا حق سبحانہ کے ہی ذریعہ سے ہوا اسلئے
 انکو ہر چیز کی جان کی جان کہا جاسکتا ہے اور جبکہ وہ ہر چیز کی جان ہے تو اسکی مخالفت
 نہایت خطرناک ہے۔ کیونکہ جان جان کی مخالفت کوئی معمولی بات نہیں۔ یہاں تک کہ لانا
 اپنا بیان ختم کر کے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہیں اور
 فرماتے ہیں انھوں نے بلقیس کو بواسطہ رسولوں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس جو
 دلوں اور ریویوں کا لشکر ہے وہ تو الگ رہا خود تیری جان ہی کے اندر سے وہ باتیں پیدا
 ہونگی جو تیری فوجی خدمت انجام دیتے ہوئے اپنی شجاعت دکھلائیں گی پس بلقیس
 قبل اسکے کہ میری طرف سے تجھے فریج کشی ہو تو خود ہی ملک چھوڑ دے اور میرے پاس آ جا
 میں تیرا ہواؤ گا تو تمام ملک تیرا ہی ہے جب تو میرے پاس آ جاؤ گی تو مجھے خود معلوم ہو جائیگا
 کہ میں کب دوں تمھیں تصور تمام تھی۔ اس مقام پر چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے
 بلقیس کو بوجہ اسکے محبوب ہونیکے تصور کیا ہے اب مولانا تصویر کی حالت بیان کرتے ہیں
 اور اسمیں دو قائدے ہیں ایک تو یہ کہ بلقیس کو تصویر کھنے کی وجہ ظاہر ہو جائے۔ دوسرا
 یہ کہ آئندہ مضمون ارشادی کیلئے بطور مقدمہ کے کام آئے اور فرماتے ہیں کہ تصور خواہ
 بادشاہ کی ہو یا دولت مند کی وہ محض صورت ہی صورت ہے اور لذت جان اسے حاصل
 نہیں ہوتی اسکی زینت محض دوسروں کیلئے ہوتی ہے۔ اور اسکی آنکھوں اور منہ کا کھلا
 ہونا اسکے حق میں محض فضول ہوتا ہے جب تصویر کی حالت جو بطور مقدمہ کے تھی بیان
 کر چکے تو اب مضمون ارشادی کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسے وہ محبوب جس نے
 تصویر کی طرح اپنے کو بیگا کیلئے وقف کر رکھا ہے۔ اور خود میں اور غیر میں تیز نہیں کرتا
 اسلئے دوسروں کے کاموں کو اپنا ہی کام سمجھتا ہے۔ تیری یہ حالت ہے کہ تو جس صورت
 یعنی غیر مطاوب چیز تک پہنچتا ہے وہیں ٹھہر جاتا ہے۔ اور اسی میں پھنسکر رہ جاتا ہے اور
 سمجھتا ہے کہ یہ صورت میری غیر نہیں ہے بلکہ میری عین ہے۔ اور اسمیں اشتغال خود اپنی میں

اشتغال ہے۔ اور اس کا کام خود میرا کام ہے۔ یہ تیری غلطی ہے و اگر تو وہ نہیں ہے۔ اور نہ
 اس میں اشتغال خود اپنے میں اشتغال اور نہ اس کا کام خود تیرا کام ہے نیز اگر تو کبھی مخلوق
 الگ بھی ہوتا ہے جس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے۔ کہ تو مشغول مع الغیر نہیں بلکہ اشتغال
 با خود ہے تو اس وقت بھی تو مشغول مع الغیر ہی ہوتا ہے۔ اور ہجوم واقفہ را یعنی میں
 گلے تک ڈوبا ہوتا ہے۔ پس تو ایسی حالت میں ہی دوسروں کے کام سے خالی نہیں حالانکہ
 تو اپنے کو ہجوم واقفہ را عین سمجھتا ہے اور تو ان میں اشتغال کو اشتغال با خود سمجھتا ہے
 پس یہ تیری غلطی ہے۔ کہ تو آپکو انکا عین سمجھتا ہے۔ تو انکا عین ہرگز نہیں بلکہ تو وہ کہتا
 جو نہایت پاکیزہ اور دلکش اور قابل مطلوبیت ہے نہ کہ لائق طالبیت مطلوبات دنیویہ
 اور تو اصالۃ اپنا عاشق ہے۔ نہ کہ مطلوبات شہیہ کا اور تو اپنا ہی جانور ہے۔ اپنا ہی کار
 ہے اپنا ہی جال ہے۔ اپنا ہی مقام صدر ہے۔ اپنا ہی فرش ہے۔ اپنا ہی بام ہے غرض
 کہ تجھے جو تعلق ہے وہ خود اپنی ہی ذات سے ہے۔ پھر تو دوسروں کا بیگاری کیوں بن رہا ہے
 ان سے تجھے واسطہ کیا۔ تو تو جو ہے اور جو ہر وہ ہوتا ہے جو اپنی ذات سے قائم ہو۔ اور اپنے
 وجود میں دوسروں کا تابع نہ ہو پھر تو نے اپنے وجود کو دوسروں کا تابع کیوں بنا کر کیا ہے
 اور جو کسی جوہر کے تابع ہو وہ تو عرض ہوتی ہے۔ اور تو عرض ہے نہیں۔ تو یہ تابعیت کیسے
 اگر تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اور اولاد سر لایلیہ کا مصداق ہے۔ تو انکی طرح متبع و مطاع
 ہو کر بیٹھ۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو اپنی جامعیت کے سبب اور ایک اعتبار سے عالم صغیر اور
 دوسرے لحاظ سے عالم اکبر ہونیکے باعث (جسکی تفصیل پیشتر گذر چکی ہے) تمام ذرات عالم کا
 خود اپنے اندر مشاہدہ کر لیا۔ جبکہ وہ سب خود تیرے اندر موجود ہیں تو انکے اپنے سے باہر نہ ہونگے
 اور انہیں منہمک ہو کر اپنے کو بھول جانے کی کوشی وجہ ہے۔ بتلا تو سہی کہ مشکے میں وہ کیا چیز ہے جو
 نہر میں نہیں اور گھر میں وہ کونسی شے ہے جو شہر میں نہیں ہے۔ جبکہ ایسی کوئی چیز نہیں تو اب سمجھ
 کہ تمام عالم بمنزلہ ایک مشکے کو ہے۔ اور قلب انسانانی مثل ندی کے۔ اور یہ تمام جہان بمنزلہ حجرہ کے
 ہے۔ اور دل ایک حیرت انگیز شہر ہے۔ تو دل کو چھوڑ کر عالم میں مشغول ہونا صراحت حماقت ہے
 اس مضمون کو یہاں ختم کر کے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہیں

اور کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اسے بلقیس تو آجیا اور یہ سمجھتا کہ میں کسی غرض نفسانی کیلئے بلاتا ہوں اسلئے کہ میں رسول مبلغ اور موت کی طرح شہوات کش یعنی اُسکے ناجائز اقتضارات کو فنا کرنے والا ہوں۔ نہ کہ پابند شہوت اور اگر مجھیں نفس شہوت موجود ہو تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ میں اسکا حکم ہوں اور اسیر شہوت و روئے بتان و حسینان نہیں ہوں میں اسیر روئے بتان کیونکہ ہو سکتا ہوں ہمارے ہر وہ تو بت شکنی ہوتی آئی ہے۔ نہ کہ بت پرستی۔ چنانچہ ہمارے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور نیز تمام انبیاء شکن تھے۔ اور میں بت پرست کیسے ہو سکتا ہوں جبکہ خود بتوں کی ہمارے سامنے یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر ہم کبھی کسی ضرورت سے بتخانہ میں جا پہنچتے ہیں تو عبادت خانہ میں وہ خود ہمیں سجدہ کرتے ہیں اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بتخانہ میں تشریف لیگئے تھے اور ابو جہل ہی گیا تھا۔ لیکن آپ کے جانے اور اُسکے جانے میں بہت فرق تھا آپ تشریف لیجاتے ہیں تو خود بت سجدہ کہتے ہیں اور ابو جہل جانتا ہے تو بندوں کی طرح خود انکو سجدہ کرتا ہے جب یہ تمہیدی مضمون معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ یہ شہوات سے بھرا ہوا عالم ایک بتخانہ ہے جس میں انبیاء ہی رہتے ہیں اور کفار ہی مگردوئوں میں فرق ہے۔ شہوت اہل اللہ کی غلام ہوتی ہے۔ اور وہ اس سے متصرف نہیں ہوتے جب طرح کہ سونا کافی اور اصلی ہوتا ہے آگ میں نہیں جلتا ہاں کفار اس سے متصرف ہوتے ہیں اسلئے کہ کفار تو کھوٹے سونیکے مانند ہیں اور انبیاء زر خالص کی شکل اور دوئوں اس جہاں شہوتی کی کھٹائی میں موجود ہیں کھوٹا سونا تو اس میں پڑتے ہی سیاہ ہو جاتا ہے اور خالص سونا انہیں پڑتا ہے تو اس سے اُسکا خلوص اور بے میل ہونا ظاہر ہو جاتا ہے یعنی شہوت فی نفسہ کوئی بُری چیز نہیں بلکہ ایک آلہ امتحان ہے جس سے ناقصین کا نقصان اور کاملین کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ زر خالص کھٹائی میں پڑتا ہے اور آگ کے سامنے آفتاب کی طرح ہنستا ہے یعنی آگ اُسکے لئے مفید ہے مضر نہیں۔ بر خلاف زرِ قلب کے علیٰ ہذا شہوت اہل اللہ کیلئے مفید اور موجب ظہور کمال مستور ہے۔ نہ کہ کفار کی طرح مضر و منظر نقصان۔ اب پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقولہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ انھوں نے اپنے سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میری اس طلب سے شہوت پرستی کا تو ہم ہوسکتا ہر
 کیونکہ بظاہر مجاہد میں اور شہوت پرستوں میں کوئی فرق نہیں مگر میں بتلائے دیتا ہوں کہ حقیقت
 میں ہم لوگوں اور شہوت پرستوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اور یہ جسم ظاہر و نشان
 تو ہم تھما ل ہے محض اس حقیقت کا پردہ ہے۔ ورنہ ہماری حقیقت سے اس سے کوئی تعلق
 نہیں اسلئے ہماری اسی مثال ہے جیسے دریا خرم خاشاک میں چھپا ہوا ہو۔ کہ بظاہر وہ گل
 معلوم ہو تا ہے مگر پاؤں رکھنے کے بعد حقیقت حال معلوم ہو جائیگی اسکو بیان کر کے بولا
 پھر انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ الحقوال اللہ کو محض مٹی نہ سمجھو۔ اور ان ہذا الالبشر
 مثلثانہ کہو۔ کیونکہ بلبیس نے حضرت آدم کو ایسا سمجھا تھا سو اسکا نتیجہ تمکو معلوم ہو گیا۔ اور
 آئندہ ہو جاوے گا۔ تیرا انکو مٹی کہنا آفتاب پر خاک ڈالنا اور پانی کی سطح کو ایک تیلے کو چھپانا
 بھلا تو مجھے بتاؤ سہی کیا آفتاب کو خاک آلود کیا جاسکتا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ اگر کوئی آفتاب
 پر خاک ڈالے اور اہل شہوت کو مٹی کے تو وہ اس پھینکنے والے ہی کے سر پر پڑے گی۔ اور اس مٹی کے
 سے خود اس کہتے والے ہی کا مٹی ہونا ظاہر ہوگا۔ اور ایک گھاس کے تنگی کے کیا حقیقت ہے۔
 کہ وہ سطح آب کو چھپائے۔ علیٰ ہذا مٹی کی کیا حقیقت ہے کہ وہ آفتاب کو چھپائے۔ اچھا
 بلقیس اب تم شاہ ابراہیم بن ادہم کی طرح اٹھو اور ملک ناپائدار کو مٹاؤ۔ اچھا اب ابراہیم
 بن ادہم کی حالت بیان کرنی چاہئے۔ اور بتلانا چاہئے کہ ان کے ترک سلطنت کا کیا
 سبب ہے۔

شرح شبیری

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو پہلی دنیا کہ شرک پر
 اصرار مت کرو اور امتحان کیلئے ہجرت کر نہیں دیریت و

میں بیا بلقیس ورنہ بدشود شکر خصمت شود مرتد شود

یعنی ہاں اسے ملے (مطیع ہو کر) آجاؤ ورنہ بڑا ہوگا تمہارا ہی لشکر تمہارا دشمن ہوا باغی ہو جاؤ گا
 پیرہہ دار تو درت را بر کند جاں تو با تو بجاں خصمی کند
 یعنی تیرا پیرہہ دار ہی تیرے در کو اکھاڑے گا اور تیری جان ہی تیری ساتھ دل و جان سے
 دشمنی کرے گی مطلب یہ کہ یا تو مسلمان ہو کر آجاؤ ورنہ یہ تمہارا لشکر اور دشمنی بلکہ خود
 تمہاری جان اور روح ہی تمہاری دشمن ہو جاویں گی۔ کیونکہ

جملہ ذرات زمین و آسمان لشکر حق اند گاہ امتحان
 یعنی زمین و آسمان کے تمام ذرات امتحان کے وقتیں حق تعالیٰ کے لشکر میں مطلب یہ کہ
 آسمان و زمین میں بقدر بھی چیزیں ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ سب فرمان حق کے مطیع ہیں اور ہر
 سے جو حکم ہوگا اسی کے اندر یہ سب چیزیں لگ جاؤ گی تو اگر تم حکم حق کو نہ مانو گی تو حق تعالیٰ
 ان سب چیزوں کو جواب تمہاری دوست اور محافظ ہیں تمہارے دشمن بنادیں گے لہذا
 جلد مسلمان ہو کر حاضر ہو۔ آگے ان اشیاء کے حکم حق کے تابع ہونے کی اور اس کی کہ حکم حق کے بعد
 ان چیزوں نے اپنے ان دوستوں کو جنکی یہ پرورش کیا کرتی تھیں کس طرح ہلاک کیا ہے۔
 چند نظائر بیان فرماتے ہیں۔

باد را دیدی کہ با علواں چہ کرد آب را دیدی کہ در طوفان چہ کرد
 یعنی تم نے ہوا کو دیکھا کہ اُس نے عمارت کے ساتھ کیا کیا۔ اور پانی نے طوفان میں (قوم نوح
 کے ساتھ) کیا کیا۔

انچہ بر فرعون زداں چہ کیں وانچہ با قاروں نمودست این میں
 یعنی تم نے فرعون کو دیکھا کہ اُس نے فرعون کے ساتھ کیا کیا۔ اور جو کچھ کہ اس زمین نے
 قاروں کے ساتھ کیا۔

وانچہ آں بابیل با آن میل کرد وانچہ پشہ کلمہ فرود خورد
 یعنی اور جو کچھ کہ اُس بابیل نے ہاتھی کے ساتھ کیا اور جو کچھ کہ چھتر نے فرود کے کلمہ کیساتھ کیا۔
 وانکہ سنگ انداخت داؤد سے بدست گشت ضعیفہ یارہ و لشکر شکست
 یعنی اور وہ کہ پتھر ایک داؤد نے ہاتھ سے پھینکا تو وہ تین سو ٹکڑے ہو گیا۔ اور لشکر (جالوت)

کو شکست دی۔

سنگ می بارید بر اعدائے لوط تاکہ در آب سینه خور و زغوط ط
یعنی لوط علیہ السلام کے دشمنوں پر پتھر سے یہاں تک کہ انھوں نے آب سیم میں غو
کھائے۔ یعنی ہلاک ہو گئے۔ مطلب یہ کہ دیکھو ہوا پانی جو کہ زندگی کو قائم رکھنے والی چیز
ہیں انھوں نے حکم حق سے قوم عاد و قوم فعون کو ہلاک کیا ابابیل ایک جانور حقیر نے
ہاتھی جیسے عظیم الشان جانور کو حکم حق سے ہلاک کیا۔ علیٰ ہذا جسد ز زمین و آسمان میں
چیزیں ہیں سب کی سب حکم حق کی تاب ہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

گر بگویم از جادات جہاں عاقلانہ یارے پیغیاں

یعنی اگر میں جادات جہاں کا پیغیوں کی عاقلانہ کی طرح مدد کرنا بیان کروں۔

مشتوی چنداں شود کہ حل شتر گر کشد عاجز شود از بار پُر

یعنی شتوی اسقدر (بڑی) ہو جاوے کہ چالیس اونٹ اگر کھینچیں تو بار برداری سے
عاجز ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ اگر میں اسکو بیان کروں کہ جادات نے انبیاء علیہم السلام کی
تائیداری کیسی عقلا کی طرح کی ہے اور کس طرح حکم کی وجہ سے انکے فرمانبردار رہے ہیں
تو یہ مضمون اسقدر زیادہ ہو جاوے کہ پھر شتوی کو چالیس اونٹ بھی نہ اٹھا سکیں یعنی
بجہ نظر اس کے موجود ہیں کہ جو چیزیں کہ دوست اور محرمات تھیں وہی انبیاء علیہم السلام
کے حکم سے جو کہ نائب حق تھے ہلاک ہو گئیں۔ اور انھوں نے اپنے دوستوں ہی کو ہلاک
دہرباد کیا۔ آگے اور نظائر بیان فرماتے ہیں کہ۔

دست بر کافر گواہی می دہد لشکر حق می شود سمری تند

یعنی ہاتھ کافر پر گواہی دیتا ہے حق تعالیٰ کا لشکر ہوتا ہے اور اطاعت کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ
دیکھو قیامت میں انسان کے ہاتھ پاؤں جو بڑے دوست ہیں حکم حق ہی کی وجہ سے اسی
خلافت گواہی دیں گے اور جسطرح حکم حق ہو گا وہ اسی طرح اطاعت کریں گے۔ آگے مولانا
فرماتے ہیں کہ۔

لے غودہ ضد حق و فعل دہیں درمیاں لشکر اولیٰ جبرس

یعنی اسے شخص کہ فعل و قول میں حق تعالیٰ کے خلاف کرتا ہے اور تو اس کے لشکر کو درمیان میں ہے ڈرتا رہے۔

جزو جزوت لشکر حق و ذوق مرزا کنوں مطیع انداز نفاق

یعنی تیرا جزو جزو حق تعالیٰ کا لشکر ہے۔ موافقت میں اور اب نفاق سے تیسرے مطیع ہو رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ اسے شخص تو جو حق تعالیٰ کے خلاف کرتا ہے کہ کام بھی اسکی مرضی کے خلاف اور باتیں بھی ویسی ہی تو ذرا ڈرتا رہو اسلئے کہ تیسرے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک غرض سارے اعضاء حق تعالیٰ کے لشکر ہیں۔ اور اصل میں اسی کے تابع ہیں صرف حکم کی وجہ سے وہ بظاہر منافقوں کی طرح تمہارے مطیع ہو رہے ہیں تو اگر حکم حق ہو گا تو یہ سارے کے سارے تیسرے مخالف ہو جاویں گے اور تیسرے ہلاک کر نیکے لئے یہی کافی ہونگے آگے ان اعضاء کا حق تعالیٰ کے حکم سے اس صاحب اعضاء ہی کو گزند پہنچائی نظر بنیان فرماتے ہیں

گر بگویند چشم را کو رافشار در چشم از تو برآرد و صد بار

یعنی اگر حق تعالیٰ آنکھ کو حکم دے گا اسکو (صاحب چشم کو) ذرا سزا دے تو در چشم تیرے اندر سے سود بلع نکال لے۔

گر بدندان گوید او بنما و بال پس بینی تو ز دندان گوشمال

یعنی اگر دانتوں کو حکم دے کہ تم و بال دکھلاؤ تو تو دانتوں سے گوشمالی دیجئے۔

باز کن طب را بجان باب العلل تا بہ بینی شکر تن عمل

یعنی طب (کی کتاب) کھو کر باب العلل پڑھو تاکہ تم شکر تن کا عمل دیکھو۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر حق تعالیٰ آنکھ کو تمہاری گوشمالی کا حکم دے یا دانتوں کو مثلاً تو یہی چیزیں تمہاری گوشمالی کیلئے کافی ہیں مثلاً در چشم و در دندان وغیرہ تمکو درست کر دے۔ علیٰ ہذا ذرا طب کی کتاب میں باب العلل کو اٹھا کر دیکھو تو تم کو معلوم ہو کہ یہ تمہارے اعضاء اس طرح تابع فرمان حق ہیں اور جو اب تمہارے دوست معلوم ہوتے ہیں وہی تمہارے دشمن بن جائیں تو اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو لکھا کہ تم مسلمان ہو کر آ جاؤ۔ ورنہ یہ

تمہارا سارا لشکر جو کہ تمہارا محافظ ہے یہی تمکو ہلاک کر دیگا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔
 چونکہ جان جان ہر چیز کو نیست دشمنی با جان جان کے است
 یعنی جبکہ ہر چیز کی جان جان وہی حق تعالیٰ ہیں تو جان جان کے ساتھ دشمنی کب آسان ہے
 خود رہا کن لشکر دیو و پری کر میاں جان کنند صدف ری
 یعنی لشکر دیو و پری کو چھوڑو کہ وہ تیری جان کی اندر سے پہلو انی کر لے لیں مطلب یہ کہ
 حق تعالیٰ ہی مالک ہیں اور وہی ہر چیز کے روح الروح اور جان جان ہیں تو پھر انی سبب
 ظاہری کو ترک کر دو۔ تب تم کو قوت اور عروج روحانی نصیب ہوگا۔ آگے پھر حضرت سلیمان
 علیہ السلام کا قول بلیقیس کو خطاب کر کے ہے فرماتے ہیں کہ۔

ملک را بگذر بلیقیس از تخت جوں مرا بے ہمہ ملک است
 یعنی اسے بلیقیس ملک کو پہلے سے چھوڑ دے جب تو مجھے پائے گی تو تمام ملک تیری ہی ملک ہے
 خود بدانی جوں بر من آمدی کہ تو بے من نقش گر ماہ بدی
 یعنی تو خود جان سکی جب میرے پاس آدگی کہ تو بے میرے نقش جام تھی۔
 نقش اگر تو نقش سلطان غنی است صورت است نہ جان دے چاشنی است
 یعنی نقش اگر میرے بادشاہ اور امیر ہی کا نقش ہو (مگر صورت کے اور اپنی جان سے بے ذوق ہے
 زمینت او از برے دیگران باز کردہ پیدہ چشم و دہاں
 یعنی اسکی زمینت دوسروں کے لئے ہو۔ اور وہ خود فضول متہ اور آنکھ کھولے ہوئے ہے
 مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اسے بلیقیس تم اس ظاہری ملک
 کو ترک کر کے میرے پاس چلی آؤ۔ تو تم کو وہ ملک باطنی ملے کہ تم خود کہہ دو کہ پہلا ملک ظاہری
 صرف ایک نقش بدیوار کی طرح تھا۔ کہ وہ اوروں کے لئے تو فرحت بخش ہوتا ہے مگر اپنی
 زینب و زینت سے اُسکو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح تمہارا یہ سب ملک مال و فرنگ
 لئے تو مفید ہے مگر تمکو اس سے کوئی نفع حقیقی نہیں ہے۔ ہاں دوسروں کی خدمت تو بخیر ہی
 ہے۔ تو تم کو چاہئے کہ اس سے نکلا کر ایک ایسا ملک حاصل کرو کہ جس سے تمکو ہی نفع ہو۔
 آگے مولانا اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

اے تو در پیکار خود را باخته دیگران را تو ز خود شناخته

یعنی اے وہ شخص کہ تو دیگران میں اپنے کو ہارے ہوئے ہے اور دوسروں کو اپنے سے (ممتاز کر کے) پہچانتا نہیں مطلب یہ کہ تو نے جو اپنے آپ کو دوسروں کی خدمت میں کھپا رکھا ہے اور اپنے میں اور دوسروں میں امتیاز نہیں کرتا کہ تیرا کیا کام تھا اور دوسروں کا کیا کام تھا اور تیری یہ حالت ہے کہ -

تو بہر صورت کہ آئی بستی کہ منم این والله آن بستی

یعنی تو جس صورت میں آتا ہے کھڑا ہو جاتا ہے - کہ میں ہی ہوں - حالانکہ خدا کی قسم تو وہ نہیں جو مطلب یہ کہ تیری جو حالت ہے کہ تو دوسروں کی خدمت میں لگا ہوا ہے اور تعلقات مع الخلق میں چپنا ہوا ہے تو اسکو تو اپنی اصلی حالت جانتا ہے - حالانکہ وہ تیری اصلی حالت نہیں ہے کیونکہ -

یکزبان تنہا بمانی تو ز خلق در غم و اندیشہ مانی تا بخلق

یعنی تو ایک زمانہ کیلئے مخلوق سے تنہا رہتا ہے تو خلق تک غم و اندیشہ میں ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو اصلی حالت وہ ہوتی ہے جو خلوت اور جلوت پر حالتیں یکساں رہے - اور تم اگر کبھی ایک ممتاز زمانہ تک خلق سے الگ رہتے ہو تو گھبراتے ہو اور پریشان ہوتے ہو جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری اصلی حالت یہ نہ تھی بلکہ حالت اصل یہ کوئی اور ہے اور یہ تعلقات مع الخلق تمہاری اصلی حالت نہیں ہے - اسی کو فرماتے ہیں کہ -

اے تو کو باشی کہ تو آل و حدی کہ خوش و زیبا و سرست و دی

یعنی تو یہ کہتے ہو کہ تو وہ لگانا ہے کہ خود ہی سرست اور زیبا اور خوش ہے مطلب یہ کہ یہ تعلقات مع الخلق تیری اصلی حالت کہتے ہیں کیونکہ تو تو اپنی اصلی حالت کے اعتبار سے ایسا بے تعلق اور لگانہ روزگار ہے کہ تجھے اوروں کی طرف التفات کی حاجت ہی نہوتی خود اپنے ہی اندر خوش و حورم رہتا - اور اپنے ہی نقش و نگار کو دیکھا کرتا - اسلئے کہ -

مخ خوشی صید خوشی دام خوش صد خوشی فرخ خوشی بام خوش

یعنی تو خود ہی مرغ ہے اور خود ہی شکار ہے - اور خود ہی دام ہے اور خود ہی صدر ہے اور خود ہی

فرش ہے۔ اور خود ہی بام ہے مطلب یہ کہ اور چیزیں جنکے محتاج ہیں تو وہ لگانے ہے۔ کہ تجھے انکی ضرورت نہیں ہے بلکہ اُن ساری چیزوں کے قائم مقام تو ہی ہے مسئلہ کہ۔

جوہر آں باشد کہ قائم با خود است **و اں عرضی باشد کہ فرع او شد است**

یعنی جوہر تو وہ ہوتا ہے جو کہ قائم بنفسہ ہوا اور وہ عرض ہوتا ہے جو کہ اسکی فرع ہوتا ہے مطلب یہ کہ تو جوہر ہے اور جوہر قائم بنفسہ ہوتا ہے۔ اور عرض ہر اسکو شرف حاصل ہوتا ہے۔ کہ وہ عرض اپنے قیام میں دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ لہذا تجھے چاہئے کہ تو اپنے قیام میں دوسرا کا محتاج نہ رہے۔ اور اُن ہی کی خدمت کو اپنا شیوہ نہ بنائے۔ بلکہ خود اپنے لئے بھی کچھ کام کرنا چاہئے۔ اور سطح جوہر کو عرض پر شرف حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح تکوین ہی سبک اشرف رہنا چاہئے۔ اور وہ اشرفیت حاصل ہو سکتی ہے۔ ترک تعلقات سے لہذا ان تعلقات کا ترک چاہئے

گر تو آدم زادہ چوں اوشیش **جملہ ذرات را در خود بین**

یعنی اگر تو آدم زادہ ہے تو انکی طرح بیٹھ اور تمام ذرات کو اپنے اندر مشاہدہ کر مطلب یہ کہ اگر تو آدم علیہ السلام کا وارث ہے تو تجھے چاہئے کہ اُن ہی کی طرح رہے۔ کہ جس طرح وہ تمام تجلیات اسما و صفات کے جامع تھے اور ساری چیزوں کی تجلی خود ہی اُن ہی کی اندر موجود تھی اور اصل وہی تھی۔ باقی سب انکی فروع تھے۔ اسی طرح تو بھی خلق کو ترک کر کے اُس اصالت کو اختیار کر۔ اور تمام کو اُن کو خود اپنے ہی اندر مشاہدہ کر لگے شعر کے دوسروں میں اس کی دو مثالیں دیتے ہیں کہ۔

چسیت اندر خم کہ اندر نہ شسیت **چسیت اندر خانہ کا نہ نہ شسیت**

یعنی شے میں کیا شے ہو جو نہ میں نہیں ہو۔ اور گھر میں کیا ہے جو نہ میں نہیں ہے مطلب یہ کہ دیکھو شے کے اندر جو شراب یا پانی وغیرہ آیا ہے تو ندی ہی میں سے آیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ندی میں اول پانی موجود ہوگا۔ اُسکے بعد تو شے میں آیا علیٰ نذا جو شے گھر میں ہوگی وہ شہر میں ضرور ہوگی اس لئے کہ خود گھر ہی شہر میں ہے تو اسی طرح انسان جو جامع ہے تمام تجلیات کا اُس کے اندر تمام اشیا رہوں گی اور تمام اہما و صفات کی تجلی اُسکے اندر موجود ہوگی۔ اور وہ سب اشرف اور اصل ہوگا۔ اُسکو مشاہدہ کیلئے کسی دوسری شے کی احتیاج نہ ہوگی۔ بلکہ وہ خود اپنے

۱۱۱
۱۱۲
۱۱۳

ہی اندر مطالعہ کر سکتا ہے۔ آگے ان دونوں مثالوں کی تطبیق خود بیان فرماتے ہیں کہ۔

ایں جہاں خم است دل چرخے آب ایں جہاں حجرہ است دل شہر عجاب
یعنی یہ جہاں تو خم ہے۔ اور دل پانی کی ندی کی طرح ہے۔ اور یہ جہاں حجرہ ہے اور دل ایک
شہر عجاب ہے مطلب یہ کہ اوپر جو مثال دی ہے آپس میں جو خم ہے اس سے مراد تو یہ جہاں ہے
کہ اسکے اندر سب اکوان موجود ہیں اور چونکہ قلب انسان جامع ہے تمام تجلیات کا اس لیے وہ
نہر کی طرح ہے۔ علیٰ ہذا یہ جہاں تو حجرہ کی طرح ہے اور قلب انسان جامعیت میں شہر کی طرح ہے
غرض یہ کہ انسان جو جامع ہے اس کو دوسرے کا محتاج نہ ہونا چاہیے اور تعلقات مع المخلوق
میں احتیاج ظاہر ہے۔ لہذا ان تعلقات کو ترک کرنا چاہیے۔ خوب سمجھ لو چونکہ اس مقام کے
متعلق خود حضرت والا دام ظلہم نے اپنے قلم سے یہی تحریر فرمایا تھا لہذا اس کو یہی ناظرین کے
حفظ کیلئے ذیل میں مجتنبہ درج کرتا ہوں۔ ”قولہ اسے تو در بیگار خود را با ختہ الہ تو تے بیگار
میں (یعنی ایسے کاموں میں جو محض دوسروں کی خدمت ہے اور اپنا آپس میں نفع نہیں ملتا)
مثال مذکور شعر بالا کہ نقش تمام محض دوسروں کیلئے ہو اس کا کوئی نفع نہیں (اپنے کو کھپا
رکھا ہے دوسروں میں اور اپنے میں کچھ امتیاز نہیں کی۔ جس سے یہ سمجھتا کہ میں یہ اپنا کام
کر رہا ہوں یا محض دوسروں کا ہی اور ان فضول مشاغل سے) تیری یہ حالت ہے کہ تو جس
صورت (یعنی جس حالت میں) آتا ہے (اور مشغول ہوتا ہے) اسی میں قائم ہو جاتا ہے
(یعنی اسی کو اپنی اصلی حالت سمجھنے لگتا ہے) کہ بس میں ایسا ہی ہوں۔ (یعنی اسی کام کیلئے
ہوں) حالانکہ واضح تو ویسا نہیں ہے بلکہ تیری اصلی حالت دوسری ہے اور یہی وجہ ہے
کہ اگر تو کسی وقت ممتد تک خلق سے تہا ہوتا ہے تو پریشانی میں سر تا سر غرق ہو جاتا ہے
(حالانکہ اصلی حالت وہ ہے جو کسی وقت مفارقت نہ تو تہا پریشانی میں نہ غیر تہا پریشانی میں اور اصلی
حالت میں پریشانی ہوتی نہیں۔ اور یہاں ظاہر ہے کہ پریشانی ان تعلقات مع المخلوق کی
مفارقت سے ہوتی تو معلوم ہوا کہ وہ تعلقات اصلی حالت نہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ بس
تو اس حالت کا (تعلقات مع المخلوق کا) کب ہے (یعنی یہ تیری اصلی حالت کب ہے) کیونکہ
تو تو (باعتبار حالت اصلیت کے) وہ یگانہ (اور خلق سے بے تعلق) ہے کہ اپنی ہی آپے میں خوش

اور زیبا اور سست ہے۔ اور جن امور کے دو سر لوگ طالب میں مرغ ہوا صید ہوا دام ہوا۔ صدر ہوا فرش ہوا بام ہوا۔ تو یہ سب کچھ خود ہی ہے۔ (یعنی ان سب سستی و آسودگی ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ تو جو ہریت میں دو سر جو اہر ہے اشرف ہے اور جو ہر کی شان قیام بنفسہ اور عرض کی شان فرعیۃ للجوہر فی التقوم ہے۔) پس تیری اشرفیت فی الجوہر کا مقتضایہ ہے کہ تجھ میں صالت کی شان غالب ہونا چاہئے اور وہ ترک تعلق مع الخلق میں ہے اور فرعیۃ کی شان نہ ہونا چاہئے جو کہ تعلق مع الخلق میں ہے اور اگر تو اس اشرفیت فی الجوہریت میں آدم علیہ السلام کا وارث ہے (جو خلیقۃ الشرف تھے) تو انکی طرح خلیفہ ہو کر رہ اور سب اکوان کو اپنے اندر مطالعہ کر۔ (کہ تو سبکی طرف محتاج نہ رہے اور یہ باعتبار جامعیت تجلیات اُن اسماء و صفات کے ہے جبکہ بظاہر وہ اکوان ہیں آگے اسی کی دو مثالیں ہیں شعر چیست الذ میں اور ان دونوں کی تطبیق ہے شعر ایجاں ان میں باعتبار اسی جامعیت تجلیات اسماء و صفات کے) ”آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دعوت کا قصہ ہے۔

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس پر ظاہر کرنا کہ تمہاری ایمان لانے میں میرا کوشش کرنا محض لشر واسطے ہے کسی خود غرضی کی وجہ سے نہیں ہے مجھے نہ تمہارے ملک کی حاجت نہ تمہارا حسن وغیرہ کی۔ اور جب تمہاری چشم باطن کھل جائیگی تو تمکو یہ بات خود ہی معلوم ہو جاوے گی،

ہیں بیا کہ من رسولم دعوتی چوں اجل شہوت کشم فی شہوتی
یعنی ہاں (اے بلقیس) آجاکہ میں دعوت دینے والا رسول ہوں اور میں تو اہل کی طرح شہوت کش ہوں شہوتی نہیں ہوں مطلب یہ کہ میرا تمکو دعوت اسلام کرنا خدا خواستہ کسی شہوت وغیرہ کی وجہ سے نہیں ہے محض لوجہ اشرف ہے۔ کیونکہ میں رسول ہوں اور شہوت کش نہیں

شہوتی نہیں ہوں لہذا تمہارے اسلام میں میری کوئی غرض نہیں ہے۔

وربو دشہوت امیر شہوت تم نے اسیر شہوت و روئے ہتم
یعنی اور اگر شہوت ہو بھی تو میں تو شہوت پر حاکم ہوں نہ کہ شہوت اور روئے بت کا محکوم
ہوں مطلب یہ کہ اگر کہا جاوے کہ خدا نکرہ نام دو نہ تھے شہوت تو تھی بھیرہ کنا چوں جل
شہوت کشم کیسے صحیح ہوا تو فرماتے ہیں کہ اگر ظاہر شہوت ہے تو میں اُس سے مغلوب نہیں ہوں
بلکہ میں تو اس پر حاکم ہوں اور وہ میری محکوم ہے۔ لہذا وہ بے موقعہ ہرگز صرف نہیں ہو سکتی۔ تو تمہاری
دعوت اسلام میں شہوت وغیرہ کو خدا نکرہ کوئی دخل نہیں ہے۔

بُت شکن بودست صلصال چون خلیل حق و جملہ انبیا

یعنی ہمارے آباد اجداد تو بُت شکن تھے جیسے کہ خلیل حق اور سارے انبیا علیہ السلام۔

گرد آیم از سرے دربت کدہ بت سجد آر و بماد و مبدہ

یعنی اگر میں کسی راہ سے بت کدہ میں آجاؤں تو عبادت خانہ میں بت ہمارے آگے سجدہ
کریں مطلب یہ کہ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد تو بُت شکن تھے اور ہماری تو یہ شان ہے کہ اگر
ہم بت کدہ میں چلے جاویں تو تمام بت سجدہ میں گر جاویں۔ جیسا کہ بعض انبیا کیلئے ہوا بھی ہے
مثلاً خود ہمارے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی ہوا تھا کہ بتوں نے سجدہ کیا۔
غرض کہ انبیا کی تو وہ شان ہے کہ بت انکے تابع فرمان ہوتے ہیں پھر یہ حضرات روئے بت
فریفتہ اور اسکے تابع کیسے ہو سکتے ہیں۔ لہذا بلقیس کو دعوت اسلام کرنے میں کوئی شائبہ
نفسانی نہ تھا۔

احمد و ابو جہل درتجانیہ رفت زان شدن آں شدن فرقی نہ رفت

یعنی احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل دونوں (مگر) اس جانیہ میں اور اُس جانیہ
میں ایک فرق عظیم ہے (اور وہ یہ فرق ہے کہ)

ایں در آید سہرہ نہ اور ایتاں آل در آید سہرہ نہ چوں ایتاں

یعنی یہ (حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے تو ان کیلئے بتوں نے سر رکھا اور وہ
(ابو جہل) آیا تو وہ (بتوں کے آگے) تابعداروں کی طرح سر رکھے۔

انجمن شہوتی تجانہ است انبیا و کافراں را لاناہ است

یعنی یہ جہان شہوتی ایک تجانہ ہے کہ انبیا اور کافروں (سب) کا گھر ہے۔

لیکن شہوت بندہ باکان بود زرسوز درانکہ نقد کان بود
یعنی لیکن شہوت پاک لوگوں کی تو غلام ہوتی ہے اور سونا جلا نہیں کرتا۔ اسلئے کہ نقد ہوتا ہے
مطلب یہ کہ دیکھو احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل دونوں تجانہ میں ہیں مگر دیکھو حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
تو خود بتوں سے سچہ کیا ہوا اور ابو جہل نے خود ان بتوں کو ہی سچہ کیا ہے۔ اسی طرح دنیا پر شہوت ایک تجانہ
کی طرح ہے اس میں انبیا بھی آئے ہیں اور کفار بھی آئے ہیں مگر انبیا تو شہوت پر غالب رہے ہیں
اور کفار شہوت سے مغلوب ہو گئے ہیں کیونکہ وہ حضرات تو سونے کی طرح تھے تو سونا ہستی
میں جلا نہیں کرتا اسی طرح وہ حضرات بھی آتش شہوت سے مغلوب نہیں ہوئے تو اسی طرح
سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں شہوت پر غالب ہوں لہذا اس دعوت میں کوئی شائبہ
بھی نفسانی نہیں ہوگا یہی فرق کو ایک اور مثال سے بیان فرماتے ہیں کہ۔

کافراں قلب اند و باکان چموز اندریں بوترہ درند ایں دونفر
یعنی کافر کھوئے ہیں اور پاک لوگ مثل سونے کے ہیں اور اس ہٹی (دنیا) میں یہ دونوں فیر
قلب چون آمد شیدہ درباں زرد آمد شد زردی او عیاں
یعنی کھوٹا تو جب آیا تو اسی وقت سیاہ ہو گیا۔ اور سونا آیا تو اسکا سونا ہونا اور ظاہر ہو گیا۔

دست و پا انداخت اند بوترہ در رخ آتش بھی خند و چو خور
یعنی سونے نے بھٹی میں ہاتھ پاؤں ڈال دئے تو آگ کے اندر آفتاب کی طرح ہنس رہا ہے۔ مطلب
یہ کہ اس دنیا میں کفار اور انبیا علیہم السلام دونوں فرقتے آئے ہیں اور رہے ہیں مگر فرق اسقدر
ہے کہ کفار تو یہاں آکر اور بھی ہلاک و برباد ہوئے اور انبیا علیہم السلام کے اور مدارج عالی ہوئے
ان دونوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کھوٹا سونا ہوا اور خالص سونا ہو۔ تو جب دونوں کو ہٹی پر
ڈالو گے تو کھوٹا تو وہاں سے سیاہ ہو کر نکلے گا اور سونا اور صاف اور عمدہ ہو جاوے گا۔ اور اسی
زری اور ربی صاف طور پر ظاہر اور معلوم ہوگی تو اسی طرح حضرات انبیا علیہم السلام (اور
سومنین) جب دنیا میں آئے اور انھوں نے اپنے رذائل کو جلا لیا تو ان کے مدارج عالی ہوئے

اور کفار آئے تو انھوں نے ان رذائل میں اور زیادہ انہماک کیا لہذا وہ خراب و برباد ہوئے
تو انبیاء علیہم السلام کے ظاہری جسم کو دیکھ کر دوسروں پر انکو قیاس کرنا سخت غلطی ہے آگے
خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کی زبانی اس مضمون کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

جسم مار و پوشش باشد در جہاں با چو دریا زیر ایں کہ در نہاں

یعنی ہمارا جسم و پوشش ہوتا ہے۔ اور ہم دریا کی طرح اس (جسم کے) خسر و خاشاک
کے نیچے پوشیدگی میں ہیں مطلب یہ کہ ہماری اصل حالت اس جسم کے اندر پوشیدہ ہو رہی ہے
کہ اس جسم کو دیکھ کر لوگ ہم کو دوسرے انسانوں کی طرح سمجھتے ہیں اور ہماری اصلی حالت اور
کمالات پر نظر نہیں کرتے۔ جیسے کہ خسر و خاشاک کے نیچے دریا کا پانی ہوتا ہے۔ کہ اوپر تو صرف
خسر و خاشاک نظر آتا ہے اور اندر پانی ہوتا ہے اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام بظاہر تو
صرف ایک جسم نظر آتے ہیں جیسے کہ اور سارے اجسام ہیں اور ان کے کمالات عوام کی نظر
سے پوشیدہ ہوتے ہیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضرت بلقیس کو بلانے سے بظاہر
شبہ کسی شائبہ نفس کا ہوتا ہے کیونکہ دوسرے لوگوں میں یہ بات پائی جاتی ہے تو ان میں
بھی وہی شبہ ہو سکتا ہے مگر اوپر مثالوں اور فرق بیان کرنے سے صاف طور پر معلوم ہو گیا
کہ ان حضرات میں شائبہ نفسانیت کا نہیں ہوتا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شاہ دین را منکر لے نادان الطین کیں نظر کو رست ابلیس لعین

یعنی اے نادان شاہ دین کو مٹی سے رست دیکھ کہ ابلیس لعین نے یہی نظر کی تھی مطلب یہ کہ
اے نادان حضرات انبیاء و اولیاء اللہ کے صرف جسم ظاہری ہی کو رست دیکھو کہ جیسے ہمارے
ہاتھ پاؤں ہیں ان کے بھی ہیں اور جیسے ہم کھاتے پیتے ہیں اسی طرح یہ بھی ہیں لہذا جیسے ہم دیکھتے
ہیں یہ۔ اور بھرتی سمجھ کر ان سے استفادہ نہ کر سکو لہذا یاد رکھو کہ ابلیس نے بھی آدم علیہ السلام
سے یہی دیکھا تھا کہ ایک جسم خاکی ہیں ان کے کمالات پر نظر نہ کی تو نتیجہ یہ ہوا کہ ابد الابد
کیلئے ملعون و مردود ہو گیا لہذا تم کو چاہئے کہ ان کے اس جسم ظاہر کو دیکھ کر ان کے کمالات
کا انکار نہ کرو کیونکہ۔

کے تو ان ندود اینھی رشید را با کفے گل تو بگو آخر مرا

یعنی بھلا مجھے بتاؤ تو کہ ایک مٹھی مٹی (جسم) سے اس خورشید (کمالات) کو کیسے چھپا سکتے ہیں
 گہر بڑی خاک صد خاکسترش بر سر نو اور بر آید بر سرش
 یعنی اگر نور پرست میکروں خاک اور خاکستر تو والد سے تو وہ خاک ڈالتے والے کے سر پر آویگی
 کہ کہ باشد کہ پوشد رے آب طین کہ باشد کہ پوشد آفتاب
 یعنی خس و خاشاک کون ہیں کہ رے آب کو چھپالیں اور مٹی کون ہے کہ آفتاب کو چھپالے
 مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کے کمالات تو آفتاب کی طرح ہیں تو بھلا کہیں ایک مٹھی خاک ڈالتے
 سے آفتاب کا نور مٹ سکتا ہے۔ تو اسی طرح اس جسم خاکی کے ساتھ متلبس ہونے سے ان کے
 کمالات بھی ہر گز مٹ نہیں سکتے۔ بھلا یہ جسم تو ذرا سا حجاب ہے۔ تم اگر میکروں حجاب اس
 جیسے ان کے کمالات پر ڈال دو تب تو وہ پوشیدہ نہیں ہو سکتے۔ وہ تو ظاہر ہوں ہی گئے
 ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ ایک مٹھی خاک تمہاری آنکھوں کے لئے حجاب ہو جاوے۔ اور تم
 ان کے کمالات کو نہ دیکھ سکو ورنہ خود ان کے کمالات میں اس سے کوئی کمی نہیں آتی۔ خوب
 سمجھ لو۔ پس اس جسم ظاہر کو دیکھ کر ان کے فیوض سے محروم نہ رہو اور ان کو اپنے اوپر قیاس است
 کرو آگے مولانا میر حضرت بلقیس کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ۔

خیز بلقیس اچو ادہم شاہ وار دود از میں ملک و سرور زہ برار

یعنی اسے بلقیس ادہم شاہ کی طرح اٹھو اور اس دو تین دن کے ملک سے دو ہواں نکالو
 مطلب یہ کہ جس طرح کہ حضرت ابراہیم ابن ادہم نے ترک سلطنت کر دی تھی تم بھی اس ملک
 و مال کو آگ لگاؤ اور چھوڑ دو یہاں سے حضرت ابراہیم ابن ادہم کے قصہ کی طرف رجوع ہے
 جو کہ سخی ”سبب ہجرت الہ“ میں شروع کیا تھا اور یہاں ادہم سے مراد وہی ہیں صرف والد
 کا نام لے دیا ہے کیونکہ شعر میں لکھا ہوا نام نہ آسکا تھا آگے تو دیکھی حضرت ابراہیم کا نام لیتے ہیں۔

باز گو احوال ابراہیم زود ترک ملکش را بگو موجب بود

یعنی حضرت ابراہیم کا حال جلدی سے بیان کرو۔ کہ ان کے ترک سلطنت کا سبب
 کیا تھا۔ آگے قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قصہ کا بقیہ

<p>ٹکڑے وہائے دیوئے شرب بام گفت با خود انچنین زہرہ کرا ایں نباشد آدمی مانا پرست ماہمی گردیم شب بسر طلب گفت اشتہر بام برکہ جست ہاں چوں ہی جوئی ملاقات الہ چوں پری از آدمی شد ما پدید خلق کے سینہ غیر ریش و زلق ہیچو عنقا در ہاں مشہور شد جملہ عالم از ولافت دلافت غلغلے افتاد در بلقیس و خلق مردگان از گور تن سر ہزدند نک ندائے می رسد از آسماں شاخ و برگ دل ہی گردند سبز</p>	<p>بر سر تختے شنید آں نیک نام کاہمائے تند بر بام سرا بانگ زد بر روزن قصر او کہ کیست سرفرو کردند قوے بو العجب ہیں چہ می جوئید گفتند اشتہراں پس بگفتندش کہ تو بر تخت وجاہ خود ہماں بد دیگر اورا کس ندید معینش نہاں و اور پیش خلق چو ز چشم خویش و خفان دور شد جان سیر غے کہ آمد سوئے قاف چوں رسید اندر سیاہیں نور شرق روحمائے مردہ جملہ پر زدند یکدگر را مرده می دادند ہاں زراں ندا اینہا ہی گردند گہز</p>
----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

از سلیمان آن نفس چوں نفع صورت مردگاں را و اربابانید از قبور

مترابا د اسعادت بعد ازین ایں گذشت اللہ اعلم بالیقین

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی سلطنت کو چھوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے رات کے وقت تخت پر لیٹے ہوئے کوٹھے پر لوگوں کی آہٹ اور شور و غل کی آواز محسوس کی اور محسوس کوٹھے

پر تیز قدموں کی آواز سنی یہ واقعہ دیکھ کر اپنے دل میں کہا یہ کسی کس کی مجال ہے کہ قصر شاہی پر یہ حرکت کرے۔ اور درشتان سے لگا کر کہ کون ہے۔ اور خیال کیا کہ آدمی تو معلوم نہیں

ہوتے ضرور پر بیان ہیں۔ اور کہا کہ تم کیا دھونڈتے ہو انھوں نے کہا کہ اونٹ ملائیں گے ہیں۔ یہ سن کر انھوں نے کہا کہ کوئی اونٹ کو کوٹھے پر بھی ڈھونڈ نہتا ہے اس لیے انھوں نے

کہا کہ آپ تخت اور حکومت پر قائم رہ کر دھواں کی کیسے دھونڈتے ہیں یہ جہتی کہ انھوں نے ملک کو چھوڑ دیا۔ اور پھر اونکو اس ملک میں کسی نے نہیں دیکھا نیز وہ اس قدر

عالی رتبہ پر پہنچ گئے کہ فوج میں سے یوں غائب ہو گئے جیسے آدمی کی نظر سے بری۔ ان کے حقیقت و کمالات باطنی خفی تھے۔ اور انکی صورت فی الجملہ مخلوق کے سامنے تھی اور ہونا

بھی ہی چاہئے تھا کیونکہ عام لوگ تو ڈر ہی اور گدڑی یعنی صورت ہی کو دیکھتے ہیں وہ حقیقت اور کمالات باطنی کو کیا دیکھ سکتے ہیں خیر تو جبکہ انھوں نے خود بینی کو ترک

کر دیا اور مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کی۔ تو اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عنقا کی طرح جہاں بھر میں ہوا گئے اور ہونا بھی چاہئے تھا۔ کیونکہ عزت میں یہ حاصل اثر ہے۔ کہ اس سے گوشہ نشین

مشہور ہو جاتا ہے۔ پھر غ کو دیکھ لو۔ کہ وہ کوہ قاف میں پہنچ گیا تو اُسکی بابت دنیا میں کیا کیا چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ اس قصہ کو ختم کر کے مولانا بھیر قصہ سلیمان و بلقیس

کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب مشرق ہدایت کا نور یعنی پیغام سلیمان علیہ السلام ملک سبا میں پہنچا تو بلقیس اور دیگر اہل ملک کے اندر ایک عجیب شور و شہ اپنا ہو گئی۔

جتنی مردہ روہیں تھیں سب پر برتر سے جھاڑ کر ہدایت کیلئے تیار ہو گئیں۔ اور ان مردہ روہوں نے قبر تن سے سر باہر نکالا۔ اور آپس میں ایک دوسر کو بشارت دیتے تھے اور کہتے

تھے کہ نونہائے آسمانی پہونچ گئی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ پیام سلیمانی سے اہل مبارکی یہ حالت کیوں نہوتی۔ یہ تو وہ مبارک آواز ہے جس سے لوگوں کے ایمان بڑھتے ہیں اور شرع و برگ دل سرسبز ہوتے ہیں۔ غرض کہ سلیمان علیہ السلام کی اس گفتگو کو نسخہ صورت میں طبع و ارجاع مردہ کو قبور اجسام سے نکال دیا۔ خیر اب اندر تھیں نیکی دے۔ یہ قصہ تو گزر گیا یہ واقعہ حبسطح ہمیں معلوم تھا ہم نے بیان کر دیا۔ اول یقینی بات خدا ہی جانتا ہے کہ کتنا صحیح ہے یہ اسلئے فرمایا کہ نص قطعی سے تو اجمالی طور پر واقعہ ثابت ہے، رہی تفصیل مذکور سو اسکا ثبوت کسی قطعی دلیل سے نہیں۔ بلکہ میرے نزدیک تو کسی ظنی دلیل سے بھی نہیں۔ ہاں اگر مولانا نے بالہام بیان فرمایا ہے اسوقت اسکا ثبوت ظنی طور پر ہو جاوے گا۔

سہ ماہی

ابراہیم ابن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قصہ کا بقیہ

ہر سر تخت نشینید آن نیکنام
 یعنی تخت پر (بیٹھے ہوئے) اُس نیک نام نے کوٹھے پر رات کیوقت کھٹ پٹا دڑا اور غل
 گامہائے تندہ پر بام سرا
 گفت با خود این چنین زہرہ کمر
 یعنی گھر کے کوٹھے پر بہت زور سے قدم (ستے) تو اپنے (دل) سے کہنے لگے کہ اتنی جمال کسی ہے
 مطلب یہ کہ ایک مرتبہ رات کو حضرت ابراہیمؑ چھپر کھٹ شاہی پر سو رہے تو انھوں نے چھت پر کسی کے
 پاؤں کی آواز سنی کہ خوب زور زور سے کھٹ پٹ کرتا چھت پر بچھ رہا ہے۔ تو انھوں نے اپنے
 دل میں کہا کہ ارے یہ کون ہواور کسی ہمت ہو کہ میں بادشاہ وقت ہوں اور پھر یہ رات کو اس طرح
 بے دہرک چھت پر بچھ رہا ہے۔

پانگت دبر و زن فضا و کمیت ایں نہ باشد آدمی ملایمیت

یعنی انھوں نے محل کی کھڑکی میں سے آواز دہری کہ کون ہے۔ یہ آدمی تو ہے نہیں شاید جین ہے

مطلب یہ کہ انکے جب خود سمجھ میں نہ آیا تو انھوں نے کھڑکی سے سر نکال کر آواز دی کہ یہ رات کون کھٹ پٹ کرتا پھر تلے۔ آدمی تو ہے نہیں اسلئے کہ آدمی کی تو اتنی مجال ہو ہی نہیں سکتی معلوم ہوتا ہے حیات میں جو اس طرح بے دھڑک پھر رہے ہیں۔

سرفروگر دند قوے پو العجب مائمی گردیم شب بہر طلب
یعنی ایک عجیب قوم (فرشتوں) نے سر لٹکایا۔ (اور کہا کہ) اہم رات کو تلاش میں پھر رہے ہیں (تو حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا کہ)

ہیں چیمی جو لیکہ گفتند اشتران گفت اشتر بام برکہ جستیاں
یعنی اسے کیا تلاش کر رہے ہو تو وہ بولے کہ اونٹ (ڈہونڈہ رہے ہیں) تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اسے اونٹ کو کٹھے کر سڑے ڈہونڈا ہے مطلب یہ کہ جب انھوں نے پوچھا تو ایک عجیب قسم کے لوگوں نے سر لٹکایا اور جنانک کر کہا کہ ہم ایک چیز کی تلاش میں پھر رہے ہیں انھوں نے پوچھا کیا ڈہونڈہ رہے ہو انھوں نے کہا کہ اونٹ تلاش کر رہے ہیں تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ بھلا اونٹ کو کوئی کٹھے پر بھی ڈہونڈا کرتا ہے وہ یہاں کہاں مل سکتا ہو یا بالکل بے جوڑ بات ہو اسکو مسترد کر دے کہ

پس گفتند من کہ تو سر تخت جہا چوں بھی جوئی ملاقات الہ
یعنی تب انھوں نے اُن سے کہا کہ تم جاہ کے تخت پر حق تعالیٰ کا وصال کس طرح تلاش کرتے ہو مطلب یہ کہ اُن فرشتوں نے کہا کہ اگر ہمارا اس جگہ اونٹ تلاش کرنا ہے جوڑے تو اسی طرح تمہارا تخت و تاج اور مال و دولت میں رہ کر خدا کی تلاش کرنا ایسا ہی بے جوڑ ہے کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کو جیسی طلب تھی وہ طلب کے شک تحت و تاج میں رہ کر پوری نہ ہو سکتی تھی ورنہ بہت سے بزرگان دین صاحبِ بیت حضرت مالدار و شاہان دین و دنیا دونوں ہوئے ہیں مگر یہاں مطلب یہ تھا کہ طلبِ برائی ہی تحتِ پرہیز ہو سکتی تھی اس لئے کہ اُنکے لئے ضرورت ہو کیسوی کی اور تخت و تاج میں رہ کر کیسوی ہو نہیں سکتی۔ لہذا انھوں نے کہا تمہاری طلب تو ایسی اور پھر تخت و تاج میں رہنا یہ دونوں بائیل ایسی ہی بے جوڑ ہیں جیسا کہ یہاں اونٹ کا تلاش کرنا بس یہی مذمت تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کے قلب پر جو تکی

اور سب تخت و تاج کو خیر یاد کیا کہ کیسے ہو گئے بس یہ سب تھا ترک ملک کا اسی کو فرماتے ہیں کہ
 خود ہنماں بد و دیگر اور اکس نہ چوں پری از آدمی شد ناپید
 یعنی بس وہی تھا پھر کسی نے آنکونہ دیکھا پری کی طرح آدمی سے پوشیدہ ہو گئے مطلقیت کہ
 بس اس وقت تو وہ اُس حالت میں تھو جبکہ اُن ملائکہ نے اُن سے کلام کیا تھا مگر اُسکے بعد پھر
 آنکوں کسی نے اُس حالت شاہی میں نہ دیکھا بلکہ فوراً چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ اس شعر میں نیک
 کہا ہے ”دیگر اور اکس ندید“ تو اس سے مشبہ ہوتا ہے کہ شاید وہ کہیں جا کر چھپ گئے۔
 تو آگے اسکے معنی بیان فرماتے ہیں کہ

معینش نہماں و او پیش خلق خلق کے معینہ غیر ریش و دل
 یعنی معنی اُنکے پوشیدہ تھے اور وہ خلق کے سامنے تھے اور خلق سوائے ڈاڑھی اور گردن کے
 اور کیا دیکھتے ہیں مطلب یہ کہ اُنکے کمالات جو کہ اُنکی حقیقت تھی وہ تو پوشیدہ ہو گئے
 صرف اُنکا جسم سب کے سامنے تھا تو پوشیدہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ پہلے تو اُنکے کمالات
 یعنی انتظام ملک وغیرہ سب کو معلوم تھے مگر اس حالت کے بعد پھر اُنکے کمالات کی
 لوگوں کو خبر نہ ہوئی۔ اور پھر اُنکی یہ حالت ہو گئی کہ۔

چوں ز چشم خویش و خلقان و ہجو عقاد و جہاں مشہور شد
 یعنی جبکہ انہوں اور مخلوق کی آنکھ سے وہ دور ہو گئے تو عنقا کی طرح جہاں میں مشہور ہو گئے
 مطلب یہ کہ جب سب الگ ہو کر خلوت نشین ہو گئے کیونکہ اُنکے کمالات کیلئے اسکی ہی
 تو ضرورت ہوتی وہ بہ نسبت پہلے کے اور زیادہ مشہور ہو گئے کہ دیکھو اُنکے علاوہ اور
 سیکڑوں بادشاہ گزر چکے ہیں مگر جسطرح اُنکا نام نامی لیا جاتا ہے اور کسی کا بھی نہیں
 تو یہ اُسی عزت اور علیحدگی کی برکت ہے۔

جان سیرغ کے آمد سو قاف جملہ عالم از او افتد و لاف
 یعنی سیرغ کی جان جو کہ قاف کی طرف آئی تو سارا عالم اُس سے شخی مارتا ہے مطلب
 یہ کہ دیکھو سیرغ جو قاف میں جا چھپا ہے تو سب لوگ اُسکا ذکر کرتے ہیں اور اُسکو
 اس قدر عظیم الشان اور ایک شے عجیب سمجھتے ہیں کہ اُنکا نام نامی لیا جاتا ہے اور جو جانور سب کے سامنے ہر وقت

رہتے ہیں انکو کوئی پوچھتا بھی نہیں اس اسی طرح وہ بھی پوشیدہ ہو کر اور زیادہ مشہور ہوئے
غرض کہ انھوں نے تخت و تاج کو ترک کیا تب انکو اصل حق حاصل ہوا اور انکی طلب پوری
ہوئی تو اسی نے حضرت سلیمان علیہ السلام بلیقیس کو فرماتے ہیں کہ اس ظاہری ملک
و مال کو ترک کرو تب تمکو دولت باطنی حاصل ہو سکتی ہے۔ آگے انہیں کا قصہ ہے
فرماتے ہیں کہ۔

چوں رسید اندر سبا میں نور شرق غلغلے افتاد و بلیقیس و خلق
یعنی جب یہ نور مشرق (یعنی پیام سلیمانی) سبا میں پہنچا تو بلیقیس میں اور لوگوں میں
ایک شور مچ گیا۔

روح ہائے مردہ جگہ پر زدن مردگان از گور تن سر برزدند
یعنی سارے مردہ رو میں بھڑکھڑا اوٹھیں اور مردوں نے گور تن سے سر نکالا۔
یکدگر را مردہ می دادند ہاں ملک اندامی رسید از آسمان
یعنی ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے کہ ہاں یہ نداء آسمان پہنچ رہی ہے
ز ان نداء و نہا ہی گردن گیر شاخ و برگ دل ہی گردن گیر
یعنی اس نداء سے دین قوی ہوتے ہیں اور دل کی شاخ اور پتے سبز ہوتے ہیں مطلب کہ
جب پیام سلیمانی ملک سبا میں پہنچا تو وہاں ہر شخص کو بید فرحت ہوئی۔ اور ہر
لوگ خوش ہو ہو کر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے کہ میاں اب دولت باطنی میسر
ہونے والی ہے۔ اور حسب قدر رو میں مردہ ہو رہی تھیں سب کی سب زندہ اور خوش و
خورم ہو گئیں یعنی سارے کے سارے مسلمان ہو گئے۔ اور حیات روحانی سب کو میسر ہو گئی
از سلیمان آن نفس حق نفع صلوٰۃ مردگان را و اہل بیت از قبور
یعنی سلیمان علیہ السلام کا وہ پیام نفع صلوٰۃ تھا کہ مردوں کو قبور سے چھوڑا دیات
یہ کہ جس طرح نفع صورت سے مردہ زندہ ہو جاویں گے اور قبور سے نکل کھڑے ہونگے اسی طرح حضرت
سلیمان علیہ السلام کے پیام سے سب لوگوں کو حیات روحانی میسر ہو گئی۔ آگے مولانا صاحب
کو دعایک اس قصہ کو ختم فرماتے ہیں۔

مرزا بااداسعدت بعد ازین ایں گذشتہ اشعار علم باقیین
یعنی (اسے مخاطب) تجھے سعادت حاصل ہوا اسکے بعد یہ گذر گیا واللہ اعلم بالیقین مطلب کہ
لو بھائی خدا تمھارا بھلا کرے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیام کا قصہ تو ختم ہوا اب آگے حقیقت
امر کی انتہی کو خیر ہے آگے اُن لوگوں کا قصہ اور حالت کے بیان کو پورا فرماتے ہیں کہ پیام پہنچنے
کے بعد انکی کیا حالت ہوئی۔

شرح سیبی

اہل سب کے قصہ کا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی یقین کو
دعوت کرنے کا بقیہ کہ اس پیام سے ہر شخص نے اپنی استعداد
کے موافق مشکلات دین حل کیں اور اسکا بیان کہ ہر جانور
کو اسکی تجسس کی آواز سے شکار کیا جاتا ہے

قصہ کویم از صبا شتاق دار	چوں صبا آمد بسوئے لالہ زار
لافت الاشباح یوم وصلہا	عادت الاولاد صوبہ وصلہا
ام قد العشق خفت فی امم	مثل جود حولہ یوم السقم
ذللہ الارواح من اشباحہا	عزۃ الاشباح من ارواحہا
ایھا العشاق السقیالکم	انتم الباقون والبقیالکم
ایھا السالون قوموا واعشقوا	ذاک ریح یوسف فاستشعوا
منطق الطیر سلیمانیا	بانگ ہر مرغی کہ آید می سرا

چوں بمرغانت فرستادست حق	مغن ہر مرغ بدادستت سبق
مرغ جبری رازبان جبرگو،	مرغ پر اشکستہ راز صبرگو
مرغ صابر را تو خوش دار و معاف	مرغ عنقا را بخوان اوصاف قاف
مرگو تر را حذر فرما ز باز	باز را از حلم گو و احتراز
وان خفاشے را کہ مانند او بینوا	می نشن با نور حفت و آشنا
کبک جنگی را بیا موزاں تو صلح	مرخروسان را نماش شرط صبح
ہمچنین میر و زہد ہر تا عقاب	رو نما و الشرا علم بالصواب

اب میں مشتاقانہ سب کا قصہ بیان کرتا ہوں سنو جبکہ عباسی پیغام سلیمانی لالہ زار
 سبائیں کی تو اجسام کو جو منور فراق ارواح میں مبتلا تھے۔ روز وصال نصیب ہو گیا اور
 فروع اپنی اصول کی طرف لوٹ گئیں یعنی اجسام غلبہ روحانیت سے ارواح جنگے۔ یہ جماعت
 عشق کی جماعت تھی جو بہتور محقق تھی سنو کہ جماعت عشاق دیگر جماعتوں میں یوں ہی مخفی
 ہوتی ہے جیسے سخاوت مرض کی ملاست میں یعنی جیسے لوگ سخی کو جنوں و خطہ مایہو کیا اور
 سقم میں مبتلا بنا دیتے ہیں اور اسلئے وہ سخاوت انکی نظر سے مخفی ہو جاتی ہے۔ یوں ہی عشاق
 بھی غیر عشاق میں مخفی ہوتے ہیں۔ اور دیکھنے والے انکو بھی غیر عشاق ہی سمجھتے ہیں یہ تو حجلہ حشر
 تھا اچھا اب سنو کہ اہل سبائے کسب کا سبب کیا تھا۔ اسکا سبب یہ تھا کہ ان پر جسمانیت
 غالب تھی اور روحانیت مغلوب اور قاعدہ ہے کہ ارواح کی ذلت غلبہ اجسام سے ہے اور اجسام
 کی عزت غلبہ ارواح سے۔ تو چونکہ ان کے اجسام انکی ارواح پر غالب تھے۔ اسلئے ارواح ذلیل اور
 دبی ہوئی تھیں۔ اور انکے آتماں طاہرہ تھے۔ اسلئے وہ مخفی تھے۔ اب ارواح کا غلبہ ہوا۔ اور اجسام
 نے ہی ارواح کی خاصیت قبول کر لی۔ اور اسلئے انکو بھی عزت حاصل ہو گئی۔ لہذا ظاہر ہو گئے
 ہاں اسے جماعت عشاق علی العموم یا بالخصوص اہل سبائے سرسبز و شاو اب زوجہ تہیں باقی رہے
 والے ہو۔ اور بقائماں رہے ہی لئے ہے (پہلی صورت میں حشر حقیقی ہے اور دوسری صورت میں

اضافی۔ اور اسے عشق سے بچہ و اگر تم اپنی بقا چاہتے ہو تو تم ہی اٹھو۔ اور عاشق ہو جاؤ و کیوں
یوسف کی بوجہ وجود ہر اسے سونگہو یعنی پیغام سلیمانی تمہارے پاس پہنچا ہے تم اسے سمجھو۔
اور محبوب حقیقی کا پتہ چلاؤ اور ہاں اسے منطقی الطیر سلیمانی تو ہی آ۔ اور چونکہ حق سبحانہ نے
ٹنگو جانوروں کے پاس پہنچا ہے اور اسلئے مجھے ہر جانور کی زبان سکھلا دی ہے یعنی تجھ کو
ناقصین کی تربیت کیلئے پہنچا ہے اور اسلئے تربیت کی طرق تعلیم فرمائے ہیں۔ اس لئے
جو جانور شیکہ پاس آئے اس سے اسکے مناسب بولی بول یعنی اسکی صلاح کا وہی طریق اختیار
جو اسکے لئے مناسب ہو معتقد جبر جانور کو جبر کا نقصان بتلا۔ اور پر شکستہ جانور کو صبر کی
ہدایت کر یعنی معتقد اختیار ناقص کو صبر عن المعاصی کی ہدایت کر اور جو جانور کہ صابر ہو
اس سے کچھ تعرض نہ کر یعنی جو شخص گناہوں سے پرہیز کرتا ہے اسکو کچھ کہنے سننے کی ضرورت
نہیں کیونکہ وہ خود ہی صحیح رستہ پر چل رہا ہے اور جو لوگ عینا صفت اور عالم غیب کے تعلق
رکنے والے ہیں ان سے عالم غیب کے متعلق گفتگو کر۔ اور کیہ تو رنگو بازو بجا اور بازو علم اور احترام
از کیہ تو انکی ہدایت کیجئے یعنی مظلوموں اور کمزوروں کو مظلوموں اور زیر دستوں سے بجا اظہار
وجاہت و رنگو ہدایت کر کہ وہ علم کو کام میں لائیں اور کمزور و رنگو نہ ستائیں۔ اور جو خفاش رات
نور سے محروم ہے اسکو نور کے ساتھ ملا۔ اور اسے اس سے آشنا کر یعنی مجاہدین کو معرفت حق
بہرہ ور کر۔ اور لڑنے والے بیکور کو صلح سکھلا اور مرغونکو علامات صبح سے آگاہ کر یعنی اہل حق
کو جو بتلائے رد و قبح لا یعنی ہیں انکو ہدایت کر کہ وہ اس خرافات کو ترک کریں اور اپنے گراںمایہ
وقت کی قدر کریں اور جو لوگ ہدایت سے مناسبت رکھتے ہیں انکو ہدایت کر غرض کہ چھوٹے
لیکھ کر بڑے تک اور ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک کی اسکے حال کے مناسب تربیت کر اور راہ حق و
نہر الکلام و اللہ اعلم بالصواب۔

شرح شیری

اہل سبائے قصہ کا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی

بلقیس کو دعوت کرنے کا بقیہ کہ اُس پیام سے ہر شخص نے اپنی
استعداد کے موافق مشکلات دیں حل لیں اور اس کا بیان
کہ ہر جانور کو اُس کے بچنے کی آواز سے شکار کیا جاتا ہے،

قصہ گویم از سبب اشتاق چوں صبا آمد بسوئے لاله زار
یعنی میں سبب اشتاق کی طرح بیان کرتا ہوں کہ جب باوصبا لالہ زار کی طرف آئی
لاقت الاشباح یوم وصلہا عادت الاولاد و صوب وصلہا
یعنی احسام نے اپنے وصل کے دن سے ملاقات کی اور اولاد اپنی اصل کی طرف لوٹ آئی،
مطلب یہ کہ جب وہ پیام سلیمانی سبب میں پہنچا تو تمام اجسام پر احکام روح کا غلبہ ہو گیا اور
سب لوگ اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ گئے یعنی سارے کے سارے مومن ہو گئے۔

امت العشق خفی فی الامم مثل جو دھولہ یوم التقم
یعنی عشق کا گروہ اور امتوں کے درمیان میں مخفی ہے جیسے کہ بارش کا دن اس کے گرد مصیبت کے
دن ہوں مطلب یہ کہ عاشق لوگ ادروں میں اس طرح چھپے ہوئے ہوتے ہیں جیسے کہ بارش کا
دن ہوتا ہے کہ اس کے گرد مصیبت کے ایام ہوتے ہیں اور بیچ میں وہ ہوتا ہے اسی طرح عشاق
بھی بیچ میں ہوتے ہیں اور چاروں طرف اور لوگ ہوتے ہیں اور یہ لوگ ان ہی میں مخفی ہوتے
ہیں جیسے کہ یہ اہل سبقت عشاق اور دوستوں کی طرح مگر ان میں اور ان میں حقیقت بیچ
فرق تھا اور فرماتے ہیں کہ۔

خلت الارواح من اشباحها عزۃ الاشباح من ارواحها

یعنی ارواح کی ذلت تو اجسام کی وجہ سے ہوتی ہے اور اجسام کی عزت ارواح سے ہوتی ہے
مطلب یہ کہ اگر روح پر غلبہ احکام جسم کا ہوا تو وہ روح تو ذلیل و خوار ہوگی اور اگر جسم پر غلبہ
روح کا ہو گیا تو یہ اس جسم کی عزت افزائی ہے آگے اہل سبک و خطاب کر کے فرماتے ہیں اور
مراد خطاب طالبین کو ہے فرماتے ہیں کہ۔

ایھا العشاق السقیاء لکم انتم الباقون البقیاء لکم
 یعنی اے عشاق تمہارے لئے سیرانی ہے تم ہی باقی ہو اور بقات تمہارے ہی لئے ہے،
 ایھا السابزون قوموا وعشقوا ذالک شیخ یوسف فاستشقوا
 یعنی اے افسردہ لوگو کھڑے ہو اور عاشق ہو جاؤ۔ یہ شیخ یوسف ہے سو نہ کہہ لو مطلب یہ کہ
 اے اہل سبا اور اے طالبین یہ پیام سلیمانی اور افادات شیخ تم تک پہنچے ہیں لہذا
 کھڑے ہو جاؤ۔ اور عاشق ہو جاؤ کیونکہ یہ شیخ یوسف کی طرح بصیرت بخشنے والا ہے۔ لہذا
 اسکو محال کرو۔ اور اسکی طرف متوجہ ہو۔ یہ تو خطاب تھا طالبین کو کہ تم طلب میں کوشش
 کرو۔ آگے منطق الطیر سلیمانی کو مخاطب کر کے شیخ سے عرض کرتے ہیں کہ۔
 منطق الطیر سلیمانے بیا باتک ہر مرغے کہ آید می سمر
 یعنی اے سلیمان علیہ السلام کی منطق الطیر آ اور جو جانور آوے اسکی آواز گا۔ (منطق الطیر
 سے مراد مطلق کلام و افادات)۔

چوں ہر غانت فرستادست حق سخن ہر مرغے پداوست بخت
 یعنی جب تک حق تعالیٰ نے جانوروں کی طرف بھیجا ہے اور ہر جانور کی آواز نکلو سکھائی ہے
 (مرغان سے مراد طالبین)۔

مرغ جبری رازبان جب سُرگو مرغ پیراستہ راز صبرگو
 یعنی مرغ جبری کو زبان جبر (محمود) سے تعلیم کرو۔ اور مرغ پیراستہ کو صبر کی تعلیم کرو،
 مرغ صابر راز خوش وار و معاف مرغ عنقا راز خواں و صفات
 یعنی مرغ صابر کو تم خوش اور معاف رکھو اور مرغ عنقا سے قات کے اوصاف بیان کرو۔
 مرکبوتر را حذر فرما ز باز باز را از حلم گوئی و احترار
 یعنی مرکبوتر کو باز سے بچنے کی تعلیم کرو اور باز کو حلم کی اور بجائے کی تعلیم کرو۔
 واں خفاشے را کہ ماند او بینوا می کش با تو حقیقت آشنا
 یعنی اُس خفاش کو جو کہ بے توار گہنی ہے نور کے ساتھ حقیقت و آشنا کر دو۔
 کبک جنگی را بیا موزاں تو صلح مرغ و سارنما اشراط صبح

یعنی اپنے دے کباب کو صلح سکھلاؤ اور مرغونکو صلح کی علامتیں سکھلاؤ۔
 ہچنین میر و زہد ہر تاعقاب رہ نما و انشا علم بالصواب
 یعنی اسی طرح ہر ہر (کم عقل) سے عقاب (عاقل) تک راہ دکھاتے کہوئے جیسے چلو
 واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ ہے کہ اسے شیخ جو کہ فیض رسانی میں مثل سلیمان
 علیہ السلام کے ہوتم کو حق تعالیٰ نے ہر شخص کی تعلیم کی استعداد دی ہے اور تم ہر کس و
 ناکس کی تعلیم کر سکتے ہو تو تم کو چاہئے کہ ہر شخص کو انکی استعداد کے موافق تعلیم کرو۔ نہیں
 کہ ذرا سی بات پر بگڑ بیٹھو۔ یا ہر شخص کو ایک لکڑی یا ٹکٹا شروع کر دو۔ اور سب کو اپنے
 درجہ پر کھینچو نہیں بلکہ خود ان کے مرتبہ پر نزول کر کے انکی استعداد کے موافق سب کو تعلیم کرو
 غرض کہ طالبین کو توجہ دلائی کہ تم طلب کرو۔ اور شیوخ سے انکی تعلیم کے واسطے عرض
 کیا کہ جس سے کام نہ جاوے اور اصل حق بیٹھ ہو جاوے۔ آگے حضرت بلقیس کے اسلام
 لے آنے اور ملک و مال کو ترک کر دینے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

بلقیس کا ملک و مال سے بوجہ شوق ایمان کے آزاد اور
 مست ہو جانا اور تمام ملک سے اسکا التفات منقطع ہو جانا مگر
 تخت سے

یک صغیرے کر دو بیت آں جملہ را
 یا چو ماہے گنگ بود از اصل و کر
 پیش و حے کبر یا سمعش دہر
 بر زمان رفتہ ہم افسوس خورد

چوں سلیمان سوغے مرغان سبا
 جز مگر مرغے کہ بے جان و پیر
 نے غلط گفتہ کہ کر گرسر نہد
 چونکہ بلقیس از دل و جان عزم کرد

ترک مال ملک کرد او آنچنان،
 آن غلامان و کنیزان بنبار
 باغها و قصرها و آب رود
 عشق در هنگام استیلا و شوم
 مرز مرد را نمایند گستاخ
 لا اله الا هو اینست ای پناه
 هیچ مال و هیچ خزن هیچ ثروت
 پس سلیمان در دلش آگاه شد
 آن کسے کو یانگ موران بشنود
 آنکه گوید راز قالت غلام
 ویدار دورش که آن تسلیم کش،
 گر بگویم آن سبب گردد دراز،
 گرچه این ملک و قلم خود بجای است
 همچنان بر آلت پیشه وری
 آلت هر پیشه کارے همچنان
 این سبب را من معین گفتم
 از بزرگی تخت که حرد می فرود
 خرده کارے بود تفریقش خطر

که ترک نام و تنگ آن عاشقان
 پیش چشمش همچو بوسیده پیاز
 پیش چشم از عشق گلخن می نمود
 زشت گرداند لطیفان ز چشم
 غیرت عشق این بود معنی لا،
 که نماید مه تراد یک سیاه
 می درغیش نماید الاجز که تخت
 کز دل او تادل او راه بد
 هم زد و راه سرد و راه بشنود
 هم بداند راز این طاق کهن
 تلخش آمد فرقت آن تخت طیش
 که چرا بودش تخت آن عشق و ساز
 نیست چنین کاتب او را مونس است
 هست همچنان مونس هر جانوری
 هست همچنان لیک مونس شدیجان
 گر نبودت چشم فهمت رانے
 نقل کردن هیچ نوع امکان بنود
 همچو اوصال بدن با یکدیگر

پس سلیمان گفت گرچه فی الاخیر
 چون ز وحدت جان بزن آرد و سکر
 چون بر آید گوهر از قعر نجار،
 سر بر آرد آفتاب با شرر،
 لیک خود با این همه رفیع حال،
 تا نگر دخته هنگام لقا،
 هست بر ماسهل اور بس عزیز
 عبرت جاننش شود آن تخت باز،
 تا پداند در چه بود او بستلا،
 خاک را و لطف را و ضعف را
 از کجا آورد دست لے پذیریت
 تو بدان عاشق بدی در دور آن،
 این کرم چون دفع آن انکار شست
 حجت انکار شد انشا رنو
 خاک را تصویر این کار از کجا
 چون در آندم بیدل و بے سریدی
 از حماد چه نکته انکار است
 پس مثال تو چو آن حلقه زینست

سر و خواهد شد بر و تلج و سیر
 جسم را با فراو بنود فرس،
 تنگری اندر کف و خاشاک خار
 دم عقرب را که سازد مستقر،
 جست باید تخت او را انتقال
 کودکانه حاجتش گردد روا
 تا بود بر خوان حوران دیو نیز،
 بهچو دلق و چار قے پیش ایاز
 از گجاها در رسید او تا کجا
 پیش چشم ماهمی دارد خدا
 که ازاں آمد بهی خضر لقیبت
 مست که این فضل بودی آن زمان
 که میان خاک میکردی نخست
 از دوا بدتر شد این بیمار تو،
 لطف را خصم و انکار از کجا
 فکرت و انکار را مست که بدی
 هم ازین انکار حشرت شد درست
 کرد و نش خواب گوید خواجیه

پس ز حلقہ بر ندارد و هیچ رست که جاد او حشر صد فریق میکند آب و گل انکار ز ادا نعل اتی، بانگ میزد بے خبر کاخیا نیست لیک خاطر غرور از گفت دقیق بہر نقل تخت بقیس از سبا	حلقہ زن زین نیست در یاد کہ ہست پس ہم انکار تہ بین میکند چند صنعت رفت لے انکار تا، آب و گل میگفت خود انکار نیست من بگویم شرح این از صد طریق شرح آنزالب بہ تم لے کیا،
------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

سلیمان علیہ السلام کا بقیس کے تخت کو سپاس منگانیکلی تدبیر کرنا

تخت اور حاضر آرید این زماں حاضر آرم تا تو زین مجلس شدن حاضر آرم پیش تو در یکد مش، لیک آں از نفع آصف رونمود لیک ز آصف تر فن عفریتیاں کہ بدید ستم ز رب العالمین گفت آئے گول گیری لے خرت لے بسا گولاں کہ سر ہامی نهند دیدہ از جان جنبشہ و اندک اثر کہ سخن گفت و اشارت کرد سنگ	پس سلیمان گفت بالشکریاں گفت عفریتے کہ تختش را بفرج گفت آصف من با ستم عظمش، گرچہ عفریت استا و سحر لود حاضر آمد تخت بقیس آن زماں گفت حمد اللہ بریں و صد چنین پس نظر کرداں سلیمان سچے تخت پیش چو بپیش سنگ نقش کند ساجد و سجد از حسان نجیہ دیدہ در وقتیکہ شد حیران دنگ
-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	-----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

شیر سنگی راشقی شیر شناس	تزو خدمت چوں بنا موضع بہت
استخوانے سوئے سگ انداختن وود	از کرم شیر حقیقی کرد جود
لیک مارا استخوان لطیفست عام	گفت گر چہ نسبت آن سگ بر قوم

جبکہ سلیمان علیہ السلام نے جانوروں کیلئے انکے مناسب ایک بولی بولی یعنی اہل سبا کو ایک مناسب حال پیغام بھیجا تو ان سب کو قید اور سقا کر لیا۔ نیز اس جانور کے جو بیان و بے پر تھا۔ یا چھپلی کی طرح خلقت بہر گو نگا تھا یعنی فطرۃ ہی اس میں استعداد و قابلیت نہ تھی۔ (مرا د اس سے اظہار کمال ضعف استعداد ہے نہ کہ نفی مطلق استعداد کیونکہ یہ امر کل مولود یولد علی الفطرۃ کے خلاف ہے) اسکو فائدہ نہوا۔ اور وہ ابتل سے محروم رہا۔ چونکہ مولانا کے اس کلام سے گو نہ ایہام اس امر کا بھی ہوتا تھا۔ کہ آواز وحی ایسے لوگوں کی ہدایت سے قاصر ہے اسکے اسکو دفع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں میں نے غلط کہا اور میرے کلام سے یہ امر جو متوہم ہوتا ہے کہ آواز وحی الہی قاصر ہے یہ غلط ہے کیونکہ اس میں تو اتنی قوت ہے کہ اگر بہرے یعنی قریب فاقدا الاستعداد شخص بھی اسے سنے تو زور وحی الہی اسکے لئے بھی شمع ہدایت روشن کرے پس تصور ہر امر عبد کی طرف سے ہے۔ نہ کہ وحی کی جانب سے یہ تو حجلہ معترضہ تھا اصل مطلب یہ ہے کہ بقیہ سلسلہ ہو گئی اور اس نے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کا صدق دل سے پختہ ارادہ کر لیا۔ اور جب اسکے دل میں اسلام نے گھر کر لیا۔ اور اسکا حاضری کا ارادہ پختہ ہو گیا۔ تو اسکو اپنے گوشہ زمانہ کے ضائع ہونے پر افسوس ہوا۔ کہ میرا اتنا وقت کیوں برباد ہو گیا۔ اور کیوں میں اتنے دنوں تک اس دولت سے محروم رہی اور اس نے دولت و سلطنت کو یوں خیر باد کہدیا جس طرح عشاق نام و تنگ کو کہتے ہیں۔ خدمتگار غلام اور ناز و انداز والی نو دنیاں اسکی نظر میں اسدرجہ بے وقعت ہو گئی تھیں جیسی بے وقعت پیاز۔ باغات و قصور شاہی اور نہروں کا پانی سب کے سب عشق کی گرمی سے پھاڑ معلوم ہوتے تھے۔ اور یہ امر کچھ بھی عجیب خیر نہیں اسکے کہ عشق کا تو قاعدہ یہی ہے کہ حرب وہ مسلط اور غضبناک ہوتا ہے تو اچھی چیز

عاشق کی نظر میں بری ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ غیرت عشقِ زمر کو گندنا دکھلاتی ہے۔ یعنی
 عاشق کو غیرت آتی ہے کہ محبوب کی خوبی کے سامنے کسی اور چیز کو بھی خوب سمجھے۔ اور
 اس کی طلب کے ساتھ کوئی اور چیز بھی مطلوب ہو۔ اور قافیٰ المحبوب کے یہی معنی ہیں۔
 اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مالا لاله الہ الہو کے معنی بھی یہی ہیں کہ
 مثلاً چاند نہیں کالی ہانڈی معلوم ہو۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ ہمیں تمام کائنات بتیوت
 کا سلب ہے۔ اور صرف ایک ذات کے لئے اسکا اثبات ہے تو حاصل یہ ہوا کہ معبود
 صرف ذات واحد ہے۔ اور کوئی نہیں۔ اور عبودیت و اجتماعِ جملہ اوصافِ کمال و
 محبوبیت حقیقہ و کاملۃ آپس میں متلازم ہیں پس لا الہ الاہو کے التزامی معنی یہ ہوئے
 کہ کوئی محبوب حقیقی و کامل نہیں ہے۔ ذات واحد کے لہذا اسی کو محبوب بنانا چاہئے۔ اور
 حب وہ محبوب ہو گیا تو اس کے ماسوا جتنی چیزیں ہیں سب کو اس کے سامنے محقر اور عاری
 عن الکمال سمجھنا چاہئے کیونکہ مقتضائے عشق یہی ہے۔ پس جبکہ یہ کیفیت پیدا ہو گئی
 تو لا محالہ عاشق چاند کو کالی ہانڈی سمجھے گا۔ و ہذا ہوا المدعی۔ اس مضمونِ استغرافی کو
 بیان فرما کر پھر مضمونِ سابق کے طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی مال کوئی خزانہ
 کوئی سامان ایسا نہ تھا جس کا اسے افسوس ہو بجز تخت کے کہ اسکو اسکا افسوس ضرور تھا
 پس سلیمان علیہ السلام کو ان کے خیال پر اطلاع ہو گئی (چونکہ بادی النظر میں یہ امر قابل
 انکار تھا اسلئے مولانا اسکی وجہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں) کیونکہ جبکہ بلیقیس کے قلب
 کو حضرت سلیمان علیہ السلام سے تعلق تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی ان سے
 محبت تھی اور عادتِ الشجاری ہے کہ ایسی صورت میں علی تفاوتِ مراتب التعلق ایک
 کے قلب کی حالت کا پر تو دوسرے کے قلب پر ڈال دیا کرتے ہیں۔ اسلئے دونوں کے دلونکے درمیان
 ایک راستہ تھا جس سے ایک کے دل کا اثر دوسرے تک پہنچ سکتا تھا نیز جسکے قویٰ مدرکہ
 اتنے قوی ہونگے کہ وہ چوٹی کی گفتگو سننے وہ دور والوں کے اسرارِ قلبیہ بھی معلوم کر سکے گا
 بوجہ اس ادراک کے اختیار ہی ہونے کے ہر وقت اور جب چاہے ایسا کر سکے اور جو گفتگو کو
 کو جو کہ ایک مخفی بات تھی جان لیگا وہ آسمانوں کے مخفی اسرار کو بھی جان سکے گا۔ کیونکہ نشا و نون کا

نور آتی دقت آئییہ ہے جسکے نزدیک دونوں یکساں ہیں مگر چونکہ ان سے خواص عادت کی طرح کام لینے کا اختیار عطا نہیں کیا گیا۔ اسلئے یہ ادراک انکے اختیار میں نہیں فائدہ بخشا۔ الشکوہ والا وہاں باہر رہا۔ القصد انھوں نے ایک مسافت بعیدہ سے یہ امر معلوم کر لیا کہ مطیع و منقاد بلبقیس کو اپنے تخت کی جذباتی ناگوار ہے رہا یہ امر کہ اسکو اس تخت سے کیوں عشق اور موافقت تھی سو اگر میں اسکی تفصیلی وجہ بیان کرتا ہوں تو گفتگو طویل ہوئے جاتی ہے۔ مگر مختصر اور اجمالاً کچھ بیان کرتا ہوں سنو اگرچہ قلم جاد محض ہے مگر کایت کو اس سے ایک خاص انس ہوتا ہے علی ہذا ہر پیشہ ور کے آلات اپنے بچان ہو نیکی ہاتھیں جانداروں کے منوس ہیں۔ اور جو شخص جو کام کرتا ہے اسکا آلہ بچان ہوتا ہے۔ لیکن وہ اسکا منوس جان ہوتا ہے علی ہذا بلبقیس کا تخت اسکا آلہ تھا اسلئے قدرۃ اسکو ہی اس سے انس ہونا چاہئے تھا۔ یہ تو میں نے جملاً اور ایک کلیہ کے طور پر بیان کر دیا ہے اور میں ہکو متعین اور شخص کر کے بھی بیان کر دیتا۔ اگر تیری چشم فہم میں ڈھلنے کا مرض نہ ہوتا یعنی وہ کمزور نہ ہوتی۔ مگر کیا سمجھے کہ وہ کمزور ہے اسلئے مجھے اندیشہ ہے کہ تو نہ سمجھ سکے یا غلط سمجھ جائے اسلئے ترک کرتا ہوں۔ اور قصہ بیان کرتا ہوں۔ چونکہ تخت بہت بڑا تھا اسلئے اس کے بڑے ہونیکے سبب اسکو سلیمان علیہ السلام کے پاس لیجانا کسی طرح ممکن نہ تھا اور چونکہ اس میں بہت باریک کام ہو رہا تھا اسلئے اجزاء الگ الگ کرنے میں بھی خطرہ تھا جیسے انسان کے آپس کے جوڑ کہ ان کے جوڑ کرنے میں سخت خطرہ ہے۔ کیونکہ وہ ایک استاد کامل کے جوڑے ہوئے ہیں پس اگر انکو الگ الگ کر دیا جائے تو پھر انکا اس طرح جوڑنا ناممکن ہو جاوے۔ ان واقعات پر غور کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگرچہ انجام یہ ہو گا کہ بلبقیس کو تخت و تاج کی بالکل محبت نہ رہے گی کیونکہ جب جان در لیسے و تاج میں غرق اور فنا فی اللہ ہو کر نکلتی اور بقا با اللہ حاصل کرتی ہے تو اسکی عظمت کے مقابلہ میں کسی چیز کو قیاس نہیں ہوتی۔ اسلئے وہ کسی چیز پر بھی نظر نہیں کرتے۔ اسلئے کہ قاعدہ ہے کہ اگر سمندر میں سے موتی نکل آئے تو پھر آدمی خس و خاشاک کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ نیز جبکہ آفتاب شعل طلوع ہوتا ہے تو اسوقت دم عقرب پر کوئی اعتماد نہیں کرتا۔ کیونکہ آفتاب کے

سامنے دم عقرب کی کیا حقیقت ہو؟ دم عقرب سے وہ ستارے مراد ہیں جو کج عقرب میں دم
 عقرب کی صورت پر مجتمع ہیں اور یہی مراد ہے صاحب پنج قوی کی۔ نہ کہ کڑ دم معروف کی
 دم جیسا کہ بعض محشین نے سمجھا ہو۔ والشراعلم! لیکن بالانہیہ فی الحال یہی مناسبت ہے
 کہ اسلئے تخت کو یہاں منکایا جائے تاکہ ہماری ملاقات کے وقت اسکو تخت کے چھوٹنے کا
 بلال خواہ اسکی طفلانہ خواہش پوری ہو جانی چاہئے۔ کیونکہ گودہ ہمارے نزدیک محقر ہے
 مگر اسے سجدہ عزت ہے نیز تاکہ جو روں کے دسترخوان پر دلپوی موجود رہے اور وہ تخت اسکی جان
 کیلئے موجب عبرت ہو و جملہ کہ ایاز کی گدڑی اور اسکے جتنے اسلئے اسکے پاس تھے کہ اسے
 معلوم رہے کہ میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہوں اور پیلے کیا تھا اور اب کیا ہو گیا ہو اور
 اس سے ہمیں شکر پیدا ہو کہ غرور اور گھمنہ حق سبحانہ سے خاک اور لطفہ اور مضغہ کو اسی
 ہمارے سامنے رکھا ہے تاکہ میں جتلائے کہ میں تہمتیں ایسے کو فسہ عمدہ غیر سے پیدا کیا
 جس سے تمہارے اندر یہ پاجی بن تکبر و غرور وغیرہ پیدا ہو جس زمانہ میں تو لطفہ اور مضغہ تھا
 اسوقت تو زبان حال ہمارے اس کمال کا منکر تھا کہ ہم ایک چیز کو دوسری شے سے پیدا
 کر سکتے ہیں اور چونکہ ہمارا یہ فضل یعنی تلو جاد سے انسان بنانا تمہارے اس انکار کو روک رہا
 ہے جو کہ تم بتدار خاک ہونے کی حالتیں کرتے تھے۔ اسلئے اب تلو جاد سے انکار ہونا چاہیے
 تھا مگر تم پر اسکا الٹا اثر ہوا اور تمہارا تلو جاد حیات بخشنا خود تمہارے لئے انکار کی دلیل بن گیا اور
 تم نے کہا کہ حشر جساد و نا جان ہے کیونکہ جسم میں سے وہ استعداد فنا ہو گئی ہے جسکے بنا پر
 نفس کو اس سے تعلق تھا یا وہ مجتمع تھا اور نفس کے تعلق اور جسم کے اجتماع کا فنا ہو جانا دلیل
 اسکے انعدام کی۔ پس جبکہ آجیں استعداد تعلق نفس و اجتماع اجزا نہیں ہے تو جسم کیونکر تعلق
 ہے۔ اور نفس اس سے کیونکر متعلق ہو سکتا ہے اور جو چر و واقع میں تمہارے لئے دو اشیا
 اس سے تمہارے مرض کو ترقی ہو گئی۔ تم اتنا تو سوچو کہ خاک کے پتلے کیلئے اس فعل حیا
 و استعداد وغیرہ کو کس نے مصور کیا ہے۔ اور وہ کون ہے جس نے اسے حیات یا استعداد
 وغیرہ دی ہے۔ اور لطفہ یعنی انسان کے اندر فحاصبت اور انکار کس نے پیدا کیا ہے۔ وہ
 نہیں تو ہیں۔ پھر اگر ہم دوبارہ ہی حیات دیدیں تو کیا تعجب کی بات ہے۔ آخر استعداد

اولیٰ ہی تو ہمیں نے پیدا کی تھی پھر کیا ہم دوبارہ استعداد پیدا نہیں کر سکتے۔ وہ کیونکر جب تکو
دل اور جسم نہ ملا تھا اسوقت تم فکر اور انکار کے ہی منکر تھے۔ اب چونکہ جمادیت سے تمھارے اندر
انکار پیدا ہو گیا ہے اسلئے خود تمھارا یہ انکار حشر ہی اسکا اقرار ہو گیا۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوا
کہ تمھارا انکار بالکل لغو ہے۔ اور تم ہر ایسی چیز کا انکار کر بیٹھتے ہو۔ جو فی نفسہ ممکن ہوتی ہے
اور اس تک تمھاری رسائی نہیں ہوتی۔ چنانچہ حالت جمادیت میں تم فکر و انکار کے منکر تھے
ہی۔ ادب انکو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ نیز تمھارا مٹی ہو کر دوبارہ زندہ ہونا ایسا ہی جیسا
جاوے انکار کا پیدا ہونا۔ تو جبکہ ہم اسپر قادر ہیں تو اسپر قادر کیوں نہ ہونگے۔ لہذا تمھاری
مثال ایسی ہو گئی جیسے ایک شخص نے بچہ کھٹکھٹائے اور مالک مکان اندر سے بولے کہ مالک کچھ
نہیں ہے کیونکہ یہ انکار اسکا خود اقرار ہے اور نہ بچہ کھٹکھٹانے والا اس انکاری سے اقرار بھی جاد
اسکی بات نہ مانے گا۔ اور نہ بچہ کھٹکھٹاتا رہے گا پس اسی طرح تمھارا انکار خود ثابت کرتا ہے کہ
حق سبحانہ جمادات میں سیکڑوں کمالات پیدا کر سکتے ہیں اسے منکر ذرا غور تو کر کہ حیثیت
تک خاک و آب یعنی مٹی کے پتلے نے ہل اتنی سے انکار کیا ہے اسوقت تک خاک کے اندر
کیا کیا کاریگیاں ہو چکی ہیں کہ اول مٹی کو غذا بنایا۔ اور غذا کو بتقلید حوال خون بنایا اور
خون کو مٹی بنایا۔ مٹی کو علقہ بنایا علقہ کو مضغہ بنایا مضغہ کو جسم انسانی بنایا پھر اس میں
روح پھونکی پھر اسکو قابل فہم بنایا۔ اسوقت سورۃ حللہ کی کا انکار کیا۔ جو اولاً بطور تنبیہ کے
اسکے ابتدائی حالت کو ظاہر کرتی ہے اور اسکے بعد اسکے مشوریت جسمانیہ کو بتلاتی ہے مگر غفلت
مجموعہ آپ بے گل (انسان ناقص) اپنے انکار کی حالتیں کہتا ہے کہ یہ انکار نہیں ہے اور
غافل اپنے عین اس خبر دینے کی حالتیں بندائی جو وہی کہہ رہا ہے کہ یہ خبر دنیا نہیں ہے
بلکہ سر امر جھوٹ ہے۔ میں اس مضمون کو سو طرح بیان کر سکتا ہوں لیکن اندیشہ ہے کہ بائیک
بات سے افہام کو نغزش نہ ہو جاوے۔ اسلئے اسکی شرح سے خاموش رہا۔ تاکہ سیاست
بالمقیس کا تخت لے آؤں۔ سنو ام مذکورہ بالا کو سوچ کر سلیمان علیہ السلام نے لشکر کو حکم
دیا کہ اسکے تخت کو فوراً حاضر کرو۔ ایکس جن نے کہا کہ میں اسکے تخت کو اپنے کمال سے آگلی
مجلس کے برخاست ہونے سے پہلے حاضر کر سکتا ہوں یہ سنکر آصف بن برخیا نے کہا کہ

میں آسم اعظم کے ذریعہ سے اُسے آج حاضر کئے دیتا ہوں۔ اگرچہ وہ حضرت ہی جادو کا استاد تھا مگر اس خدمت کے انجام کا ثناء آصف کی قسمت میں تھا اسلئے یہ خدمت اسی کے دم سے ظہور میں آئی اور فی الفور بلقیس کا تخت حاضر ہو گیا۔ مگر حضرت بلقیس کے ہنر سے نہیں بلکہ آصف کے کمال سے۔ یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے جوش مسرت میں فرمایا کہ میں رب العالمین کے اس العام پر اور ایسے اور سیکڑوں العاموں پر جو اس کی جانب سے بچھیرے گئے ہیں اسکی تعریف کرتا ہوں۔ یہ فرما کر تخت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے جزو درخت بے شک تو احمقوں کا پھانسنے والا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اری بہت سے احمق ہیں جو لکڑیوں اور تراشیدہ پتھروں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں یہ ساجد و سجدہ جان کو تو جانتے ہی نہیں کہ کیا چیز ہے۔ ہاں کچھ اثر اسکا ان میں ہے جیسے حرکت وغیرہ چنانچہ جب ساجد کبھی اپنے کسی معاملہ میں پریشان اور توجہ ہو کر تنہا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ان سے اعانت چاہتا ہے تو ان میں گویائی یا اشارہ دیکھ لیتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ جب اس نے اپنی خدمت کو بے محل صرف کیا اور اس بد بخت نے پتھر کے شیر کو حقیقی شیر سمجھ لیا یعنی غیر قادر کو قادر جان لیا تو حق سبحانہ کے سخاوت نے اپنی عنایت سے اسے شیر حقیقی کر دیا یعنی اسے قادر کے آثار مرتب کر دیے جیسے گویائی یا حرکت یا مقصود کا حاصل ہونا۔ اور اس کتے کے سامنے ہڈی ڈال دی اور فرمایا کہ اگرچہ یہ کتا ٹھیک اور قادر نہیں لیکن ہڈی ڈال دینا ہمارا کرم عام ہے۔ اسمیں مطیع وغیر مطیع کی تخصیص نہیں ہم کے مقاصد کو پورا کرتے ہیں اب مولانا ایک قصہ بیان فرماتے ہیں جس سے مدیدہ از جان جنبشہ و اندک اثر کی تائید ہوا اور کہتے ہیں۔

شرح شبیری

بلقیس کا ملک و مال سے بوجہ شوق ایمان کے آزاد اور ت

ہو جانا۔ اور تمام ملک سے اسکا التفات منقطع ہو یا بلکہ تخت سے

چوں سلیمان سچے فرغان سیا یک صفیری کرد و بست آن حلیہ
یعنی جبکہ سلیمان علیہ السلام نے سب کے جانوروں کی طرف ایک داز کی تو ان سب کو بند کیا
جز نگر مرغی کہ بد حیوان دہر یا چو ماہی گنگا بد از اصل کہ
یعنی مگر سوائے اُس مرغ کے جو کہ بیان و پر تھا یا چھلی کی طرح اصل ہی سے گونگا اور بہرہ تھا
مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعوت اسلام فرمائی اور اہل سبا کو اپنی طرف
بلایا تو تمام اہل سبا اس طرف متوجہ ہو گئے اور سب اسکو قبول کیا لیکن جو لوگ ایسے تھے کہ
گویا کہ اصل سے استعداد تھی ہی نہیں تو ایسے لوگوں نے اسکو قبول نہیں کیا اسلئے کہ ایسے لوگ
جو بالکل ہی بہرے گونگے ہوں وہ کیا ہدایت پاسکتے ہیں اور یہ جو کہا ہے کہ ”یا چو ماہی گنگا
بraz اصل و کر“ اس سے شبہ پڑتا ہے کہ جب انہیں اصل فطرت سے استعداد تھی ہی نہیں تو
وہ تو مکلف ہی نہ تھے اسی شبہ کو شرح میں گویا کہ لفظ سے دور کیا گیا ہے کہ انکی استعداد
ایسی ضعیف ہو گئی تھی کہ گویا کہ اصل سے ہی نہیں پھر انکو ہدایت کیسے ہوتی۔ آگے اس
مضمون سے اضراب فرماتے ہیں کہ۔

نے غلط گفتہ کہ کر کر سہند پیش وحی کبریا سمعش دہر
یعنی نہیں میں نے غلط کہا بلکہ اگر بہر اوحی کبریا کے آگے نہ رکھ دے تو اسکو وہ کائنات
مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کہ دیا کہ چونکہ وہ لوگ گنگا و کر تھے اسلئے انکو کس طرح
ہدایت ہو سکتی تھی تو یہ میں نے غلط کہا ہے۔ اسلئے کہ اگر کوئی ضعیف الاستعداد و اعانت
حق کرے اور اپنی طرف سے کوشش کرے تو حق تعالیٰ اسکی مدد فرماتے ہیں اور اسکی استعداد
میں قوت پیدا فرمادیتے ہیں۔ کہ جس سے وہ قوی الاستعداد ہو جاتا ہے غیر غرض کہ اکثر اہل
سبائے دعوت کو قبول کیا۔

چونکہ بلقیس از دل جان عزم کرد برزیاں رفتہ ہم افسوس خورد
یعنی جبکہ بلقیس نے بدل و جان (ایمان لانے کا) قصد کر دیا اور گدشتہ زمانہ (کفر) پر

افسوس ہی کیا۔

ترک مال جان کردا و انچناں کہ ترک نام و ننگ آں عاشقان

یعنی انھوں نے مال و جاہ کو اس طرح ترک کر دیا جس طرح کہ وہ عاشقان (حق) نام و ننگ کو ترک کر دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ عاشق حق کو نام و ننگ کی چراغ نہیں ہوتی بس اطاعت حق کرتے ہیں خواہ نام ہو یا نہ ہو اور خواہ ظاہری ننگ ناموس کے خلاف ہو یا موافق۔ پس اسی طرح انھوں نے بھی ایک سخت تمام مال و دولت کو ترک کر دیا اور ایمان لانیکا قصد کر دیا۔

آں غلامان و کنیزان بنناز پیش چشمش سچو بوسیدہ پیاز

یعنی وہ نازنین غلام اور باندیاں اس کی آنکھ میں سڑھنے پیاز کی طرح ہو گئے، باغساؤ قصر باؤ آب رود پیش چشم از عشق گلخن می نمود

یعنی باغات اور محلات اور نہر کا پانی انکی آنکھ کے آگے عشق (حق) کی وجہ سے پیاز دکھائی دیتے تھے۔ مطلب یہ کہ تمام چیزیں ہیج اور بے وقعت دکھائی دیتی تھیں اور سب چیزوں سے عشق حق کی وجہ سے نفرت ہو گئی تھی۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عشق در ہنگام استیلاؤ شوم زشت گردانہ لطیفانرا بچشم

یعنی عشق غلبہ اور غصہ کے وقت میں تمام (ظاہری) لطیفوں کو آنکھ میں بُرا کر دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب عشق کا غلبہ ہوتا ہے تو جو چیزیں کہ اظہار بہت عمدہ اور لطیف تھیں اب وہ بھی بُری اور گندی نظر آتے لگتی ہیں اور اُن سے دلچسپی نہیں رہتی۔ اور یہ حالت ہو جاتی ہے کہ۔

مر زمر در انماید گسندنا غیرت عشق اس بود معنی لا

یعنی زمر کو غیرت عشق گندنا دکھلائی ہے اور یہ ہوتے ہیں فتلے کے معنی مطلب یہ کہ فتلے کے معنی ہیں کہ تمام چیزیں بحر ذات حق کے اور عشق حق کے بالکل ہیج اور فانی نظر آویں کہ گویا کہ ہیں ہی نہیں۔ اور جب عشق کا غلبہ ہوتا ہے تو پھر بھی حالت ہو جاتی ہے کہ تمام چیزیں بالکل ہیج اور بے وقعت دکھلائی دیتی ہیں۔

لا الہ الا ہوا نیست لے پناہ کہ نماید مرہ ترا دیگ سیاہ

یعنی اسے پناہ گزین لالہ الہ ابوہی ہے کہ چاند ٹکڑا ایک دیک سیاح دکھلائی دے طلب
یہ کہ قتل کے معنی جو کہ حاصل ہے لالہ الہ ابوہی ہیں کہ تمام چیزیں بے وقعت اور ہیج معلوم
ہوں۔ مثلاً چاند ہے کیسا چمکدار اور خوبصورت ہے لیکن اس عاشق کی نظریں اسکی ہی
کوئی وقعت نہو۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اُس ذات پاک کے سامنے اسکی حقیقت کوئی وقعت
نہیں ہے۔ آگے پھر قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

ہیج مال ہیج خزن ہیج خست می درغیش نامہ الاجر کہ تخت
یعنی کسی مال و کسی خزانہ کا اور کسی اسباب کا اُسکو افسوس نہ آتا تھا لیکن تخت کا۔
یہ کہ بلقیس کو کسی شے کے چھوڑنے کا قلق نہ تھا ہاں رہ رہ کر تخت کے چھوڑنے کا خیال
آتا تھا کہ یہ بچاؤ لگیا۔ اور اب مجھے نہ ملیگا کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تو
تیا زمندانہ اور غلامانہ حاضر ہو رہی تھیں تو اُنکو یہی خیال تھا کہ اب الکا قبضہ اس پر جاوے
تو اور چیز و کتاؤ اُنکو افسوس نہوتا تھا ہاں ایک تخت کا افسوس ہوتا تھا کہ افسوس یہ ہاتھ
سے نکل جاوے گا۔

پس سلیمان از روش گاہ شد کہ دل و تاول او براہ شد
یعنی پس سلیمان علیہ السلام اُن کے دل سے آگاہ ہو گئے۔ کیونکہ اُن کے دل سے اُن کے
دل تک راہ تھی مطلب یہ کہ چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قلب سے اُن کے قلب تک راہ نہ تھی
وہ صاحبِ حی تھے اسلئے اُنکو حضرت بلقیس کے مافی الضمیر کی خبر ہو گئی۔ آگے اس خبر پر بتائیں
جو ایک استبعاد تھا اُسکو دور فرماتے ہیں کہ۔

آں کسے کو بانگ دورانِ شنود ہم ز دورانِ سرور انِ شنود
یعنی جو شخص کہ چیرہ نشین کی آواز سنلے وہ دوروں سے دور و نیکی آواز بھی سن لیتا ہے۔
اُنکہ گوید رازِ قالتِ نملۃ ہم بدانند از ایں طاقِ کُن
یعنی جو شخص کہ قالتِ نملۃ کے راز کو بیان کر دے اور اُس پر اُسے طاق (آسمان) کا راز بھی
بیان کر دے (تو اُسکو کسی کی مافی الضمیر کا معلوم کر لینا کیا مشکل ہے)
دید از دورش کہ آں سلسلہ کیش
نملۃ کیش آمد فرقتِ آن خست خویش

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُنکو دور سے دیکھا کہ اُس تسلیم کیش کو اپنے تخت کی فرقت
ناگوار معلوم ہوئی ہے مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ اُنکو تخت کا
چھوڑنا ناگوار ہوا ہے اب آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

گر بیگویم اُس سبب گرد و دراز کہ چرا بوشِ تجرت آن عشق سواز
یعنی اگر میں اُس سبب کو بیان کروں تو وہ دراز ہو جاوے۔ کہ اُنکو تخت سے وہ عشق سواز
کیوں تھا۔ مطلب یہ کہ اگر میں اسکا سبب بیان کروں کہ اُنکو تخت سے محبت کیوں تھی اسلئے
کہ ہر شے کو اپنے ہم جنس سے تعلق اور انس ہوتا ہے اور تخت اُنکا ہمجنس تھا نہیں تو ان کو
اس سے محبت کیوں تھی۔ تو یہ بیان بہت طویل ہو جائے اسلئے میں بیان نہیں کرتا لیکن
آگے دو مثالیں دیکر اُس سبب کی طرف اشارہ کر دیا فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ اس کلمہ قلم خود پر حس است نیست جنس کا تب اور امونس است
یعنی اگرچہ یہ کلمہ اور قلم خود ایک بے حس ہے اور جنس کا تب نہیں ہے (لیکن) اسکا
مونس ہے۔

آہنچیں ہر آلت پیشہ ورے ہست بیاں مونس ہر جانورے
یعنی اسی طرح پیشہ ور کا ہر آلہ بجاں ہے (لیکن) ہر جاندار کا مونس ہے مطلب یہ کہ
دیکھو قلم جو کہ بجاں ہے اور آلہ پیشہ ور جو کہ بجاں ہے لیکن اس سے جاندار و نگو یعنی کاتب و نگو
اور پیشہ وروں کو انس اور محبت ہوتی ہے۔ تو باوجود غیر جنس ہونیکے اُس سے تعلق اور محبت ہے
تو بس اس میں ہی کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کہ اُنکو باوجود غیر جنس ہونے کے اُس تخت سے انس
اور محبت تھی یہاں مولانا نے سبب کی طرف ہی اشارہ فرما دیا۔ اور وہ یہ کہ آلات سے پیشہ
کو یا قلم سے کاتب کو انس کیوں ہوتا ہے۔ اسی لئے کہ وہ اُسکے نفع کا سبب ہوتے ہیں اور
اُن سے اُسکو نفع ہوتا ہے۔ تو اُس نفع کی وجہ سے اُنکو اُن چیزوں سے انس ہوتا ہے۔ تو اُن
چونکہ حضرت بلقیس کیلئے یہ تخت نفع کا سبب تھا۔ یعنی اُنکو اُس سے جاہ میسر ہوتی تھی۔ اور
اس تخت ہی کی بدولت وہ بادشاہ کلدانی تھیں۔ تو اس نفع کے فوت کے سبب اُنکو قلق
ہوتا تھا۔ کہ یہ نفع جاتا رہ گیا اور یہ جاہ مفقود ہو جاو گی۔ یہ سبب اُس تخت سے انس کا تھا۔

اور مبتدی کیلئے تو ایسا ہونا کہ اسکو کسی شے سے باوجود حصول نسبت کے تعلق اور اس
 رہے کوئی تعجب کی بات ہی نہیں اسلئے کہ بعض فہمیوں کو بھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ کسی کو کچھ
 کا شوق ہے مثلاً کسی کو بالغ ہی کا شوق ہے کسی کو بچوں کا شوق ہے علیٰ ہذا تو یہ بھی
 نقص کی علامت ہے کہ کیوں اتنا تعلق ہی غیر اللہ سے باقی ہے اور تعلق اسکو کتنی ہیں
 کہ ان چیزوں کا اہتمام کیا جاوے اور ان میں کچھ انہماک ہو کہ مثلاً کسی کو بچوں کا شوق
 ہے تو اب نہیں بچ منگوائے جا رہے ہیں لوگوں سے فرمائشیں ہوتی ہیں یہ تو اہتمام
 اور اگر کسی عمرہ شے کو دیکھ کر دل خوش ہو تو یہ اس میں داخل نہیں اور اسکو تعلق مع
 غیر اللہ نہ کہا جاوے گا۔ غرض کہ انکو اس تخت سے باوجود حصول نسبت مع اللہ کے تعلق
 باقی تھا آگے جب انکو اور ترقی ہوئی تو انکو اس سے بھی تعلق نہیں رہا لیکن پہلے پہلے صرف
 اس سے تعلق تھا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ -

اس سبب سے اس معین گفتے گربنودے چشم فہمت رانے

یعنی میں اس سبب کو معین کر کے بتلا دیتا اگر تیری چشم فہم میں غم نہ ہوتا۔ مطلب یہ کہ
 اگر تمھارے غم میں کچی نہ ہوتی تو میں اس تعلق مع اس سریر کو معین کر کے بیان کر دیتا اور
 بتلا دیتا۔ کہ یہ سبب تھا۔ مگر چونکہ تمھارا غم درست نہیں۔ اسلئے ممکن ہو کہ کچھ اور سمجھ جاؤ
 لہذا میں نے اسکو نہیں بتلایا۔ اور وہ سبب یہ تھا کہ چونکہ انسان ہر طرح سے صفات حق کا اور
 منجملہ صفات کے قدرت اور استیلا اور غلبہ ہی ہے اور انسان اسکا بھی مظہر ہے تو
 انسان کا دل چاہا کرتا ہے۔ کہ اسکو بھی ہر شے پر غلبہ ہو اور ہر شے اسکا حاطہ قدرت میں ہو جاوے
 حتیٰ کہ یہ اول کسی شے پر غلبہ کی کوشش کرتا ہے اور جب اس پر قدرت اسکو نہیں ہوتی تو پھر صرف
 استیلا علی ہی کو غنیمت جانتا ہے۔ اور صرف اسکا علم ہو جائے ہی پر اکتفا کرتا ہے۔ کہ مثلاً ہلکو
 کلکتہ کا علم ہے یعنی کا علم ہے علیٰ ہذا اور قطب شمالی وغیرہ کی تلاش بھی اسی کی فرع ہے کہ صرف
 یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو استیلا علی ہو جاوے۔ کہ یہ فخر ہو گا کہ ہمارا علم اس قدر چیزوں کو احاطہ کئے
 ہوئے ہو۔ اور اسلئے جو اسباب ہوتے ہیں اس سے انسان کو محبت اور اس ہوتا ہے تو اسی طرح
 باقیں کیلئے چونکہ تخت موجب جاہ اور سبب غلبہ تھا اسلئے انکو اس سے اس قدر محبت تھی خوب

سمجھ لو۔ اب یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب انکو اسقدر تغلن تھا تو انکو ساتھ ہی رکھ لیا ہوتا۔
مولانا اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

از بزرگی تخت کرمی فرود
نقل کردن هیچ نوع امکان نبود
یعنی تخت کی بڑائی کی وجہ سے جو کہ حد سے بڑھتی تھی کس طرح منتقل کرنا ممکن نہ تھا۔ مطلب یہ کہ
وہ اسقدر بڑا تھا کہ انکو کہیں اٹھا کر لیجا نا ممکن ہی نہ تھا اب یہ شبہ ہوتا ہے کہ اسے لٹے
کر کے لپیٹ کر ساتھ رکھ لیا جاتا تو اسکا جواب آگے دیتے ہیں کہ۔

خوردہ کاری بود تقریقش خطر
پہچا وصال بدن با یکدیگر
یعنی مینا کاری یہی تھی کہ اسکا جہاز نا خطرناک تھا جیسی کہ بدن کے جوڑا ایک دوسرے کے
ساتھ مطلب یہ کہ جسطرح کہ انسان کے بدن کے جوڑ ہیں کہ انکو ایک دوسرے سے الگ نہیں
کر سکتے ہیں اور اگر کریں تو انسان نہ رہے اسی طرح اس تخت میں مینا کاری اس طرح ہو رہی تھی
کہ اگر اسکو الگ الگ کر کے طو کیا جاتا تو وہ خراب ہو جاتا۔ لہذا انکو لپیٹ کر ہی ساتھ رکھنا
ممکن نہ تھا۔

پس سلیمان گفت گر چه فی الاخیر
سرد خواہ شد برو تلج و سریر
یعنی پس سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگرچہ اخیر میں آپر تلج و تخت (سب) سرد ہو جاوے گا
(جز اس اگرچہ کی تین شعر بعد شعر ۵) ایک خود با این ہمہ کہ ہے اور بیچ میں مولانا بطور جملہ
معرضہ کے ایک مضمون فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اخیر میں جب انکو جلادت ایمان
پوری میسر ہو جاوے گی اسوقت تو انکا دل تخت وغیرہ سے رست پھر جاوے گا۔ اور سب چیزیں بیچ
معلوم ہونگی۔ لیکن اسوقت خیر انکی خاطر سے اس تخت کو منگوا دیا جاوے تاکہ ایمان لائیکے
وقت ان کے دل میں کسی شے کے قوت ہو جائے کہ افسوس نہ ہو اور ایمان بالکل ختم نہ ہو کہ اکثر
کوئی شے محل نہ ہو۔ ورنہ شاید یہ خیال ہو کہ افسوس ایمان لانے سے تخت چھوٹ گیا۔ تو
انکی اس مصلحت پر نظر کر کے تخت کے منگانیکی تجویز فرمائی یہ مطلب اس شعر کیساتھ ملا کہ
سمجھا دیا گیا تاکہ آسانی ہو اب اس جملہ معرضہ کو سمجھ لو فرماتے ہیں کہ۔

چوں زبرد جان بزل رود
جسم را با فراود بنود فرے

یعنی جب وحدت ہو کوئی جان سربا نہ نکالے تو جسم کو اس کے فرکیسا تھ کوئی فرہوگا مطلب یہ کہ جب کسی پر وحدت کا غلبہ ہوگا اور کوئی شخص وحدت میں سے سر نہ نکالے گا اور اس پر وحید کا غلبہ ہوگا تو اس کو عزت روحانی کے مقابلہ میں عزت جسمانی کی کوئی پرواہ نہ رہے گی۔ آگے اس کی مثال دیتے ہیں کہ۔

چوں برآید گوہر از قعر جبار ننگری اندر کف خاشاک و خا

یعنی جب دریا کے قعر میں سے موتی نکل آوے تو تم جہاں میں اور خاشاک و خار میں نظر نہ کرو گے مطلب یہ کہ دیکھو اگر تم موتی کی تلاش میں غوطہ لگاؤ تو دریا کے اندر جانے سے تنہا ہے ہاتھ میں کبھی کف دریا آجاو لے گا اور کبھی خاشاک و خار آجاو لے گا اور تم اسی کو دریا سے نہ لے کر یاہر لاؤ گے لیکن یہ جب ہی تک ہو جب تک موتی نہیں ملا۔ اور جب موتی مل گیا تو پھر ان خس و خاشاک میں کبھی ہی نظر نہ کرو گے۔ بلکہ موتی کو لیکر گھر کا راستہ لو گے۔ اسی طرح جب تک توحید کا غلبہ جان پر نہیں ہوا ہے اسی وقت تک جسم کی آرائش میں ہوا اور جسم سے تعلق ہے۔ اور جب اس کا غلبہ ہو جاو لے گا پھر اس جسم کو کون پوچھے گا۔ آگے دوسری مثال دیتے ہیں کہ۔

سربا آرد آفتاب با شہر دم عقرب را کہ سازد مستقر

یعنی آفتاب با شہر (جب) سر نہ لے تو عقرب (ستارہ) آتی دم کو کون مستقر بنا دے گا مطلب یہ کہ عقرب جو ستارہ ہے اول تو رات کے وقت لوگ اسی کی چابک کو دیکھ رہے تھے۔ اور اسی کو بہت بڑی شے سمجھ رہے تھے۔ لیکن جب آفتاب عالم تاب نکل آیا پھر اس بجا رہ عقرب کو کون پوچھتا ہے اسی طرح بعد غلبہ توحید کے اس جسم کی طرف بالکل التفات نہیں رہتا۔ تو اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگرچہ اخیر میں غلبہ توحید کے وقت انکو اتنا بھی تعلق نہ رہے گا لیکن۔

لیک خود با اینہمہ در نقد حال جست باید تخت اور انتقال

یعنی لیکن باوجود اس کے اسی وقت اس کے تخت کے منتقل کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے، تا نگر دوختہ ہنگام لفتا کو دکا نہ حاجت بش گر دورا

یعنی تاکہ ملاقات کے وقت وہ خستہ نہ ہو۔ اور چونکہ یہی اسکی حاجت روانی ہو جاوے
مطلب یہ کہ جس طرح کہ بچوں کی ضدیں پوری کیا کرتے ہیں اسی طرح اسکی حاجت روانی
بھی ہو جاوے۔

ہمست برماہل اور البس عزیز تابو دہر خواں حوراں دیونیر
یعنی ہمارے اور پرتو ایک حقیر شے ہے اور اسکے لئے بہت محبوب ہے۔ تاکہ حوروں کے خواہ
ایک دیونیری ہو۔ مطلب یہ کہ اگرچہ تخت ہمارے نزدیک تو بالکل حقیر ہے مگر اسکو محبوب
تو اسکی ہمائی میں جو ہم اسکو دولت باطنی جو کہ حورونکی طرح ہے دینگے۔ تو خیر اس کیلئے اسکا
تخت بھی جو دولت ظاہری ہے اور دیونکی طرح ہے وہ بھی اسکو دیدیں گے حورونکی ساتھ ایک
شیطان بھی یہی اس سے فی الحال تو یہ فائدہ ہوگا کہ ایمان لانے کے وقت اسکو کوئی نفوس
اپنے ایمان لانے پر نہ ہوگا۔ اور ایک فائدہ آئندہ کیلئے یہ ہوگا کہ

عبرت جانش بود آن تخت باز بہجودلق و چارے پیش ایاز
یعنی پھر وہ تخت اسکی جان کیلئے عبرت ہوگا جیسے کہ گدڑی اور جوتیاں ایاز کے آگے،
مطلب یہ کہ جس طرح کہ ایاز نے اپنی جوتیاں اور گدڑی جو کہ اول دفعہ وہ بین کر محمود غزنوی
کے سامنے آیا تھا کہ رکھ لی تھیں اور آنکھ دیکھ دیکھ کر روزمرہ کہا کرتا تھا۔ کہ اے نفس تو تو
وہ ہے جو کہ اس گدڑی کو پہنے ہوئے تھا اور یہ جوتیاں تیرے پاؤں میں تھیں آج جو یہ دوتا
اور مال و عزت و حرمت مجھے نصیب ہوا ہے یہ سب محمود کا طفیل ہے دیکھ کر کھراچی مت
کرنا۔ دیکھ کر یو فانی غداری مت کرنا۔ تو وہ جوتیاں اور گدڑی اسکے لئے عبرت ہو گئی تھیں
اسی طرح اس بلقیس کو جب دولت باطنی ملیگی تو اس تخت سے یہ نفع ہوگا کہ یہ اسکو غریبی
اور کمزوری کے اسے نفس تو تو ایسا تھا کہ اس تخت پر بچھا کرتا تھا اور اس پر جان دے دیتا تھا
آج جو تجھے نعمت ملی ہے یہ سب فضل حق ہے اسکا شکر یہ ادا کر اسکی اطاعت کر کر کھراچی
مت کر۔ تو اس تخت کے منگائے سے بعد میں یہ نفع ہوگا۔ غرض کہ اس تخت کے منگالینوں میں
ہر طرح بلقیس کا دینی فائدہ ہے کہ اب تو اسکو ایماں پر افسوس ہوگا اور بعد ایمان اور
حصول دولت باطنی کے یہ فائدہ ہوگا کہ۔

تا بداند در چہ بود آن مبتلا
از کجا باد در رسید او تا کجا
یعنی تا کہ وہ جان لے کہ وہ کس چیز میں مبتلا تھی اور کہاں سے وہ کہاں تک پہنچ گئی (تو
اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ اپنی اصلیت اسکے پیش نظر رہیگی) آگے مولانا اخیر سرخی نکالیں
مضمون کو بیان فرماتے ہیں کہ اسی طرح حق تعالیٰ نے انسان کی اصل یعنی نطفہ کو اور آب و
گل کو سب کو اسکے سامنے رکھا ہے کہ یہ دیکھے کہ میری یہ اصل تھی اور پھر اسکو عبرت ہو کہ
میں کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ تو اس سب کو فضل رب سمجھ کر انکار حق نہ کرے فرماتے ہیں کہ۔

خاک را و نطفہ را و مضغہ را پیش چشم ما ہی دار خدا
یعنی خاک کو اور نطفہ کو اور مضغہ کو ہماری آنکھ کے سامنے اسی حق تعالیٰ رکھتے ہیں

از کجا آور دست ای بد نیت
کہ ازاں آید ہی خضر لقییت
یعنی کہ اے بد نیت میں تجھے کہاں سے لایا ہوں کہ تجھے اس سے شرم معلوم ہوتی ہے،

تو بدای عاشق بدی و دوراں
منکر این فضل بودی آن زمان
یعنی اُس زمانہ میں اُس (عالم) کا عاشق تھا اور (زبان حال) اس فضل کا اسوقت منکر تھا۔

ایں کرم چوں دفع آن انکار شست
کہ میاں خاک میگردی نخست
یعنی یہ کرم جب اُس انکار کا دفع ہے جو کہ تو خاک کے درمیان (مہینگی حلق) پہلا کر کرتا تھا۔

حجت انکار شد انشار تو
از دوا بدتر شد ایں بیمار تو
یعنی تیرا زندہ کرنا انکار کی حجت ہو گیا اور دوا سے تیرا یہ بیمار بدتر ہو گیا۔ (ورنہ)۔

خاک را تصویر ایں کار از کجا
نطفہ را خصی و انکار از کجا
یعنی خاک کو اس کام کی تصویر کہاں سے آئی۔ اور نطفہ میں جھگڑا کرنا اور انکار کہاں سے آیا۔

چوں در اندم بیدل بے رنگی
فلک و انکار را مست کردی
یعنی جیسا کہ اُس دم تو بے دل اور بے سر کے تھا اور فکر اور انکار کا تو مست کر دیا تھا۔

از جمادی چونکہ انکار ت برست
ہم ازین انکار حشرت شد دست
یعنی جمادی سے جبکہ تیرا انکار پیدا ہوا تو اسی انکار سے تیرا حشر درست ہو گیا مطلب یہ ہے

کہ دیکھ حق تعالیٰ نے نطفہ کو اور مضغہ وغیرہ کو جس سے کہ ترکیب انسان ہوئی ہے انسان کی

انکھوں کے سامنے رکھا ہے تاکہ یہ ان اشیاء کو دیکھے کہ میری اصل یہ ہے جسکو دیکھ کر یہی
اب مشہور آتی ہے۔ اور اب جو فیصل ہوا ہے کہ لطفہ سے انسان بنگیا اور اب دگل سے
ایک عاقل بنگیا۔ اسکا بھی تو زبان حال اسوقت انکار تھا بلکہ اس انکار کا بھی جو کہ ایک
فعل ہے انکار تھا اسلئے کہ اسوقت تو جو حالت تھی اُسی کو غنیمت جانتے تھے اور اُسی میں
موجھے۔ لیکن پھر جو تھنے ترقی کی اور جس انکار کا کہ انکار تھا وہ پیدا ہوا تو اُس انکار کے
پیدا ہونے سے تم خجھوٹے ہو گئے اور ثابت ہو گیا کہ تمہارا وہ انکار بالکل غلط اور ہیودہ تھا
کہ اُس انکار کے زندہ ہونے سے اور وجود میں آنے سے ہی وہ انکار غلط ہو گیا۔ تو اب تمہارا
انکار حشر کہ کہتے ہو کہ بھلا اب مرنے کے بعد سطح زندہ ہو گئے اُس حیات سے باطل ہو جاؤ
اور تمہاری بی حیات ثابت کر رہی ہے کہ تمہارا انکار حشر غلط ہے۔ اسلئے کہ تم نے جو اول
اس حیات کا انکار کیا تھا بلکہ اُس انکار کا بھی جو کہ اسوقت کر رہے ہو انکار کیا تھا کیونکہ یہ
بھی تو شعبہ ہے حیات کا اور وہ سب غلط ہوا تو ثابت ہو گیا کہ تمہارا اُس حیات خودی
کا انکار بھی جو تم اس حالت میں کہ ہو غلط کیونکہ تمہارا انکار ہی اُس پہلے انکار کو غلط کر رہا
ہے کہ تم اس فعل انکار کا انکار کرتے تھے۔ تو اسی طرح یہ انکار حشر ہی خود اقرار حشر ہے۔ اور
اسی سے حشر ثابت ہوتا ہے جو سمجھ لو۔ آگے اسکی مثال دیتے ہیں۔

پس مثال تو جو اُن حلقہ زنی است کہ درونش خواہ گوید خواہیت
یعنی بس تیری مثال اسی ہے جیسے کہ کوئی حلقہ زن ہو کہ اسکو خواہ کہدی کہ خواہیں
حلقہ زن زینیت ریابد کہ است پس حلقہ زن دار و پیچ دست
یعنی کُنڈی بجاتے والا اس نیت ہی سے سمجھ لیا کہ ہے تو کُنڈی سے بالکل ہاتھ نہ اٹھاؤ
مطلب یہ کہ تمہارے اس انکار کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کہ ایک شخص نے کسی کو پکارنے
کیلئے دروازہ پر کُنڈی بجائی کہ میاں فلاں صاحب ہیں تو وہ فلاں ہی فرماتے ہیں کہ
میں تو ہوں نہیں تو انکا یہ کہنا کہ میں نہیں ہوں خود اقرار ہے اس امر کا کہ میں ہوں۔ تو
دیکھئے کہ انکار لیکن یہ انکار ہی اقرار ہے۔ تو اسی طرح انسان کا انکار بھی خود اقرار ہے
کیونکہ یہ انکار ہی تو جب ہی پیدا ہوا ہے جبکہ وہ انکار غلط ہو چکا ہے۔ اسی کو فرماؤ ہیں کہ

پس ہم انکار شہین می کنند کہ جادو و حشر صدق می کنند
یعنی بس تیرا انکاری ظاہر کر رہا ہے کہ جادو سے وہ سوطح حشر کرتا ہے۔
چند صنعت وقت ای انکار تا آپ گل انکار دوازہ اہل اتے
یعنی اسے شخص کس قدر صنعتیں پہنچ چکی ہیں تو انکار کب تک ہوگا۔ اور آپ گل سو انکار
آپ گل پیدا ہوا (اہل اتے سے مراد پورا مضمون یعنی وہ حالت جو اہل اتے میں مذکور ہے)
مطلب یہ کہ تمھارا یہ انکار ہی بتلا رہا ہے کہ حق تعالیٰ کو سیکڑوں طرح پیدا فرمانے کی
قدرت ہے۔ کیونکہ کس قدر صنعتیں ہوئی ہیں تب یہ انکار پیدا ہوا ہے۔ تو اب کہاں تک
انکار کرو گے۔ تمھارا خود یہ انکار اقرار ہے۔ اور اسی سے حشر ثابت ہوتا ہے۔
آپ گل میگفت خود انکار است بانگ نیز و جنبہ کا خبر است
یعنی آپ گل کہہ رہا تھا کہ (فعل) انکار نہیں ہے اور بے خبر آواز دیر ہاتھا کہ (فعل)
خبر دینا نہیں ہے مطلب یہ کہ آپ گل کی حالت یہ کہہ رہی تھی کہ انکار و اخبار جو کچھ
ہیں حیات کے یہ سب نہیں ہیں اور انکا وجود نہیں ہے لیکن ہر وجود انکاری اقرار ہو گیا
اور وہ انکار غلط ہو گیا خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

من بگویم شرح این اصد طریق لیک خاطر لغز از گفت دقیق
یعنی میں اسکی شرح کو طریق سے کہتا لیکن دل باریک بات کے کہنے سے لغزش کرتا ہے مطلب
یہ ہے کہ میں اسکی بہت سے طریق پیش کرتا کہ خود انکاری اقرار ہے لیکن باریک باتوں کے کہنے
جی ڈرتا ہے کہ کہیں گرا ہی نہ پھیلے اسلئے ان مثالوں میں ایک مثال یہ بھی ہوتی کہ دیکھو یہ
بت پرست جو بت پرستی کرتے ہیں تو اصل میں بت پرستی نہیں کرتے بلکہ خدا پرستی ہی کرتے
ہیں کیونکہ جو امور کہ یہ بتوں میں ثابت کرتے ہیں وہ اصل میں اور حقیقت میں بتوں میں نہیں
ہیں بلکہ خدا تعالیٰ میں ہیں تو انکا یہ کہنا کہ ہم ان بتوں کی عبادت اس صفت کی وجہ سے کرتے
ہیں اصل میں یہ کہنا ہے کہ ہم حق تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اسلئے جب اس صفت کی وجہ سے
عبادت کرتے ہیں اور وہ صفت ہے حق تعالیٰ میں تو عبادت حق تعالیٰ ہی کی کرتے ہیں
تو انکا عبادت حق سے انکار خود اقرار ہے۔ لیکن اس سے کوئی کج فہم بت پرستوں کو حق پر نہ سمجھا

اور انکو خدا پرست نہ سمجھے اس لئے کہ یہاں تو انکے فعل سے حق پرستی لازم آگئی انھوں نے تو حق پرستی کا التزام نہیں کیا۔ بلکہ اُن کے فعل سے حق پرستی لازم آگئی تو انساں پر جو لازم آجا وہ معتبر نہیں ہے بلکہ وہ ایمان معتبر ہے جسکا التزام خود فاعل نے کیا ہو۔ اسلئے فرماتے ہیں کہ بس زیادہ نہیں کہتا شاید لوگ گمراہ ہو جائیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

شرح آنرا البیستم اے کیا بھر نقل تحت بلیقیں آ رہا
یعنی اے زیرک میں نے اسکی شرح سے لب کو بلیقیں کا تخت سب سے منتقل کرنے کیلئے بند کر دیا۔ یعنی اب اسکا قصہ بیان کرتا ہوں۔ اور اسکی شرح کو چھوڑتا ہوں۔ آگے بیان نہیں کرتا۔ آگے اس تخت کے منگنے کا قصہ ہے۔

سلیمان علیہ السلام کا بلیقیں کے تخت کو سب سے منگوانے کی تدبیر کرنا۔

پس سلیمان گفت بالشکریاں تخت اور حاضر آرید این ناں
یعنی پس سلیمان علیہ السلام نے لشکر سے عینا فرمایا کہ اُس (بلیقیں) کے تخت کو اسی وقت حاضر لاؤ۔

گفت عفریت کہ تختش را بفن حاضر آرم تا تو زین مجلس شن
یعنی ایک زبردست جن نے کہا کہ اسکے تخت کو فن کے ذریعہ سے میں آپکے اس مجلس سے اٹھنے تک حاضر لاؤنگا یعنی اُس نے کہا کہ میں جادو کے ذریعہ سے آپ کے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے تخت کو حاضر کر دوں گا۔

گفت آصف بن باہم عظمش حاضر آرم پیش تو در یکدمش
یعنی آصف (وزیر حضرت سلیمان علیہ السلام) نے کہا کہ میں اسکو اہم عظم کے ذریعہ سے آپکے سامنے ایک دم میں لاتا ہوں۔

لیک آن ز فتح آصف و نمود گر چہ عفریت اوست تا دسحر بود
یعنی اگرچہ وہ عفریت جادو میں استاد تھا لیکن وہ تخت آصف کی بھونک و ظاہر ہوا،
حاضر آمد تخت بلیقیں آن ز ماں لیکن آصف نہ فرغ عفریتیاں

یعنی بقیس کا تخت اسی وقت حاضر ہو گیا۔ لیکن آصف کی وجہ سے نہ جنوں کے فن کی وجہ
گفت حمدا للہ برینِ جنیں کہ بدیدہ ستم زربا لعالمین
یعنی سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے اس پر اور ایسی سیکڑوں (اُن بھتوں)
پر جو کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دیکھی ہیں۔

پس نظر کرو اُن سلیمان سے تخت
گفت آئے گول گیری اور خورت
یعنی پھر سلیمان علیہ السلام نے اُس تخت کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ہاں اسے درخت ہو تو
گرفتار کرنے والا ہے (چونکہ وہ تخت لکڑی ہی کا تھا اسلئے اسکو درخت کہہ دیا مطلب یہ تھا
کہ تو ہی ہے کہ تیرے اندر بھینس کر اور تجھے محبت کر کے موقوفان دنیا حق تعالیٰ سے غافل
ہو جاتے ہیں) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

پیش چوبِ پیش سنگ نقش کند
ای بسا گولانِ سرِ پامی نہند
یعنی لکڑی اور پتھروں نقش کند کے بت سے موقوف ایسے ہیں کہ سر رکھتے ہیں یعنی اُنکی
عبادت کرتے ہیں۔

ساجد و سجود از جانِ جنسیر
دیدہ از جانِ جنسے و اندک اثر
یعنی ساجد و سجود (دونوں) جانِ حقیقی حق تعالیٰ سے خیر ہیں جان (روح) کا کچھ اثر اور ایک
جنس دیکھی ہے مطلب یہ کہ جن پتھروں اور درختوں وغیرہ کی عبادت کرتے ہیں اُن میں اپنے
خیال کے مطابق کچھ جان کا اثر دیکھا کہ مثلاً انھوں نے باتیں کی یا کوئی جنس کی پس اس پر
ٹو ہو گئے۔ اور اُس جانِ حقیقی حق تعالیٰ سے غافل ہو گئے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

دیدہ در وقتیکہ شد حیرانِ ونگ
کہ سخن گفت اشارت کرد سنگ
یعنی ایک ایسے وقت میں دیکھا جبکہ وہ حیران اور رنگہ ہو گیا کہ پتھر نے بات کی اور اشارہ کیا
یہ کہ اگر کوئی بات کبھی کبھار معلوم ہوئی کہ مثلاً کوئی شیطان پتھر میں سے بول پڑا۔ یا اُس نے
کچھ اشارہ کر دیا تو بس یہ اس پر ٹو ہو گئے اور سمجھے کہ بس یہی سب کچھ ہے۔

نزدِ حضرتِ اچو ناموضع بہت
شیر سنگی راشقی شیرے شہناخت
یعنی خدمت کی نزدِ کو جب بے جا کہہ دیا تو بخت شیر سنگی کو شیر سمجھ گیا۔

از کرم شیر حقیقی کرد جوہر استخوانی سونے سنگ اندر نیست
 یعنی کرم کی وجہ سے شیر حقیقی نے بخشش فرمائی اور ایک ہڈی جلدی ہو گئے کہ صرف اللہ ہی
 گفت کہ نہایت اس سنگ قوم لیک مارا استخوان لطیفست عام
 یعنی فرمایا کہ اگرچہ وہ کتا راہ راست پر نہیں ہے لیکن ہمارے لئے تو ہڈی دینا ایک لطیف
 عام ہے مطلب یہ کہ جب اس نے عبادت کو اس کے غیر محل میں استعمال کیا اور سر دوسرے
 آگے جھکا دیا۔ تو اس کا یہ وبال ہوا کہ اس کی آنکھیں حقیقت سے اندہی ہو گئیں اور وہ اس
 غیر محل ہی میں لگا رہا۔ اور حقیقت سے غافل رہا۔ اس کی یہی مثال ہو گئی کہ جیسے ایک اگلی
 شیر بہت سی ہڈیاں اور گوشت لئے بیٹھا ہے۔ اور تقسیم کر رہا ہے اور سلسلہ ہی دیوار
 پر ایک شیر کی تصویر بن رہی ہے۔ سب آتے ہیں اور اس شیر اگلی کے پاس سے ہڈی یا گوشت
 لیجاتے ہیں لیکن ایک کتا آیا اور وہ اس شیر کی تصویر کو شیر اگلی سمجھ کر اس کی خوشامد کرنے
 اور اس سے خوراک مانگنے لگا جب شیر اگلی نے اس کو اس طرح دیکھا تو اس نے ایک ہڈی
 اس کی طرف بھی پھینک دی کہ خیر ہمارا لطیف تو عام ہے اگرچہ یہ اس طرف متوجہ ہے لیکن ہم
 تو اپنے لطیف کو بند کر رہے ہیں ہم تو اس کو روزی دے رہے ہیں مگر یہ قوت کتا یہ سمجھا کہ یہ ہڈی
 اس تصویر نے دی ہے یہ سمجھ کر اور بھی اس کی خوشامد میں لگ گیا پس اسی طرح حق تعالیٰ نے
 سے تمام عالم کو ہر طرح کا فیض ہو رہا ہے اور تمام عالم کو ہر شے اسی سے ملتی ہے لیکن یہ قوت
 مشرک نے کسی پتھر وغیرہ میں سے کوئی آواز سن لی۔ یا اور کوئی بات دیکھ لی جو کہ کسی شیطان کا
 تصرف تھا۔ پس یہ اس بت حق کا ہو رہا۔ اور اسی میں لگ گیا اور ساری حاجات اسی سے
 مانگنے لگا جب فیاض حقیقی یعنی حق تعالیٰ نے اس کو اس طرف متوجہ دیکھا تو اس نے جو حاجت
 مانگی وہ اس کی پوری کر دی۔ تاکہ اس محبت کو مدت العمر اس طرف آنا ہی نصیب نہ ہو بقول شخصہ
 مع بکنا تار تا بمیرد در رخ خود پرستی۔ لیکن یہاں در رخ بت پرستی مناسب نہ ہو غرض کہ اس نے
 سمجھا کہ یہ شے اس بت نے دی ہے اور اس نے یہ سمجھ کر اس کی پرستش شروع کر دی
 اور معبود حقیقی سے اعراض کیا۔ حالانکہ وہ تصرف بت کا عارضی اور شیطانی دھندل تھا۔
 جیسا کہ انہر ان الشمس ہے۔ محبت نے اس قدر قدرت عامہ کو تو دیکھا نہیں کہ تمام عالم کس نے بنایا

اُس نے یہ ساری نعمتیں زمین میں ہمیں ایک عجیب شے دیکھا کہ ہمیں لگ گیا۔ لغو زبان نہ آئے
حضرت حلیمہ کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے
پاس سے زمانہ بچپن میں گم ہو گئے تھے اور وہ پریشان تھیں تو اس وقت ایک بوڑھا شخص آیا
انکو غریب کے پاس لے گیا۔ کہ ایک بستر ملا دیا اور کھڑا کھڑا بٹلا دیا کہ تانتا تھا تو یہ صرف شیطانی تھا کہ وہ
بولتا تھا۔ اوپر سے اُس حکایت کو بھی رابطہ ہے کہ دیکھو اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے
کہ وہ بٹ کچھ حرکت وغیرہ کرتے تھے۔ اور اُن میں سے آوازیں وغیرہ آتی تھیں جسکی وجہ سے
وہ لوگ اُن کے معتقد تھے۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

حضرت حلیمہ سعدیہ کابتوں سے درد چاہتے کا قصہ جبکہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد دودھ چھڑانے کے گم کیا تھا اور بچوں کا
کانپنا اور سجدہ میں حضور کا نام سن کر گر پڑنا *

تازہ دید داستان او غمت
بر کفش برداشت چوں ریاں دور
تا سپار و آن شہنشاہ راجد
شد بکعبہ و آمد او اندر حطیم
یافت بر تو آفتابے عظیم
صد ہزاراں نور از خورشید جو

قصہ راز حلیمہ گوئیم
مصطفیٰ را چوں ز شیر او باز کرد
می گریز ایندیش از ہرنیک و بد
چوں ہی آورد امانت راز نیم
از ہوا بشنید بانگے کا حطیم
اس حطیم امرو ز آید بر تو زود

محترم شایہ کہ پیکار دست بخت منزل جانہائے بالامی شوی آیت از ہر نواہے مست شوق نے کسے در پیش وئے سوئے قفا شد پیلے آن نندار جاں فدا تا کند آن بانگ خوش راجستجو کہ کجا ہست آن شد اسرار گو می رسیدار ب رسانندہ کجا است جسم لرزاں سچو شاخ بید شد مصطفیٰ را بر مغان خود ندید گشت بس تار یک از غم منزش کہ کہ بر درانہ ام غارت گماشت ماند انستیم کاخا کو دکیست کہ ازو گریاں شدند آن دیگر اں کا حراں گریاں شدند از گریاں	اے حطیم امروز آرد در تو خست اے حطیم امروز بیشک از نروی جاں پاکان ملک طلب جوق جوق گشتہ حیراں آن حلیمہ زان صدا ششجہت خالی ز صورت بین ہوا مصطفیٰ را بر زمین نہیاد او چشم می انداخت آن دم سو سو کایں چندین بانگ بلند از چپے است چوں ندید او خیر و نو مید شد باز آمد سوئے آن طفل رشید حیرت اندر حیرت آمد بر دوش سوئے منزلہا و دید و بانگ داشت مکیاں گفتند ما را علم نیست رخیت چنداں شک کرد از پس افغان سینہ کو با آن خچاں بگریست خوش
---------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	---------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

حکایت پنجمی کہ جس نے حضرت حلیمہ کو بتوں پر جانے کیلئے ہدیہ کی

پیر مردے پیش آمد با عصا	کے حلیمہ پر فدا خسترا
-------------------------	-----------------------

کہ چنیں آتش ز دل افسردختی
گفت احمد را رضیم معتمد
چوں رسیدم در خطیم آواز با
سن چو آن الحان شنیدم از ہوا
تا بہ نیم این ندا آواز کیست
نزد کہ دیدم بگرد خود نشان
چونکہ واگشتم ز حیرتہائے دل
گفتش اے فرزند تو اندہ مدار
کہ بگوید گر بخواہد حال طفل
پس حلیمہ گفت اے جانم فدا
ہیں مرا بتمائے آن شاہ نظر
بر داورا پیش غری کاین صتم
ما ہزاراں گم شدہ زویا تسیم
پیر کرد اور اسجد و گفت زود
گفت اے عزیزی تو بس اگر اہما
بر عرب حق ست از اکرام تو
این حلیمہ سعدی از انبید تو
کہ ازو فرزند طفلی گم شدہ است

وین جگر بار از ماتم سوختی
بس بیاور دم کہ بپارم جگر بید
می رسید و می شنیدم از ہوا
طفل را بہنادم آنجا زان صدا
کہ نداؤ بس لطیف و بس شہی است
نہ ندای منقطع شد بیکہ ماں
طفل را آنجا ندیدم وائے دل
کہ نہایم مر ترا یک شہر پار
او بداند منزل و تر حال طفل
مر ترا اے شیخ خوب خوش لقا
کش بود از حال طفل من خبر
ہست در اخبار غیبی مفتنم
چوں بخدمت سوائے او بشتا فتم
ائے خداوند عرب وائے بحر جود
کردہ تارستہ ایم از دامنہا
فرض گشتہ تا عرب شد رام تو
آمد اندر ظل شاخ بید تو
نام آن کو دک محمد آمدہ است

<p>چون محمد گفت آن جمله بتاں کہ بروائے سپہ اینچہ جستجو است مانگوں و سنگسار اینسم ازو آن خیالائے کہ دیدندے زما کم شود چوں بارگاہ اور سجد دور شو اے سپہ رفتہ کم فروز دور شو بر خدائے سپہر تو اینچہ دم از دہا افشروں است زیں خبر خوں شد دل دریا و کان</p>	<p>سنگوں گشتند سا جد آنزماں آن محمد را کہ عزراں درو است ما کسا دو بے عبا را اینسم ازو وقت فترت گاہ گاہ اہل ہوا آب آسہ مریسم را درید ہیں ز رشک احمدی مارا کسوز تانسونے ز آتش تقدیر تو ہیج دانے چہ خبر آوردن است زیں خبر لرزاں شود ہفت ستاں</p>
----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

اب ہم علیمہ سعدیہ دایہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس راز کا واقعہ بیان کرتے ہیں جو ان پر منکشف ہوا تھا تاکہ اسکے بیان سے تمہارا رنج و غم دور ہو۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ جب انھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوہہ چڑایا تو واقعہ شق صدر سے خوف زدہ ہو کر بہ وقت انکوریجاں و گلاب کی طرح ہتیلی پر رکھتے لگیں یعنی پیش نظر رکھا کرتی تھیں تاکہ کوئی اور حادثہ پیش نہ آجائے۔ اور ہر بھلائی برائی سے انہیں بچانی تھیں۔ (سب بالغہ ہے کمال حفاظت میں) تاکہ صحیح و سالم انکو انکے جد امجد کو سوپ دیں پس جبکہ ان پر خوف ضرر غالب ہوا اور وہ انکو اس اندیشہ ضرر سے کعبہ میں لائیں اور حطیم میں داخل ہوئیں تو ہوا میں سے انھوں نے یہ ندا سنی اسے حطیم آج چھپر ایک جلیل القدر آفتاب طالع ہوا ہے۔ اور اے حطیم آج چھپر اس خورشید سخا کی جانب سے ہزاروں انوار برکات فائض ہونگے اور اے حطیم آج چھپر ایسے با شہادت بادشاہ نے نزول جلال فرمایا ہے جنکا قاصد تیری جانب خوش اقبال ہے یعنی وہ اپنے نزول اجلال سے پہلے تیری جانب خوش اقبال کو پہنچ چکے ہیں اور تجھے خوش اقبال نصیب ہو

کر چکے ہیں۔ اور اسے حطیم آج نئے سحر سے تو منزل ملا نہ کہ حمت بنے گی۔ اور آج اور اوج
 طیبہ (ملائکہ) جماعت و جماعت و گروہ درگروہ مست شوق ہو کر ہر طرف سے تیری طرف
 آئیں گی۔ اس نذر کو سن کر حطیم حیران ہو گئی کیونکہ نہ کوئی آگے دکھلائی دیتا تھا اور نہ
 پیچھے غرض کہ جہات سستہ میں بولنے والے کی صورت نہ دکھلائی دیتی تھی۔ مگر یہ آواز اس
 جاہلانے شتاقان قربان ہوں برابر آرہی تھی انھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کو ریس پر بٹھلا دیا۔ تاکہ اس اچھی آواز کو تلاش کریں کہ یہ کیسی آواز ہے اور کہاں سے آرہی ہے
 پس وہ بٹھلا کر تلاشیں لگیں۔ اور ہر طرف نظریں دوڑاتی تھیں۔ تاکہ معلوم ہو کہ یہ اسرار بیان
 کرنے والا کہاں ہے۔ اور تحیر ہو کر دل میں کہتی تھیں کہ وائیں بائیں سے اس قدر بلند آواز کیسے
 ہیں مگر اسے اللہ انکا پہونچانے والا کہاں ہے۔ انھوں نے جب انھوں نے بولنے والے کو نہ دیکھا
 تو بہت پریشان ہو گئیں اور ان پر بالو سی طاری ہو گئی۔ اور بہت سے جسم بید کی طرح کانپنے
 لگا بالآخر وہ اس جہندی چم کی طرف نوٹش مگر انکو آجگہ نہ پایا جہاں انکو بٹھلایا تھا۔ اس سوا انکو
 اور بھی تحیر ہوا اور مارے غم کے وہ مقام انکی نظر میں تاریک ہو گیا۔ وہ گھر گھر تلاش کرنی تھیں اور
 کہتی تھیں کہ میرا موتی کس نے لوٹ لیا۔ اور میرا بچہ کس نے اٹھا لیا۔ مگر اہل مکہ نے کہا کہ ہم کو کچھ
 خبر نہیں اور ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ جہاں تو بتلاتی ہے وہاں کوئی لڑکا تھا۔ یہ جواب سن کر بہت
 روئیں۔ اور بہت کچھ آہ و زاری کی کہ ان کے رونے کو دیکھ کر اور لوگ بھی رو پڑے۔ اور غم سے
 چھائی کوٹتے ہوئے اس قدر روئیں کہ انکے رونے سے ستارے بھی رونے لگے (مبالغہ ہے
 حقیقت مقصود نہیں) آخر ش ایک بڑبلا ٹھی لئے ہوئے انکے سامنے آیا۔ اور کہا کہ اے طیبہ
 بتا تو سہی تجھ پر کیا مصیبت پڑی کہ تو نے اپنے دل کی آتش غم کو اس قدر مشتعل کیا ہے۔ اور
 دوسروں کے کلیجہ نکو شور و شیون سے جلا ڈالا ہے انھوں نے کہا کہ میں محمد کی معتمدہ وایہ مول اور
 میں انکو اسلئے لائی تھی کہ ان کے دادا کو سوئپ دوں جب میں حطیم میں پہونچتی ہوں۔ تو
 غیب سے آوازیں آنے لگیں اور میں انکو سنتی تھی جب میں نے غیب سے وہ آوازیں سنیں تو
 انکی وجہ سے میں نے اس بچہ کو بٹھلا دیا۔ تاکہ میں دیکھوں کہ کسکی آواز ہے کیونکہ یہ تو بہت ہی
 پاکیزہ اور مرغوب ہے مگر میں نے نہ تو کسی کو اپنے آس پاس دیکھا اور نہ آواز ہی جہنم ہونی اسلئے

میں متحیر ہو کر لوٹ آئی جب لوٹی مہوں تو میں نے بچہ کو نہ پایا۔ یہ سن کر بڑے میاں نے کہا کہ
 بیٹا تم رنج نہ کرو کیونکہ میں تم کو ایک ایسا بادشاہ دکھلاؤں گا اگر وہ چاہے گا تو بچہ کی مفصل حالت
 بیان کر دیگا۔ کیونکہ بچہ کا ٹھکانہ اور اسکی روانگی کی کیفیت اُسے خوب معلوم ہے۔ یہ سن کر حکیم نے
 کہا کہ اسے شیخ خوش نقاسیری جان تجھ پر فرماں ایسے واقعہ کا بادشاہ کو جسکو مسکے بچہ کی
 حال کی خبر ہو مجھے ضرور دکھلا۔ پس وہ انکو عزتی کے پاس لیگیا۔ اور کہا کہ عجیب کی خبر میں تیر
 ہیں بہت غیبت ہے جبکہ ہم اسکی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے بہت سے گمشدہ لوگوں کو
 اسکے سبب پایا ہے۔ یہ کہہ کر اُس نے اُس بت کو سجدہ کیا اور سلسلہ کلام کو یوں شروع کیا۔
 اے خداوند عرب اور اے بحر و دریا اے عزیزی آپ بچہ ہم لوگوں پر بہت سے انعامات کئے ہیں
 جنکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دامائے بلا کجھوت گئے ہیں۔ عرب پر آپکی تنظیم کا حق ہے اور وہ اپنے فرض
 ہو گیا ہے یہاں تک کہ اسی حق کے ادائیگے عرب آپکے مطیع ہو گئے ہیں۔ یہ حلیمہ سعیدہ امیدار
 ہو کر آپ کے بید عاطفت کے سایہ میں آئی ہے۔ کیونکہ اسکا ایک بچہ گم ہو گیا ہے۔ اور اسکا نانا
 محمد ہے جب اُس نے لفظ محمد کہا تو اسکو سنتے ہی سارے بت اور ندھے گر گئے اور سب موجود ہو
 اور کہا کہ اے بڑے توجہ داجا تو ہم سے اس محمد کا کیا پتہ لگانا چاہتا ہے جو ہم کو معزول کر دیگا۔
 اور ہماری حکومت کو عرب سے اٹھا دیگا۔ ہم اُنکے ہاتھوں سنگوں میں اور اُنکے ذریعہ سے ہماری
 بے رونقی ہو جاوے گی۔ اور ہم محض نکتے ہو جاویں گے۔ اور جو کشتے کہ قدرت و جاہلیت کے زائے ہیں
 لوگ کبھی کبھی ہم سے دیکھ لیتے تھے۔ اُنکے دور حکومت میں وہ سب فنا ہو جائیں گے واقعی بات
 ہے اب آندیم برخواست۔ (یہ مولانا کا مقولہ بطور جملہ بمعرفہ کے ہے) ہاں اے بڑے (دور
 اور آتش فتنہ کو نہ بھڑکا۔ اور محمد کے رشک سے ہمیں مت جلا اور اے بڑے میاں تو یہاں سے
 چلا جا۔ ایسا نہ کہ آتش تقدیر الہی تجھے بھونک ڈالے۔ کیونکہ تیرے اس فعل سے ظاہر ہے کہ
 تو ہم کو محمد سے بے فکر سمجھتا ہے۔ ارے ناداں اذو ہے کی دم کیوں مروتا ہے اور فتنہ کیوں
 برپا کرتا ہے تجھے معلوم ہے کہ تو یہ کیا خبر لایا ہے۔ اس خبر غیبی کے تو دریا اور کانوں کا دل خون خوار
 ہے۔ اور اس خبر سے تو سات آسمان کا پتہ ہیں۔

چوں شنید از سنگا پیر این سخن، پس اعضا انداخت اُن پیر کس

پس ز لرزه خوف و بیم آن ندی
 آنچنان کا ندر زمستان مرد عور
 چون در آن حالت بدید آن پیرا
 گفت پیر اگر چه من در محنتم
 ساعتی بادم خطیبی می کند
 باد با حر فرم سخنها می دهد
 گاه طفل را ربوده غیبیاں
 از که نالم با که گویم این گله
 غیر تش از شرح غلیم لب لبست
 اگر بگویم چسند دیگر من کنوں
 گفت پریش کاه حلیمه شاد باش
 تو محو غم که نگر دو یا ده او
 هر زمان از رشک و غیرت پیش و پس
 آن ندیدی کان بتاں ذوق نون
 این عجب قرنی است بر بخت زمین
 زین رسالت سنگها چون ناله داشت
 سنگ بی جرم است در معبودش
 آنکه مضطرا اینچنین ترسان شده است

پیر زنده آنها بسم بر می زد
 او ای لرزید و می گفت ای ثور
 زان عجب گم کرد زن تدبیر را
 حیرت اندر حیرت اندر حیرت
 ساعتی سنگم ادیبی می کند
 سنگ کو هم فرم اشیا می دهد
 غیبیاں سبز پوش آسمان
 من شدم سوداے آنکون صدوله
 اینقدر گویم که طفل گم شده است
 خلق بندم برنجیب جنوں
 سجده شکر آورد و را کم خراش
 بلکه عالم یا ده گردد اندرو
 صد هزاراں پاسبانست حرس
 چون شدند از نام طغلت ننگوں
 پیر گشتم من ندیدم جنس این
 تاجه خواهد بر گنگاراں گماشت
 تونه مضطر که بند بودیش
 تا که بر مجرم چرا خواهند بست

جب پتھروں سے بڑھنے یہ بات سُنی تو اُسکے ہاتھ سے لاکھی چھوٹ گئی اور اس آواز کی
 ہمیت خوف اور خوف کے سبب لرزے سے اُسکی حالت یہ تھی کہ دانت بجتے تھے اور
 یوں کانپتا تھا جیسے جاڑے میں کوئی تنگا کانپتا ہو اور ہائے رے بربادی ہائے
 تباہی پکار رہا تھا۔ جب حلیمہ نے بڑھنے کو اس حالت میں دیکھا تو اس حیرت انگیز واقعہ
 سے اُس کے ہوش اور ہی جاتے رہے۔ اور اسکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے بالآخر
 اُس نے کہا کہ بڑے میاں گو میں سخت تکلیف میں ہوں لیکن ان ہی عجیب واقعات سے
 میں نہایت ہی متحیر ہوں کبھی تو ہوا مجھے ہمکلام ہوتی ہے۔ اور کبھی پتھر مجھے تادیکہ کے
 ہیں اور کبھی ہوا صاف الفاظ میں مجھے باتیں کرتی ہے کبھی پہاڑ کے پتھر مجھے رضائیں سمجھا
 ہیں۔ کبھی آسمانی سبز پوش فرشتے میرے پیچ کو اٹھالیا جاتے ہیں اب میں کس کے آگے رُوں
 اور کس سے شکایت کروں۔ میں تو ان حیرت انگیز واقعات سے دلوانہ ہو گئی ہوں غیرت
 خداوندی نے اُن اور غیبیہ کے بیان سے میرے ہونٹ سی دے ہیں جنکو میں نے دیکھا ہے
 اسلئے میں کچھ نہیں کہتی۔ اور صرف اتنا کہتی ہوں کہ میرا بچہ گم ہو گیا۔ اور اگر میں کچھ اور
 کہتی ہوں تو لوگ مجھے دلوانگی کا الزام لگا کر ابھی زنجیروں میں باندھ دیں گے اس لئے
 خاموشی ہی بہتر ہے۔ یہ سنکر بڑے میاں نے کہا کہ اے حلیمہ خوش ہو اور سجدہ شکر
 بجالا اور منہ کو مت نوح اور غم نہ لھا۔ کیونکہ وہ گم نہ ہوگا۔ بلکہ ایک عالم آہیں گم ہو گیا
 یعنی وہ سب پر غالب ہوگا۔ رشک وغیرت خداوندی کے سبب ہر وقت اُسکے آگے
 پیچھے سیکڑوں نگہبان اور محافظ ہیں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ یہ بت تیسرے بچہ کا
 نام سننے ہی سرنگوں ہو گئے۔ مگر جبکہ حق سبحانہ کے نزدیک وہ اتنے معزز ہیں تو ان پر
 کوئی شخص دسترس اور قابو کیونکر پاسکتا ہے۔ روئے زمین پر یہ عجیب زمانہ اور وقت ہے
 کہ میں بڑھا ہو گیا مگر ایسا زمانہ کبھی نہیں دیکھا۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں
 کہ ٹکو معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سننے ہی بہت چلا اٹھے۔ تو جبکہ
 اس خبر سے پتھروں کی یہ حالت تہوڑی کہ وہ چلا اٹھے تو تم سمجھ سکتے ہو کہ گندگاروں کو انکی
 جرمنکی کیا کچھ سزا ملے گی پتھر تو اپنی معبودیت میں پھر بھی بے قصور ہیں۔ مگر بندہ تو ان کی

پرستش میں مضطرب اور مجبور نہیں۔ تو جبکہ مضطرب اور مجبور کو اس قدر خوف ہو۔ تو سمجھ لینا چاہئے کہ باختیار آپ کی مخالفت کرنے والوں پر کیا عقوبت واقع کیا جائیگی۔

قَدْ تَجَرَّ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ مِنَ الْفِتْرِ الرَّابِعِ مِنَ الْمَشْغُولِ وَالْحَدِّ

شرح شبیری

حضرت علیمہ علیہ السلام کا بتوں میں درج چاہئے کہ قصہ حبیبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد دودھ چھڑانے کے کیا تھا اور بتوں کا کا پینا اور سجدہ میں حضور کا نام سن کر گر پڑنا،

قصہ راز علیہ السلام کی حکمت تازہ دید داستانِ غمت
یعنی میں راز علیہ السلام کے قصہ کو تم سے بیان کرتا ہوں تاکہ ان کا داستانِ تمہارے غم کو صاف کر دے یعنی ذکر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارا غم دور ہو۔ لہذا میں حضرت علیہ السلام کا قصہ بیان کرتا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قصہ سے مسلمان کا غم دور ہونا اظہر ہے
مصطفیٰؐ راجوں ز شیر اوبار کرد
یعنی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب انھوں نے دودھ سے الگ کیا۔ تو انکو ریحانِ در کی طرح گود میں اٹھایا (بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لطافت و نزاکت کے ریحانِ دور سے آپ کو تشبیہ دی)

حی گو نریندیش از ہر نیک و بد
تا بسیار دآں شہنت را بچہ
یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نیک و بد سے بچاتی تھیں۔ تاکہ اُس شہنشاہ کو (آنحضرت) داد صاحب کو سپرد کریں (چونکہ حضرت علیہ السلام میں رہتی تھیں اس لئے بعد دودھ چھڑو

کے حضرت کو مکہ میں حضرت عبد المطلب کو سپرد کرنے لائی تھیں۔

چوں بھی آورد امانت را ز نیم شد بکعبه و اندا و اندر حطیم
یعنی جب وہ امانت کو خوف کی وجہ سے لادری تھیں تو کعبہ میں گئیں اور حطیم کے اندر آئیں
مطلب یہ کہ چونکہ وہ شوق صدر کے قصہ کی وجہ سے ڈر گئی تھیں تو اس ڈر کی وجہ سے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کہ ان کے پاس امانت تھی لادری تھیں اور اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ جب
مکہ آتے تو اول زیارت کعبہ شریف سے مشرف ہوتے تو جب وہ آپ کو لیکر آئیں تو وہ بھی
اول کعبہ کی زیارت کو تشریف لائیں۔ اور حطیم میں تشریف لیگئیں۔
از ہوا بشنید بانگے کا حطیم تافت بر تو آفتابے بس عظیم
یعنی ہوا میں سے ایک آواز سنی کہ اے حطیم تیرے اوپر ایک بہت عظیم شان آفتاب
چمک رہی ہے۔ (اور یہ سننا کہ)

اے حطیم امروز آید بر تو زود صد ہزاراں نور از خورشید وجود
یعنی اے حطیم آج تیرے اوپر ہزار لاکھوں نور خورشید گرم سے آویں گے۔
اے حطیم امروز آرد در تو زود محشم شاپ کہ پہاگ دوست
یعنی اے حطیم آج تیرے اندر ایک ایسے با شمت بادشاہ جنگا کا قصد نصیب تیرے اندر اسباب
لائے ہیں۔

اے حطیم امروز بے شک ز نوی منزل جاہناے بالامی شوی
یعنی اے حطیم آج بے شک تازگی کی وجہ سے تو ارواح قدسیہ کی منزل ہو رہا ہے۔
جان کا طلب طلب جو جوق آیدت از ہوا جی مست شوق
یعنی ارواح قدسیہ گردہ گردہ اور جوق جوق تیرے پاس ہر طرف سے مست شوق ہو کر آ رہی ہیں
گشتہ حیراں آن حلیمہ زان صدا نے کسے در پیش منے سوزے قفا
یعنی وہ حلیمہ اس آواز سے حیران ہوئیں کہ نہ تو کوئی شخص آگے سے اور نہ پیچھے سے۔
شجعت خالی ز صبر وین شد پیالے اس ندر اراجان فدا
یعنی شجعت صورت تو خالی ہیں اور یہاں دھپے درپے آ رہی ہیں (مولانا فرماتے ہیں کہ) اس آواز

کے اوپر جاں فدا ہے یعنی حضرت علیہ کو یہ تعجب تھا کہ کوئی صورت آدمی وغیرہ کی توہج نہیں
اور یہ آواز آ رہی ہے۔ تو کہاں سے اور کسکی ہے۔

مصطفیٰؐ را بر زمین بہا دادو تاکند آں بانگ خوش را بجو،
یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو آنھوں نے زمین پر رکھ دیا تاکہ اُس آواز خوش کو تلاش کریں،
چشم می انداخت آندم سو کہ گجاست اُل شد اسرارگو
یعنی وہ آنکھ کو ہر طرف ڈالتی تھیں کہ وہ بادشاہ اسرار کا کنو والا کہاں ہے۔ (اور فرما رہی تھیں کہ)،
اچنہیں بانگ بلند از چپ رست میرسد یارب برسانندہ گجاست
یعنی ایسی بلند آواز راستے اور بائیں سے پہنچ رہی ہے اسے اللہ پہنچانے والا کہاں ہے،
چوں ندید او خیرہ و نو مید شد جسم لہ زان بچو شاخ بید شد
یعنی جب آنھوں نے (کسی کو) نہ دیکھا تو وہ حیران اور ناامید ہو گئیں۔ (اور خوف کی وجہ سے)
جسم شاخ بید کی طرح لرزنے لگا۔

باز آمد سوئے آں طفل رشید مصطفیٰؐ را بر مکان خود ندید
یعنی پھر اُس طفل رشید کی طرف واپس آئیں تو مصطفیٰؐ کو اپنی جگہ پر نہ دیکھا،
حیرت اندر حیرت آمد بردش گشت بس تار یک از غم نریش
یعنی اُن کے دل پر حیرت و حیرت آئی اور غم کی وجہ سے اُنکی جگہ بالکل تاریک ہو گئی۔
سوئے منزل ہما دوید بانگ رست کہ کہ برد روانہ ام غارت گشت
یعنی گھر و انکی طرف دوڑیں اور آوازیں دیں کہ کس نے میرے موٹی پر لوٹ مقرر کی یعنی میرے لال کو کس نے لیلیا
کہیاں گفتند ما را علم نیست ماندانستم کا اینجا کو دوست
یعنی بڑے لوگ نے کہا کہ ہمیں تو خبر نہیں کہ ہم (یہی) نہیں جانتے کہ اس جگہ کوئی بچہ ہے +
رخیت چنداں اشک کرد ازین فعل کہ از و گریاں شدند آں دیگران
یعنی اتنے آنسو گر آئے اور اسقدر فریاد کی کہ اُن کی وجہ سے وہ دوسرے لوگ رونے لگے،
سینہ کو بال آنچناں گریست جوش کا ختران گریاں شدند از گریہ اش
یعنی وہ سینہ کوٹ کر اسقدر روتے کہ سینے کے روتے کی وجہ سے رونے لگے۔ (مبالغہ ہو بیان کر رہیں)

حکایت اس مٹھ کی کہ جس نے حضرت کو ہوں مدیا کیلئے ہڑا کی

پیرم دے پیش آمد باعصا کاے علیہ چہ فتاد آخر ترا
یعنی ایک بڈیا باعصا لاتی کے آنکے آگے آیا (اور بولا) کہ اسے علیہ تیرے اوپر کیا افتاد پڑی
(یہ بڈیا کسی تجانہ کا مجاور تھا)۔

کہ چنیں آتش زول فروختی، وں جگر بار از ماتم سوختی
یعنی کہ تو ایسی آگ دل سے بھر کا رہی ہے۔ اور ان (لوگوں کے) جگروں کو ماتم کی وجہ جلا رہا ہے
گفت احمد را رضیع معتمد، می بیاوردم کہ بپارم بجد
یعنی کہ حضرت علیہ نے فرمایا کہ (یہ سب) احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیلئے (ہے جو کہ) میرے
رضیع معتمد تھے میں ان کو لائی تھی تاکہ (ان کے) دادا کو سپرد دوں۔ (رضیع معتمد بدل ہوا احمد
یعنی وہ احمد جو کہ میرے رضیع معتمد تھے۔ ان کیلئے رو رہی ہوں)۔

چوں رسیدم در حطیم آواز ہا، میر رسیدم می شنیدم از ہوا
یعنی جب میں حطیم میں پہنچی تو بہت سی آوازیں مجھ پر ایسی پہنچ رہی تھیں اور میں سن رہی تھی،
من چو آن الحان شنیدم از ہوا، طفل را بنہا دم آنجا زان صدا
یعنی میں نے جب وہ آواز سنا تو مجھ کو میں نے اسی جگہ اس آواز کی وجہ سے رکھ دیا
تایہ بنیم این ندا آواز کیست کہ نداؤں کی لطیف دوس شہی است
یعنی تاکہ میں دیکھ لوں کہ یہ آواز کسی ہے کہ ایک بہت ہی لطیف اور مرغوب آواز ہے،
نہ کہے دیدم بگردن نشان نہ ندانی منقطع شد بکڑیاں
یعنی میں نے نہ تو اپنے گرد کسی کا نشان دیکھا (اور جو دھوکہ کا شبہ ہوتا تو یہ بھی نہ تھا اسلئے
کہ نہ وہ آواز ایک گھڑی کیلئے منقطع ہوئی تھی)۔

چونکہ و انستم زہیر تہائے دل، طفل را آنجا ندیدم و انجہ دل
یعنی جب میں دل کی حیرتوں کی وجہ سے واپس ہوئی تو میں نے اُن جگہ طفل کو نہ دیکھا (افسوس
گفتن اسے فرزند تو اندہ مدار کہ غایم من ترا یک شہر بار)

یعنی اس بڑے نے ان سے کہا کہ میں تو غمِ موت کر کیونکہ میں تجھے ایک شہر بار دکھاتا ہوں۔
 کہ جو یہ کہ خواجہ حالِ طفل اوداند منزلِ تر حالِ طفل
 یعنی کہ وہ اگر چاہے کا تو بچہ کا حال بتا دیا۔ وہ بچہ کی جگہ اور اسکے چلے جانیکو جانتا ہے (بچہ)
 بڑے کو معلوم تھا کہ وہ بڑے بھی نہیں بتا سکتا۔ اسلئے خبیث کہتا ہے کہ اگر چاہیگا
 تو بتا دیا کہ اگر نہ بتلاوے تو معلوم ہو کہ اسوقت مرضی نہیں)۔

پس حلیمہ گفت ای جانم فدا مر تراے شیخ خوب خوش ندا
 یعنی پس حلیمہ نے فرمایا کہ اے اچھے بڑے خوش آواز تجھ میری جان فدا ہو،
 میں مر ایتھائے اُن شاہِ نظر کش بود از حالِ طفل من خبر حلیمہ
 یعنی ہاں مجھے اُس شاہِ نظر کو دکھاؤ جسکو کہ میرے بچے کے حال کی خبر ہو۔ (چونکہ حضرت حلیمہ
 اُس وقت تو مسلمان نہ تھیں بلکہ عرب ہی کے عقائد کے مطابق تھیں اسلئے انھوں نے اگر بت
 کے پاس جانے کیلئے آمادگی ظاہر کی تو کیا تعجب ہے۔ اسجگہ بعض محتبہ نکاہ اعتراض کرنا کہ
 بھلا حضرت حلیمہ بتوں کے پاس کیوں گئیں جبکہ وہ حضور کی مہنت تھیں اور پھر اس عمر میں
 کا جواب دینا محض تکلف ہے سید ہی بات یہی ہے کہ اسوقت تک بوہد مسلمان نہ تھیں
 اُن کے وہی عقائد تھے ہاں بعد میں وہ ایمان لائی ہیں اُن پر اُس حالت میں اعتراض
 کرنا فضول ہے۔ خیر غرض کہ انھوں نے اس بڑے سے کہا کہ ہاں مجھ اُس بے گناہ بچہ کی۔
 بُرد اور اپیش غری کا یں صنم ہست در اخبائے غیبی مغنم
 یعنی وہ بڑا انا غری کے سامنے لیکھا (اور بولا) کہ یہ بُتِ غیب کی خبروں میں غنیمت ہے
 مطلب یہ کہ وہ غری کے آگے لیکھا اور بولا کہ بس یہ بُت ہے جو کہ غیب کی خبریں دیا کرتا ہے
 اور اس بارہ میں غنیمت ہے۔ یہاں ایک یہ شبہ ہوتا ہے کہ غری اول تو کہ میں نہ تھا
 بلکہ قبیلہ عطفان میں تھا پھر وہ اصلی بُت پتھر کا نہ تھا بلکہ ایک درخت تھا جسکو بعد میں حضرت خالد
 بن ولید نے جڑ سے اکھڑا دیا تھا۔ اور جب وہ اکھڑ چکا تھا تو اسکے اندر سے ایک عورت
 سرخ کپڑے پہنتے ہوئے پریشان نکلا کر بھاگی تھی۔ اُسکو حضرت خالد بن ولید نے تلوار سے
 مار دیا تھا اور وہ کوئی جن وغیرہ تھا جو کہ بولا کرتا تھا۔ لہذا پھر کہ میں جب وہ تھا نہیں تو وہ

جڑا حضرت حلیمہ کو اُسکے پاس کس طرح لے گیا۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہو کہ مکہ میں اُسکا کوئی نائب
پتھر کا بنالیا ہو اور اُسکا نام ہی عزری رکھ لیا ہو۔ اور بوجہ مشاکلت اُسی کے اُس درخت
والے جن کا اثر اُس میں ہی ہو غرض کہ یہ اکثر باتیں بتلا دیا کرتا تھا۔ تو بڑا ہاؤنکو اس کے
پاس لایا اور بولا کہ -

ماہز اراں گم شدہ زویا تیم چوں بجز دست سوز و شفا تیم
یعنی ہم نے ہزاروں گم شدہ اسکی وجہ سے پائے ہیں جبکہ خدمت میں اسکی طرف دیکھتے ہیں
پیر کرد اور اسجد و گفت زود اسے خداوند عرب ہی پرچہ خود
یعنی بڑے نے اُسکو سجدہ کیا اور جلدی سے کہا کہ اے عرب کے آقا را در دریا گرم کے،
گفت اسے عزری تو بس اگر ام ہا کردہ تارستہ ایم از دام ہا،
یعنی اس بڑے نے کہا کہ اے عزری تو نے بہت سوا اگر ام کو ہیں یا شک کہ ہم حال سے جھوٹ و تیر
بر عرب حق است از اگر ام تو، فرض گشتہ تا عرب شد اگر ام تو
یعنی عرب کے اوپر بوجہ تیسرا اگر ام کے تیرا حق ہے (اور وہ حق) فرض ہو گیا ہے یہاں تک
عرب تیرا مطیع ہو گیا ہے۔

این حلیمہ سعدی از امید تو آمد اندر ظل شاخ بید تو،
یعنی یہ حلیمہ سعدی تیری امید پر تیری شاخ بید کے سایہ میں آئی ہے (مولانا کا ظل شاخ
بید فرمانا لطف سے خالی نہیں)

کہ از فرزند طفلی گم شدہ است نام آں کو دک محمد آمدہ است
یعنی کہ اس کا ایک بچہ گم ہو گیا ہے۔ اور اس بچہ کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے،
چوں شمع گفت آں حملہ تیرا سزنگوں شتند صاحب کن زباں
یعنی جب اس بڑے نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا تو وہ سارے بت اسوقت
سجدہ میں اوندھے ہو گئے۔ (اور بولے کہ)

کہ بروائے پیر اینچہ جستجو است آن شمع را کہ عزل ملازوست
یعنی کہ اگر وہ بچہ پایا گیا اُس شمع (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلاش ہو جن سے کہ ہماری معزلی ہوگی،

مانگوں و سنگسار انیم ازو ماکسا دو بے عیار انیم ازو
یعنی ہم انکی وجہ سے اونڈے اور سنگسار ہیں اور ہم ان کی وجہ سے کھوٹے اور بے عیار ہیں
آن خیالاتے کہ دیدنے زما وقت فترت گاہ گاہ اہل ہوا
یعنی وہ خیالات جو کہ اہل ہوا ہم سے زمانہ فترت میں کبھی کبھی دیکھ لیا کرتے تھے۔ (فترت
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا زمانہ)
گم شود چوں بارگاہ اور سید آب آمد مریم رادر ید
یعنی گم ہو جاویں گے جبکہ اٹھکی بارگاہ پہنچے۔ کہ آب آمد مریم برحالت۔ (اور بولے کہ)
دور شو اسے پیرفتہ کم فروز ہیں زرشک احمدی مارا سونو
یعنی کما بے ڈبے دور ہو فتنہ کم روشن کہ ہکورشک احمدی سے مست جلا (یعنی بعد میں تو ہم تباہ
ہو دیں ہی گے مگر ابھی سے نام مبارک لے لیکر ہکلو کیوں تباہ کئے دیتا ہے۔
دور شو بہر خدا سے پیر تو تانہ سوزی ز آتش تفتدیر تو
یعنی کہ ارے ڈبے خدا کے واسطے دور ہو جا کیس آتش تقدیر سے تو جل نہ جاوے۔
ایچہ دم از دہا افشردن است ہیچ دانی چہ خبر آوردن است
یعنی یہ کیا از دہا کی دم ہلاتا ہے۔ اور تو کچھ جانتا ہے کہ یہ کیا خبر لانا ہے یعنی ارے تجھے
خبر بھی ہے کہ تو کیسی بات کہہ رہا ہے جو ہم سب کی ہلاکت ہے بس تو اب یہاں سے چلے
ورنہ تو بھی تباہ ہو جاوے گا۔

زین خبر خوں شد دل دیا و کاں زین خبر لرزاں شود ہفت آسماں
یعنی اس خبر کو جو جہ سے دریا اور معاون کا دل خون ہو گیا اور اس خبر سے ساتوں آسمان
کانپ اٹھے ہیں۔

چوں شتید از سنگہا پیراں سخن پس عصا انداخت آں پیرمہن
یعنی جب ڈبے نے پتھروں میں سے یہ بات سنی تو اس پر نے ڈبے نے لکڑی کو بھینکا یا
پس ز لرزہ و خوف و بیم آں نئے پیر دنا نہا بم برمی نئے
یعنی پھر لرزہ اور خوف اور اس آواز کے ڈر کی وجہ سے ڈبے کے دانت بجنے لگے۔

انچنان کا نذر زستان مرد غور اور ہی لڑید و میگفت اے تجو
یعنی جس طرح کہ جاڑے میں تنکا آدمی (کا پنتا ہے اسی طرح) وہ بڑبا کا تپ رہا تھا اور کہہ رہا
تھا اے ہلاکت۔

چوں در آن حالت بیدیاں پیرا زان عجب گم کرد زن تدبیرا
یعنی جب اُس بڑے کو اُس حالت میں دیکھا تو اس تعجب کی وجہ سے وہ عورت (یعنی
حلیئمہ) تدبیر بھول گئیں یعنی اُس بڑے کی احوالت کو دیکھ کر وہ ساری باتیں بھول
بھال گئیں۔

گفت پیر اگر چہ میں در محنتم حیرت اندر حیرت اندر حیرتم
یعنی حضرت حلیئمہ نے فرمایا کہ ارے بڑے اگر چہ میں غم میں ہوں (لیکن) حیرت
در حیرت در حیرت میں ہوں یعنی انھوں نے فرمایا کہ ارے بڑے اگر چہ ان کے گم ہو جائے
مجھے غم ہے لیکن اسکے ساتھ ہی میں نے جو باتیں اس سے پہلے بھی دیکھی ہیں اُن سے مجھے
حیرت در حیرت ہے اور وہ بعض باتیں یہ ہیں کہ۔

ساعتے بادم خطیبے می کند ساعتے سنگم ادیبے می کند
یعنی کبھی تو ہوا مجھے نصیحت کرتی ہے اور کبھی پتھر مجھ کو ادب دیتا ہے (اور یہ زبان
حال نہیں بلکہ)

باد با حرفم سخن سامی دہد سنگ و کوہم فہم اشیا رمی دہد
یعنی ہوا مع حرف کے مجھے باتیں کرتی ہے۔ اور پتھر اور پہاڑ مجھے چیزوں کا فہم دیتے
ہیں۔ یعنی مجھے بتلاتے ہیں اور سمجھاتے ہیں۔

گاہ طفلم را بودہ غیبیاں غیبیاں سبز پوش آسماں
یعنی کبھی میرے بچہ کو غیبی لوگ نے بھاگے ہیں اور غیبی (بھی) سبز پوش آسمان کے
یعنی آسمان سے سبز پوش لوگ آتے ہیں اور میرے بچہ کو اڑا لیجاتے ہیں اس سے مراد
فرشتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ رضاعت میں حضرت حلیئمہ سعدیہ
کو فرشتے دکھلائی دیا کرتے تھے۔ اور فرماتی ہیں کہ۔

از کہ نام با کہ گویم اس کلمہ من شدم سودائی انکوں صدمہ
یعنی میں کس سے کروں اور کس سے اس شکایت کو بیان کروں۔ میں تو سودائی اور
سودل والی ہو گئی یعنی پریشان ہو گئی ہوں۔ اور خیالات مختلف آتے ہیں دل ایک
ٹھکانے پر رہتا نہیں۔ آگے فرماتی ہیں۔

غیر ترش از شرح غلبہ لب بہت انبند گویم کہ طفل کم شدہ است
یعنی اسکی غیرت نے غیب کی شرح سے میرے لب کو بند کر لیا۔ (بس) اتنا کہتی ہوں
کہ میرا بچہ کھو گیا ہے بطلب یہ کہ مجھے غیرت آتی ہے۔ کہ میں میرے بچے کو نظر نہ لگ جائے
لہذا میں اب اُن کے حالات فرید بیان نہیں کرتی۔ اتنا ہی کہتی ہوں کہ میرا بچہ کھو گیا ہے
اور کچھ نہیں کہتی۔

گر بگویم حسرت دیگر من کنوں خلق بندم بہ زنجیر جنوں
یعنی اگر میں ایک اور بات کہ دوں تو ابھی دگ مجھے زنجیر جنوں میں باندھ لیں بطلب یہ کہ
انھوں نے فرمایا کہ اگر میں ایک اور بات ظاہر کر دوں جبکہ مجھے احتمال یا یقین ہے تو لوگ
ابھی مجھے محبوں کہتے لگیں گے اسلئے اُسکو میں ظاہر ہی نہیں کرتی اور وہ بات حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی نبوت کا احتمال یا یقین تھا یعنی انھوں نے کہا کہ اگر میں اس امر کو ظاہر کر دوں
کہ مجھے شبہ یا یقین ہے کہ یہ نبی ہیں تو لوگ مجھے محبوں کہیں۔ لہذا اب کچھ نہیں کہتی۔ مسئلہ
کہتی ہوں کہ میرا بچہ کھو گیا ہے۔

گفت پریش کا و حلیمہ شاد باش سجدہ شکر آرد و راکم خراش
یعنی بڑے نے اُن سے کہا کہ اے حلیمہ خوش رہ سجدہ شکر بجا لا اور منہ کم نہ بچ (یعنی غم نہ کر)
تو تجوز غم کہ نہ گرد و یا وہ او۔ بلکہ عالم یا وہ گرد و اندر
یعنی تو غم مت کیا کیونکہ وہ گم نہوں گے بلکہ تمام عالم اُن کے اندر گم ہو گا۔ یعنی اُنکا تاج ہو گا
ہزاراں زرشک غیرت پیش دلس صد ہزاراں یا سب انسٹ ہرس
یعنی ہر کھتری رشک و غیرت (حق) کی وجہ سے اُنکے آگے بھیجے لاکھوں یا سب انسٹ ہرس
اُن ندیدی کان بتاں زو نزل چوں شد نماز نام طفت نہ نگروں

یعنی کہتے یہ نہیں دیکھا کہ یہ بیتاں ذوفنون تیسری کے نام سے کیے اور نہ سے ہو گئے (تو اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ بہت بڑے رتبہ کے ہیں انکو کوئی گزند نہیں پہونچ سکتا ہے تم اطمینان سے رہو غم مت کرو۔ تھابذ با عقلند آگے کہتا ہے کہ)۔

اس عجب نے امت بھڑائے زمین پر شتم من ندیدم جنس میں
یعنی یہ ایک عجب زمانہ ہے جسے زمین پر میں تو بڑا ہو گیا میں نے اس قسم کا زمانہ
دیکھا نہیں۔ آگے بولانا فرماتے ہیں کہ۔

زمین رسالت سنگا چوں نالہ داشت تاجیہ خواہد برگندگار ان گماشت
یعنی اس رسالت سے جب پتھروں نے نالہ رکھا تو گناہگاروں (یعنی بت پرستوں)
پر کیا کچھ مقرر ہو گا۔

سنگ بے جرم است و معبودش تو نہ مضطر کہ سب دہ بولوش
یعنی پتھر تو اپنی معبودی میں بے جرم ہوا (مگر) تو تو مضطر نہیں ہے کہ تو اس کا بندہ ہو رہا ہے۔
آنکہ مضطر (انچندیں ترساں شدہ است تاکہ مجرم چپا خواہ اسند است
یعنی وہ کہ مضطر ایسے (اس سے) ڈرتے ہیں مجرم پر وہ کس طرح باند ہیں گے مطلب یہ کہ اس
رسالت اور نبوت کا پتھر و نیز جب یہ اثر ہوا کہ وہ اور نہ سے ہو گئے اور گریسے حالانکہ معبود
ہونے میں انکی کچھ بھی خطا نہیں وہ بالکل بے جرم و خطا ہیں کیونکہ وہ تو اس میں مضطر ہیں
لیکن یہ بت پرست تو مضطر نہیں اور یہ تو مجرم نہیں تو جب ان بتوں پر ایسا اثر پڑا تو یہ
جو بت پرست ہیں انکی تو کیا کچھ گت بنے گی نعوذ باللہ منہ آگے اسکی خبر عید المطلب کو ہو جا
قصہ بیان فرماتے ہیں

قَدْ تَعْرِى الرِّيحُ الْأَوَّلُ مِنَ الدَّفْرِ الرَّابِعِ

مِنَ الْمَشْنُونِ فِي اللَّهِ الْحَمْدُ